امام احمد رضا کی اجتہادی آراء

تالیف

ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی حفظہ اللہ تعالیٰ

موضوع: سیرت ومَناقب

عنوان: امام احمد رضا کی اجتہادی آراء

تالیف: ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی

عددِ صفحات: ۳٦۸

سائز: ۲۳ × ۳٦

تعداد:

ناشر: ادارۂ اہلِ سنّت کراچی۔

: idarakutub@gmail.com

: 0092-3459080612

www.facebook.com/darahlesunnat

آن لائن/ نشرِ اوّل

۱۴۴٦ھ / ۲۰۲۴ء

ISBN:
978-969-7833-25-02

تالیف

ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی

مُعاوِن

مفتی عبد الرشید ہمایوں المدنی
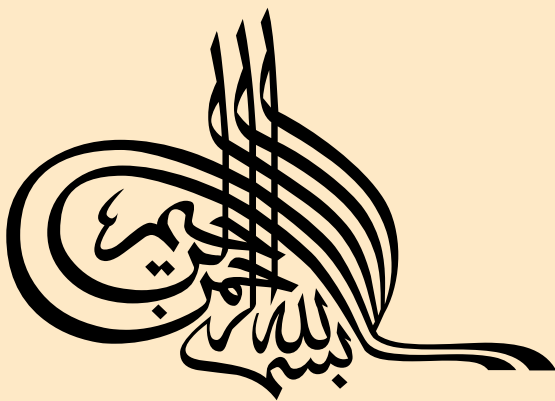
شرفِ انتساب

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

اپنی اس سعی کو دنیائے اسلام کی عظیم شخصیت، اور فقہِ حنفی کے بانی وامام، سراج الاُمّہ، کاشف الغُمّہ، سیّدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی کی طرف منسوب کرتا ہوں، جنہوں نے تادمِ حیات دینِ اسلام کی خدمت کی، قرآن وحدیث میں غَور وخَوض کر کے فقہی مسائل اور ان کے اَحکام کا اِستنباط واِستخراج فرمایا، اور اپنے شرعی اجتہاد کے ذریعے اُمّتِ مسلمہ کے لیے اَحکامِ شریعت پر عمل آسان کردیا(۱)۔

اللہ تعالی سیّدنا امام اعظم ابو حنیفہ، آپ کے اصحاب اور تمام ائمہ ومجتہدینِ کِرام پر کروڑہا کروڑ رحمتوں کی بارش فرمائے، اور ان پاکیزہ نُفوس کے فُیوض وبرکات

---

(۱) سیّدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے جن مسائل کا اِستنباط واِستخراج فرمایا، اُن کی تعداد لاکھوں ہے، "عنایہ شرح ہدایہ" میں ہے کہ "سیّدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اپنے اصحاب (شاگردوں) کو، تقریبًا گیارہ ۱۱ لاکھ تراسی ۸۳ ہزار فقہی مسائل اِملاء کرائے"۔ [انظر: "العناية شرح الهداية" خطبة الكتاب، ۱/ ۹] . علاوہ ازیں بطور تصنیف جو کتابیں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے منسوب ہیں ان کے نام حسبِ ذیل ہیں: (۱) "الفقه الأكبر" (۲) "الفقه الأبسَط" (۳) "الرسالة إلى عثمان ألبتي" (٤) "كتاب العالم والمتعلّم" (٥) "الوصية". [انظر: "إشارات المَرام من عبارات الإمام أبي حنيفة النعمان" للبياضي، مقدّمة المؤلِّف، صـ۱۰. و"كتاب الاعتقاد" للنيسافوري، صـ۸۵، ۸٦].

سے **جمیع اُمّتِ مسلمہ کو فیضیاب فرماتا رہے**، آمین بجاہ سیّد المرسَلین، علیہ وعلی آلہ وأصحابہ أفضلُ الصّلاةِ وأکمل التسلیم، والحمد للہ ربّ العالمین!.

دعاگو ودعاجو

محمد اسلم رضا میمن تحسینی

۲۵ صفر المظفّر ۱۴۴۶ھ/ ۳۱ اگست ۲۰۲۴ء

فہرستِ مضامین

فہرستِ مضامین

پیش لفظ

الحمد لله ربّ العالمین، والصّلاۃُ والسّلامُ علی سیِّد الأنبیاءِ والمرسَلین، وعلی آلہِ وصَحبِہ أجمعین، ومَن تَبِعَھم بإحسانٍ إلی یَومِ الدِّین، أَمّا بَعد: فأعُوذُ باللہ مِن الشّیطانِ الرَّجِیم، بسمِ اللہ الرَّحمن الرَّحِیم.

امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی کسی تعارُف کی محتاج نہیں، سیّدی اعلی حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے علم وفضل کا شہرہ آپ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں، سرزمینِ ہند سے لے کر ارضِ حجاز وغیرہا دُور دراز ممالک تک پھیلا ہوا تھا، اور عوام کے ساتھ ساتھ علمائے عرب وعجم امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ کے تبحُّرِ علمی کے نہ صرف معترِف تھے، بلکہ اپنی دینی مشکلات کے حل اور شرعی رَہنمائی کے لیے آپ کی طرف رُجوع بھی کیا کرتے تھے۔ تقریبًا سولہ ۱۶ ہزار صفحات پر مشتمل ضخیم "فتاوی رضویہ"[۱] (مطبوعہ ادارۂ اہلِ سنّت کراچی) اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے!۔

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کے دنیا بھر میں تین ۳ نسخے دستیاب ہیں: پہلا نسخہ "رضا اکیڈمی بمبئ" نے ۱۲ ضخیم بڑے سائز کی جلدوں میں شائع کیا، جو جہازی سائز کے دس ۱۰ ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل تھا۔ دوسرا نسخہ (تخریج شدہ -دستی کتابت) "رضا فاؤنڈیشن" لاہور نے تیس ۳۰ جلدوں میں شائع کیا، جو تقریبًا بائیس ۲۲ ہزار صفحات پر مشتمل ہے، اور اب تک اس کے متعدّد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔ اور تیسرا نسخہ (تخریج وتحقیق شدہ - کمپوزڈ) "ادارۂ اہلِ سنّت" کراچی سے بائیس ۲۲ جلدوں میں شائع ہوا، جس کا دوسرا مستند ترین ایڈیشن عنقریب زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے والا ہے۔

یہ فتاوی ہزاروں دقیق اَبحاث، اِفادات اور نکتہ آفرینیوں پر مشتمل ہیں، اعلی حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے صدہا مسائل کا اِستنباط اپنے امام (سیّدنا ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے وضع کردہ اُصول وقواعد کی رَوشنی میں فرمایا، اور کسی بھی مقام پر اُصول وفُروع میں اپنے امام کی مخالفت نہیں کی، بیسیوں غیر منصوص مسائل کا حکم بیان کیا، اور براہِ راست قرآن وحدیث پر مشتمل نُصوصِ شرعیہ سے اِستدلال واِستنباط کیا۔

صرف یہی نہیں بلکہ متعدّد ایسے مسائل جن میں فقہائے کرام قدس اسرارہم کے اَقوال، صدیوں سے باہم مُتعارِض چلے آرہے تھے، امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی خداداد اِجتہادی صلاحیت سے اُن کے تعارُض کو رفع کیا، اور اُن میں باہم یوں تطبیق دی کہ ہر قول اپنے محل کے اعتبار سے دُرست معلوم ہوتا ہے۔

نیز وہ مسائل جن میں فقہائے کرام کے متعدّد اقوال تو مَوجود تھے، لیکن قولِ راجح معلوم نہیں تھا، امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی تحقیقات وتدقیقات سے قولِ راجح بیان کیا، اور دنیا بھر کے مفتیانِ کرام کی فقہی وشرعی رَہنمائی بھی فرمائی۔

علاوہ اَزیں یہ بات نہایت خوش آئند ہے کہ آج امام احمد رضا کے فقہی مقام ومرتبہ کا دنیا بھر میں اعتراف کیا جارہا ہے! اور آپ کی شخصیت اور علمی مہارت پر انٹرنیشنل یونیورسٹیز (International Universities) میں پی۔ ایچ۔ ڈی (P. H. D) مقالے لکھے جارہے ہیں، لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ جس مقام کے حقدار ہیں، وہ مقام انہیں آج تک نہیں دیا گیا!!

عرب علماء بالخصوص علمائے حَرمین شریفَین نے امام اہلِ سنّت کی حیاتِ مبارکہ میں ہی آپ کے فقہی مقام کا اعتراف کیا، اور آپ کو چَودہویں صدی کا مجدِّد قرار

دیا[1]، لیکن اس کے باوُجود ستم بالائے ستم یہ، کہ بعد میں بعض لوگوں نے مسلکی تعصب کی بنا پر، امام اہلِ سنّت کا تعارُف دنیا بھر میں، بالخصوص عرب ممالک میں ایک بدعتی کے طَور پر کرانے کی مذموم کوشش کی، اور انہیں ایک نئے مذہب "بریلوی" کا بانی قرار دیا، جبکہ یہ بات مکمل طَور پر حقائق کے مُنافی اور محض جھوٹ پر مبنی پروپیگنڈہ ہے!۔

نیز اہلِ علم اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ اللہ تعالی نے امام اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کو دیگر بے شمار خوبیوں سے بھی نوازا تھا، سیّدی اعلی حضرت کو کثیر علوم وفنون پر مہارتِ تامّہ حاصل تھی، اللہ تعالی نے آپ کو علمِ لدُنی عطا فرمایا، آپ عرب وعجم کے امام، اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں!۔

پورے برِّ صغیر میں فقہی بصیرت اور محدِّثانہ عظمت میں، آج تک کوئی آپ کا ہم پلّہ نظر نہیں آتا، فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر امام اہلِ سنّت جیسی مہارت، دسترس اور عُبور کسی کے پاس نہیں تھا، آپ نے متعدّد لاینحل مسائل کا حل پیش کیا، اور فقہاء ومفتیانِ کرام کی رَہنمائی کے لیے فقہی اُصول وضوابط وضع کیے، اقوالِ راجحہ وغیر راجحہ کی نشاندہی فرمائی، باہم مُتعارِض اقوالِ فقہاء میں تطبیق دی، اور متعدّد مسائل کا اِستخراج واِستنباط فرمایا، اور یہ سب کام وہ ہستی کرتی ہے جس کا تعلق یقیناً طبقۂ مجتہدین سے ہو!۔

اعلی حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ طبَقاتِ فقہاء کے کس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ اور اُن میں مجتہدانہ خوبیاں اور صلاحیتیں کس قدر پائی جاتی ہیں؟ اس بارے میں اکابر علمائے اہلِ سنّت کے، اِنفرادی حیثیت سے اِکّا دُکّا اقوال تو ملتے ہیں، لیکن

---

(۱) "حُسام الحرمین علی منحر الکفر والمَین" تقریظات، تقریظ ٦، صـ٦٦.

بحیثیت جماعت غَور وفکر کرنے، اور فقہاء ومشائخِ اہلِ سنّت کی توجہ مَبذول کرانے کا سہرا، آج مولانا غلام احمد رضا شریفی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کے سَر ہے، جن کے دِل میں اللہ تعالی نے یہ بات اِلقاء فرمائی، اور انہوں نے اس انداز سے سوچنا شروع کیا، کہ جہاں اللہ تعالی نے امام اہلِ سنّت کو بے شمار خوبیوں اور کمالات سے نوازا ہے، تو کیا اتنے سارے کمالات کے ساتھ ساتھ امام اہلِ سنّت میں قدرتِ اجتہاد بھی مَوجود تھی یا نہیں؟ اور اگر آپ (امام احمد رضا) مجتہد تھے تو کس درجہ کے؟۔

مولانا غلام احمد رضا شریفی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں جیسے ہی یہ سوال اُبھرا، انہوں نے دنیا بھر میں مَوجود مفتیانِ کرام سے رابطہ شروع کر دیا؛ تاکہ امام اہلِ سنّت کے مقامِ اجتہاد کی بابت کچھ معلومات جمع کی جا سکیں۔ اس سلسلے میں محترم شریفی صاحب نے راقم الحروف سے بھی رابطہ کیا، اور اس موضوع پر مقالہ لکھنے کا حکم دیا، اس پر میں نے اپنی بے مائیگی کا اظہار کرتے ہوئے عُذر کیا، کہ شاید میں اس مَوضوع پر لکھنے کا حق ادا نہیں کر پاؤں گا، لیکن جناب شریفی صاحب کے اِصرار پر "فتاوی رضویہ" سے امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ کے اجتہاد کے کچھ نظائر تلاش کیے، اور انہیں ایک مقالہ کی شکل میں شریفی صاحب موصوف کی خدمت میں پیش کر دیا، جسے انہوں نے اپنے مجموعۂ مقالات: "امام احمد رضا بحیثیت مجتہد" میں شامل کر کے شائع کیا۔

بعد ازاں اسی مقالہ میں اِضافہ کی غرض سے، مزید اجتہادی نظائر کی تلاش شروع کی، جس میں اللہ ورسول کے فضل وکرم سے کامیابی ملی، اور وہ مختصر سا مقالہ سینکڑوں صفحات پر مشتمل، پیشِ نظر کتاب "امام احمد رضا کی اجتہادی آراء" کی صورت اختیار کر گیا۔

جہاں تک بات ہے اجتہاد کی، تو یہ اسلامی شریعت کی ایک اہم اِصطلاح (Term) ہے، اس کا لُغوی معنی ہے "کوشش کرنا" جبکہ اِصطلاحِ شرع میں وہ طاقت بھر کوشش جو کتاب وسنّت کے اِشارات سے، کسی شرعی حکم کے دریافت کے لیے کی جائے، اسے اجتہاد کہتے ہیں[1]۔

اہلِ سنّت وجماعت کے نزدیک، مجتہد کبھی مُصیب (درست رائے والا) ہوتا ہے، اور کبھی غیر مصیب، مگر اجتہادی خطا پر مُؤاخذہ نہیں ہوتا، اور وہ (مجتہد) گنہگار بھی نہیں ہوتا، بلکہ مجتہد کو بہر صورت اجر وثواب ملتا ہے، چاہے اس کا اجتہاد درست ہو یا اس میں خطا ہو۔ مجتہد مُصیب کو دو ۲ اجر ملتے ہیں، اور مجتہد غیر مُصیب ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے۔

حضرت سیّدنا عَمرو بن عاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: «إِذَا حَكَمَ الحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ، فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ، فَلَهُ أَجْرٌ»[2] "فیصلہ کرنے والا جب اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرے، اور اس کا فیصلہ (عنداللہ) صحیح ہو، تو اس کے لیے دو ۲ اجر ہیں، اور اگر وہ

---

(١) انظر: "النهاية في غريب الحديث والأثر" لابن الأثير، جهد، ١/ ٣١٩، ملخّصاً. و"لسان العرب" فصل الجيم، ٣/ ١٣٥، ملخّصاً. و"تاج العَروس من جواهر القاموس" جهد، ٧/ ٥٣٩، ملخّصاً.

(٢) "صحيح البخاري" كتاب الاعتصام بالكتاب والسُنّة، باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، ر: ٧٣٥٢، صـ١٢٦٤. و"صحيح مسلم" كتاب الأقضِية، باب بيان أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، ر: ٤٤٨٧، صـ٧٦١.

اجتہاد سے فیصلہ کرے، اور وہ فیصلہ (عنداللہ) خطا پر ہو، تب بھی اس (کی کوشش) کے لیے ایک اجر ہے"۔

گزشتہ چودہ ۱۴ سو سال میں اجتہاد کے موضوع پر مختلف مَسالِک اور فرقوں سے تعلق رکھنے والے علماء نے، متعدّد کتابیں تحریر کیں، جن میں سے چند اہم کتب کے نام حسبِ ذیل ہیں:

(١) "طبَقات الفقهاء والمحدِّثين" لحمَيد بن مخلَّد بن قتَيبة النَّسائي، المعروف بابن زنجوَيْه (ت ٢٥١ هـ) بيروت: دار ابن حَزم.

(٢)"طبَقات الفقهاء" لأبي إسحاق إبراهيم بن علي بن يوسف الشيرازي الشافعي (ت ٤٧٦ هـ) بيروت: دار الرائد العربي.

(٣) "كتاب الاجتهاد" لإمام الحرمَين أبي المَعالي عبد الملك بن عبد الله بن يوسف الجوَيني (٤٧٨هـ) دِمشق: دار القلم.

(٤) "بداية المجتهِد ونهاية المقتصِد" لمحمد بن أحمد ابن رُشد القُرطُبى (ت ٥٩٥ هـ) بيروت: دار الكتب العلمية.

(٥) "كتاب الاجتهاد في طلب الجهاد" لعماد الدِّين إسماعيل بن عمر ابن كثير الدِمشقي (ت ٧٧٤ هـ) بيروت: مؤسّسة الرسالة.

(٦) "كتاب الاستعداد لرُتبة الاجتهاد" لمحمد بن علي ابن الخطيب الموزعي الشافعي، المعروف بابن نور الدِّين (ت ٨٣٥ هـ) بيروت: مؤسّسة الرسالة.

(۷) "رسالة في الاجتهاد" لمحمد بن فرامرز، الشهير بمُلّا خُسرو الرُومي الحنفي (ت ۸۸٦ هـ) عَمّان: دار الفتح.

(۸) "تقرير الاستناد في تفسير الاجتهاد" لجلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السُّيوطي (ت ۹۱۱ هـ) الإسكندرية: دار الدعوة.

(۹) "طبَقات المجتهدين" لأحمد بن سليمان بن كمال باشا (ت ۹٤۰ هـ) عمان: مركز أنوار العلماء للدراسات.

(۱۰) "المنهج المبين في بيان أدِلّة المجتهدين" لعبد الوهّاب بن أحمد الشَّعراني (ت ۹۷٦هـ) ألمانيا (Germany) رقم الحفظ:۲/ ۱۲۳، من المخطوط.

(۱۱) "تنوير بصائر المقلِّدين في مَناقب الأئمّة المجتهدين" لمرعي بن يوسف الحنبلي (ت ۱۰۳۳ هـ) بيروت: دار ابن حَزم.

(۱۲) "القول السديد في بعض مسائل الاجتهاد والتقليد" لمحمد بن عبد العظيم بن فرّوخ بن عبد المحسن بن عبد الخالق المكّي الحنفي (ت ۱۰٦۱ هـ) بيروت: دار الكتب العلمية.

(۱۳) "إرشاد النقّاد إلى تيسير الاجتهاد" لمحمد بن إسماعيل الصَّنعاني (ت ۱۱۸۲ هـ) بيروت: دار الكتب العلمية.

(۱٤) "عقد الجيد فى أحكام الاجتهاد والتقليد" لأحمد ابن عبد الرحيم، الشهير بشاهْ ولي الله الدهلوي الهندي الحنفي (ت ۱۱۷٦ هـ) بيروت: دار الكتب العلمية.

(١٥) "مَبحث الاجتهاد والخلاف" لمحمد بن عبد الوهّاب النَجدي (ت ١٢٠٦ ھ) الرياض: جامعة محمد بن سعود.

(١٦) "القول المفيد في أدِلّة الاجتهاد والتقليد" لأبي عبد الله محمد بن على الشَوكاني (ت ١٢٥٠ ھ) الكويت: دار القلم.

(١٧) "الاجتهاد والتقليد في الفقه المالكي" لأبي الحسن البغدادي المالكي ابن عبد الستّار (كان حيّاً سنة ١٢٦٠ ھ) بيروت: دار الكتب العلمية.

(١٨) "الاجتهاد بالرأي" لعبد الوهّاب خَلّاف المصري، (ت ١٣٧٥ ھ) مصر: دار الكتاب العربي.

(١٩) "الاجتهاد والتقليد" لآية الله حسين الحلّي (ت ١٣٩٤ ھ) بيروت: دار الكتاب العربي.

(٢٠) "الاجتهاد في الإسلام" لعبد العزيز بن عبد الله بن باز (ت ١٤٢٠ ھ) الرياض: دار الصميعي.

(٢١) "الاجتهاد في الشَّريعة الإسلامية" ليوسف القَرضاوي (ت ١٤٤٤ ھ) الكويت: دار القلم.

(٢٢) "الاجتهاد والتقليد في الشريعة الإسلامية وعند الإمام أبي حنيفة" للدكتور عبد القادر محمد القيسي، بيروت: دار الكتب العلمية.

زیرِ نظر کتاب "امام احمد رضا کی اجتہادی آراء" بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، اس میں اجتہاد کے اَحکام، طبَقاتِ فقہاء کے درَجات، امام اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ کا تعارُف، طبَقاتِ فقہاء میں ان کا مقام اور ان کی اِجتہادی آراء وغیرہ کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔ اس کے لیے کتاب کو سات ۷ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے، اِجمالی خاکہ حسبِ ذیل ہے:

باب اوّل میں اجتہاد کی مختلف تعریفات، اور طبَقاتِ فقہاء کے درَجات بیان کیے گئے ہیں، نیز ہر طبقہ سے متعلق فقہائے مجتہدین کے اسمائے گرامی بطورِ مثال ذکر کیے گئے ہیں۔

باب دُوم ۲ میں نام نہاد مجتہدین کی چند اجتہادی جسارتوں، مذاہبِ اربعہ میں اہلیتِ اجتہاد کی شرائط، اہلیتِ اجتہاد سے متعلق غامدی اور غیر مقلدین کے نظریے، اجتہاد کے دائرۂ کار، اُصولِ عقائد میں اجتہاد واختلاف کے نقصانات، اور فرقہ واریت میں اضافے کی بنیادی وُجوہ، مختصر طوَر پر بیان کی گئی ہیں۔

باب سوم ۳ میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مختصر تعارُف، مقام ومرتبہ اور دینی خدمات بیان کی گئی ہیں۔

باب چہارُم ۴ میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ سے متعلق علمائے عرب وعجم اور مخالفین کے تاثُرات ذکر کیے گئے ہیں۔

باب پنجم ۵ علمِ عقائد کلام میں امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اجتہادی آراء سے متعلق ہے۔

باب ششم۶ علمِ فقہ میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اجتہادی نظریات پر مشتمل ہے۔

باب ہفتم۷ مختلف علوم وفنون میں امام احمد رضا رحمہ اللہ کی اجتہادی آراء کے بیان پر مشتمل ہے۔

اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں امیدِ واثق اور دعا ہے، کہ یہ کتاب اہلِ علم کے لیے مفید ثابت ہو، اور شرفِ قبولیت کی خَلعت پہن کر راقم کے لیے بخشش ومغفرت کا وسیلہ بنے، آمین بجاہِ سیّدِ الانبیاء والمرسَلین ﷺ!۔

وصلّى الله تعالى على خير خلقِه ونورِ عرشِه، سيِّدنا ونبيّنا وحبيبنا وقرّةِ أعيُننا محمّدٍ، وعلى آله وصحبه أجمعين وبارَك وسلَّم، والحمد لله ربّ العالمين!.

دعاگو ودعاجو

محمد اسلم رضا میمن تحسینی

۲۵ صفر المظفّر ۱۴۴۶ھ/ ۳۱ اگست ۲۰۲۴ء

امام احمد رضا کی اجتہادی آراء

باب اوّل

اجتہاد کی تعریف اور طبقاتِ فقہاء کی اَقسام

اجتہاد کا لُغوی واِصطلاحی معنی

مختلف اَدوار میں فقہائے کرام نے اجتہاد کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں، جن میں اَسلاف، مُعاصرین اور مخالفین کی بیان کردہ چند تعریفات حسبِ ذیل ہیں:

(۱) امام ابو بکر احمد بن علی رازی جَصّاص حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "أمّا الاجتهادُ: فهو بَذلُ المجهود فيما يقصده المجتهِدُ ويتحرّاه"[۱] "مجتہد جس کام (یعنی حکمِ شرعی کی تلاش) کاقصد کرتا ہے، اُس میں کوشش کو اجتہاد کہتے ہیں"۔

(۲) ظاہری مسلک کے امام علی بن احمد ابن حَزم اَندلُسی نے اجتہاد کی تعریف یوں بیان کی: "الاجتهادُ: أنّه افتعالٌ من الجُهد، وحقيقةُ معناها: أنّه استنفادُ الجُهد في طلب الشيء المرغوب إدراكُه، حيث يُرجَى وُجودُه فيه، أو حيث يُوقن بوُجوده فيه"[۲] "اجتہاد کا لفظ بابِ افتعال سے ہے، اور اس کا مادّہ "جُہد" ہے، اور اُس کے معنی کی حقیقت یہ ہے کہ جہاں کسی مَرغوب چیز (یعنی حکمِ شرعی) کے وُجود کا گمان یا یقین ہو، وہاں اُسے تلاش کرنا اجتہاد ہے"۔

---

(۱) "الفُصول في الأصول" للجَصّاص [باب الكلام في إثبات القياس والاجتهاد]، [فصل في معنى الدليل] ٤/ ١١.

(۲) "الإحكام في أصول الأحكام" لابن حَزم، ٤٠- باب الكلام في الاجتهاد، ٨/ ١٣٣.

(٣) علّامہ سیّد شریف جُرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لفظ اجتہاد کا لُغوی واصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا: "الاجتهادُ في اللُغة: بَذلُ الوسع. وفي الاصطلاح: استفراغُ الفقيه الوسعَ ليحصلَ له ظنٌّ بحكمٍ شرعيٍّ، وبَذلُ المجهود في طلب المقصود من جهة الاستدلال"[1]. "لُغت میں اجتہاد کوشش کرنے اور طاقت صَرف کرنے کا نام ہے، اور اصطلاح میں فقیہ کا اپنی پوری طاقت صَرف کرنا؛ تاکہ کسی شرعی حکم کا ظنِّ غالب حاصل ہو جائے، نیز بطورِ استدلال مقصود کی طلب میں کوشش اور طاقت صَرف کرنے کو اجتہاد کہا جاتا ہے"۔

(٤) اجتہاد کا لُغوی وشرعی معنی بیان کرتے ہوئے علّامہ عبد الغنی نابلُسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: "الاجتهادُ وهو في اللغة: تحمّل الجُهد، أي: المشقّة. وفي الاصطلاح: استفراغُ الجُهود في استنباط الحكم الشرعي الفَرعي عن دليله"[2]. "لغت میں اجتہاد کا معنی مشقّت اٹھانا ہے، جبکہ اِصطلاحِ شریعت میں حکمِ شرعی فَرعی کو اس کی دلیل سے استنباط کرنے میں، اپنی طاقت بھر کوشش کا نام اجتہاد ہے"۔

(٥) شاہ ولی اللہ محدِّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اجتہاد کی تعریف یوں بیان فرمائی: "حقيقةُ الاجتهاد على ما يُفهَم من كلام العلماء: استفراغُ الجُهد في إدراك الأحكام الشّرعية الفَرعيّة، من أدِلّتها التفصيليّة، الراجعة كلّياتها إلى أربعةِ أقسام: الكتاب والسُنّة والإجماع والقياس"[3] "علماء

---

(١) "التعريفات" للجُرجاني، باب الألف، صـ١٠.

(٢) "الحديقة النَدية شرح الطريقة المحمدية" ٢/ ٢٩٨.

(٣) "عقد الجيد في أحكام الاجتهاد والتقليد" للدهلوي، المقدّمة، صـ٣.

کے کلام کے مطابق اجتہاد سے مراد: کسی شرعی فَرعی حکم کو اس کے تفصیلی دلائل -جو کُلی طَور پر چار ۴ ہیں: قرآن، سنّت، اِجماع اور قیاس- ان سے معلوم کرنے کے لیے اپنی پوری طاقت کو صرف کرنا ہے"۔

(٦) شیخ محمد بن صالح عثیمین غیر مقلّد وہابی نے اجتہاد کی تعریف یوں بیان کی: "بذلُ الجُهد لإدراك حكم شرعي"[1] "کسی شرعی حکم کو پانے کے لیے اپنی بھرپور کوشش کرنا اجتہاد ہے"۔

(٧) شیخ عبد اللہ بن صالح فَوزان غیر مقلّد وہابی نے اجتہاد کا معنی یہ بیان کیا: "بذلُ المجتهد وسعَه في طلب العلم بالحكم الشّرعي، بطريق الاستنباط من أدِلّة الشَّرع"[2] "کسی حکمِ شرعی کے علم کی تلاش میں مجتہد کا شرعی دلائل سے بذریعہ اِستنباط، اپنی صلاحیتیں برُوئے کار لانا اجتہاد ہے"۔

(٨) شیخ یوسف قَرضاوی، شَوکانی کی تعریف کو راجح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "وأمّا في اصطلاح الأصوليين فقد عبّروا عنه بعباراتِ الفقهاء متفاوتة، لعلّ أقربَها ما نقلَه الإمام الشَّوكاني في كتابه "إرشاد الفُحول" في تعريفه بقوله: بذلُ الوسع في نَيل حكم شرعي عملي بطريق الاستنباط"[3] "اُصولیین کی اصطلاح میں اجتہاد کی کئی تعریفیں مروی ہیں، شاید ان میں سب سے صحیح وہ ہے جسے امام شَوکانی نے اپنی کتاب "اِرشاد

---

(١) "الأصول من علم الأصول" للعثَيمِين، الاجتهاد، صـ٦٦.

(٢) "خلاصة الأصول" للفَوزان، الباب ٤ في الاجتهاد والتقليد، صـ٥٢.

(٣) "الاجتهاد في الشريعة الإسلامية" معنى الاجتهاد، صـ١١.

الفُحول" میں نقل کیا، اور وہ یہ کہ "کسی عملی شرعی حکم کو بذریعہ اِستنباط معلوم کرنے کی خاطر، انتہاء درجے کی کوشش کا نام اجتہاد ہے"۔

مجتہد کی تعریف

مجتہد کسے کہتے ہیں اس بارے میں علّامہ سیّد شریف جُرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"المجتهد: مَن يَحوي علمَ الكتاب ووُجوهَ مَعانيه، وعلمَ السُنّة بطُرقها ومُتونها ووُجوهِ مَعانيها، ويكون مُصيباً في القياس، عالماً بعُرف الناس"[1]. "مجتہد وہ ہے جو قرآن پاک اور اس کے وُجوہِ مَعانی، اور احادیثِ کریمہ کو طُرقِ رِوایات، مُتون اور اس کے وُجوہِ مَعانی کے ساتھ بکمال خوب جانتا ہو، درست قیاس کرتا ہو، اور لوگوں کے عُرف وعادات کو جانتا ہو"۔

ایک مجتہد میں کیا اہلیت وخصوصیات ہونی چاہئیں؟ اس بارے میں امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ سے استفسار کیا گیا، تو آپ نے انتہائی شرح وبَسط سے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ "جو آیات واَحکام، واِصابتِ اَحکام، وطُرقِ حدیث وشُذوذ ونکارَت، ونقدِ رِجال، اَسبابِ جَرح وتعدیل، وعِللِ غامضہ، ووُجوہِ نظم وصُنوفِ معنی، وجمیع مَبادی اَدبیہ واُصولیہ، و ناسخ ومنسوخ، ومَناہجِ ترجیح وتطبیق، ومَناشئ حکم، ومقاصدِ شرع، ومَصالحِ زَمن، وعوائدِ اُمم، ومَظانّ حکم، واَقاویلِ صحابہ، ومَواضعِ اِجماع، ومَشارِعِ خلاف، وعِللِ مؤثرہ، وجَوامعِ مُغیرہ، ومَسالکِ تعدیہ، ومَواردِ قصر وغیرہا، وجمع مَواردِ حصر کی معرفت میں دریائے ذَخّار ناپیدا کنار ہو، اور اس کے ساتھ ذہنِ ثاقب وفکر صائب

(۱) "التعريفات" للجُرجاني، باب الميم، صـ٢٠٤.

وطبعِ نقّاد، عقل وقّاد و توفیقِ خداداد رکھتا ہو، کہ جملہ مالَہ وماعلیہ کے لحاظ سے منصوص سے مسکوت کا حکم اپنی رائے سے قائم کر سکے "[۱]۔

حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجتہد کی قابلیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "مجتہد وہ ہے جس میں اس قدر علمی لیاقت اور قابلیت ہو، کہ قرآنی اِشارات ورُموز سمجھ سکے، اور کلام کے مقصد کو پہچان سکے، اور اس سے مسائل نکال سکے، ناسخ ومنسوخ کا پورا علم رکھتا ہو، علم صَرف ونَحو وبلاغت وغیرہ میں اس کو پوری مہارت حاصل ہو، اَحکام کی تمام آیتوں اور احادیث پر اس کی نظر ہو، اس کے علاوہ ذَکی اور خوش فہم ہو۔ جو اِس درجہ پر نہ پہنچا ہو وہ مجتہد نہیں "[۲]۔

طبقاتِ فقہاء کے درجات

امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رشحاتِ قلم اور نتیجۂ فکر پر مشتمل، فقہی انسائیکلو پیڈیا "العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية" اور حضرت کی دیگر تصنیفات، مثلاً "جدّ الممتار" وغیرہ کے سالہا سال تک مطالعہ، اور اس میں پائی جانے والی خصوصیات پر غور وفکر کرنے کے بعد، فقہ واُصولِ فقہ کے ایک اَدنیٰ طالب علم کی حیثیت سے، راقم الحروف اس نتیجے پر پہنچا ہے، کہ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بلا شک وشبہہ مرتبۂ اجتہاد پر فائز ہیں، البتہ مجتہدینِ کرام کی کس قسم میں حضرت کا شمار ہوتا ہے؟ اس بات کو سمجھنے کے لیے طبقاتِ فقہاء کی ترتیب سے آگاہی بہت ضروری ہے؛

---

(۱) "اظہار الحق الجلی" ص۲۷۔

(۲) "جاء الحق" باب ۳، کس پر تقلید کرنا واجب ہے اور کس پر نہیں؟ ص۲۳۔

کیونکہ فقہائے کرام نے طبقاتِ فقہاء ومجتہدین کو سات ۷ درجوں پر تقسیم فرمایا ہے، جن کی تفصیل حسبِ ذَیل ہے:

(۱) **مجتہدین فی الشرع:** اس سے مراد وہ حضرات ہیں جو شرائطِ اجتہاد کے جامع ہونے کی بنا پر، تمام اجتہادی اَحکام کے استخراج کا ملکۂ راسخہ رکھتے ہیں، اور اِستنباطِ مسائل کے لیے اُصول وقواعد وَضع کرتے ہیں، یہ حضرات اُصول وفُروع میں کسی دوسرے کی تقلید نہیں کرتے، جیسے امامِ اعظم ابو حنیفہ تابعی، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل۔

(۲) **مجتہدین فی المذہب:** اس سے مراد وہ فقہاء ومجتہدین ہیں جو اُصول وقواعد میں مجتہدین فی الشرع کی تقلید کرتے ہیں، اور فُروعی مسائل میں اپنے شیخ کے مقرّر کردہ قواعد کی رَوشنی میں، اَحکام کا اِستخراج فرماتے ہیں[۱]، جیسے امام ابو یوسف[۲]، امام محمد[۳]، امام حمّاد بن ابو حنیفہ، امام زُفر[۴]، امام وکیع بن جرّاح[۵]، امام داوٗد بن نصیر[۶] وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم۔

---

(۱) انظر: "شرح عقود رسم المفتي" طبقات الفقهاء، صـ۱۰.

(۲) انظر: "سِير أعلام النُبلاء" ۱٤۱- القاضي أبو يوسف يعقوب بن إبراهيم الأنصاري، ۸/ ۵۳۵.

(۳) انظر: "سِير أعلام النُبلاء" ٤۵- محمد بن الحسن بن فرقد أبو عبد الله الشَيباني، ۹/ ۱۳٤. و"تاج التراجِم" لابن قُطلوبغا، ۲۰۳- محمد بن الحسن الشَيباني، صـ۲۳۷.

(٤) انظر: "سِير أعلام النُبلاء" ٦- زُفر بن الهذَيل بن قيس ...إلخ، ۸/ ۳۸.

(۵) انظر: "سِير أعلام النُبلاء" ٤۸- وكيع بن الجرّاح بن مَليح بن عدي الرؤاسي، ۹/ ۱۵۵. و"شذرات الذهب في أخبارِ مَن ذهب" سنة ۱۹۷، ۲/ ٤۵۹.

(٦) انظر: "تاريخ بغداد" ٤٤۵۵- داود بن نصير أبو سليمان الطائي الكُوفي، ۸/ ۳٤٤.

(۳) **مجتہدین فی المسائل:** یہ وہ مجتہدین ہیں جو اُصول وفُروع دونوں میں اپنے امام کے مقلّد ہیں، اور اُصول وفُروع میں اپنے امام کی مخالفت کی قدرت وصلاحیت نہیں رکھتے، اور جن مسائل میں اپنے امام سے کوئی صریح روایت نہیں پاتے، ان کا اِستنباط اپنے امام کے وضع کردہ اُصول وقواعد کی روشنی میں کرتے ہیں۔ فقہاء ومجتہدین کے اس طبقے میں امام ابوبکر احمد خصّاف، امام ابو جعفر طحاوی، امام ابوالحسن کَرخی، امام شمس الائمہ حَلوانی، امام شمس الائمہ سَرخسی، امام فخر الاسلام بَزدوی، اور امام فخر الدین قاضی خاں وغیرہم کے اسمائے گرامی خاص طَور پر قابلِ ذکر ہیں[1]۔

(۴) **اصحابِ تخریج:** اصحابِ تخریج سے مراد وہ طبقہ ہے جو اجتہاد واِستنباط (اور غیر مُصرّح مسائل کو اُصولِ موضوعہ اور مسائلِ مستخرجہ سے معلوم کرنے) کی اصلاً قدرت نہیں رکھتا، البتہ اپنی فہم ورائے سے امام کے مجمَل و محتمَل اَقوال کی تعیین کی صلاحیت رکھتا ہے، جیسے امام ابو عبداللہ جُرجانی، امام ابوبکر جصّاص رازی، امام ابوالحسن علی بن سعید رُستُغفَنی (صاحبِ "الزوائد والفوائد")[2] اور ان کے ہم رُتبہ فقہاء قدّست أسرارہم۔ اور "ہدایہ" میں جو بعض مقامات پر یوں مذکور ہے: "كذا في تخريج الكرخي"، "كذا في تخريج الرازي" وغیرہ، یہ بھی اسی قبیل سے ہے[3]۔

(۵) **اصحابِ ترجیح:** اصحابِ ترجیح سے مُراد وہ فقہائے کرام ہیں جو فقہ میں اصحابِ تخریج سے بھی کم درجہ پر ہیں۔ یہ حضرات درپیش مسائل میں اپنے امام سے

---

(۱) انظر: "شرح عقود رسم المفتي" طبَقات الفقهاء، صـ۱۰.

(۲) "الجواهر المضِيَّة في طبَقات الحنفيّة" حرف العين المهملة، ۱۰۰۱- علي بن سعيد الرستغفني، ۱/ ۳۶۲.

(۳) انظر: "شرح عقود رسم المفتي" طبقات الفقهاء، صـ۱۱.

منقول چند روایات میں سے، کسی ایک روایت کو ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، جیسے امام ابو الحسین قُدوری، امام علاؤ الدین کاسانی، امام برہان الدین مَرغینانی، جمال الدین زیلعی[۱]، امام اکمل الدین بابرتی، امام ابن ہُمام، اور ان کے ہم رُتبہ فقہائے کرام۔

اس طبقۂ فقہاء کی شان یہ ہے کہ ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دیتے ہوئے "وهذا أصحُ روايةً"، "وهذا أوضَح"، "وهذا أوفَق للقياس"، "وهذا أرفَق للنّاس"، "وهذا أَولى" جیسے الفاظ استعمال فرماتے ہیں[۲]۔

(۶) **اصحابِ تمیز:** یہ وہ حضرات ہیں جو ظاہرُ الروایہ، ظاہرِ مذہب اور روایتِ نادِرہ میں فرق کرتے ہیں، اور اَقوی، قوی اور ضعیف اقوال میں امتیاز کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ان میں علّامہ عبد اللہ بن احمد نَسَفی، علّامہ عبد اللہ بن محمود مُوصلی، جمال الدین محمود بن احمد حصیری[۳] شمس الائمہ کَردری[۴]، علّامہ محمود بن احمد بن عبید اللہ بن ابراہیم محبوبی، احمد بن علی ابن ساعاتی وغیرہم کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں[۵]۔

(۷) **مقلّدینِ محض:** مقلّدینِ محض سے مُراد وہ تمام حضرات ہیں، جو اُصول وفُروع، اِستنباط واِستخراج اور ترجیح وتمیز میں اجتہاد کی طاقت نہیں رکھتے، نیز یہ

---

(۱) "نصب الراية لأحاديث الهداية" مقدّمة المؤلِّف، ۱/ ۱٤.

(۲) المرجع نفسه.

(۳) "تاج التراجم" لابن قُطلوبغا [۲۷۰ - محمود بن أحمد الحصيري] ۱/ ۲۸۵.

(٤) "الجواهر المضِيَّة في طبقات الحنفيّة" حرف الميم، ۲٤۳- محمد بن عبد الستّار، ۲/ ۸۲.

(٥) انظر: "شرح عقود رسم المفتي" طبقات الفقهاء، صـ۱۱.

حضرات اپنی کتابوں میں ہر قسم کی روایات اور اقوال جمع کر دیتے ہیں[1]۔ ان میں علّامہ عمر ابن نُجَیم مصری (صاحبِ "النہر الفائق"[2])، قاضِی جگن حنفی گجراتی (صاحبِ "خزانۃ الروایات"[3])، اور شمس الدین قُہستانی (صاحبِ "جامع الرُموز"[4]) وغیرہ کے نام بھی ذکر کیے جاتے ہیں۔

مقامِ اجتہاد کی چار منزلیں

مقامِ اجتہاد کو پانا ہر کَس وناکَس کے بس کی بات نہیں، مجتہد کے لیے مقامِ اجتہاد تک پہنچنے کے لیے امامِ اہلِ سنّت کی بیان کردہ چار ۴ منازل کا طے کرنا ضروری ہے، اور اُن منازل کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

"**منزلِ اوّل:** نقدِ رِجال کہ اُن کے مَراتب: ثقہ وصدق وحفظ وضبط، اور اُن کے بارے میں ائمۂ شان کے اقوال، ووُجوہِ طعن، ومَراتبِ توثیق، ومَواضعِ تقدیم جَرح وتعدیل، وحوامِلِ طعن، ومَناشی توثیق، ومَواضعِ تحامُل وتساہُل وتحقیق پر مطلع ہو، استخراجِ مرتبۂ اِتقانِ راوی بہ نقدِ روایات وضبطِ مخالَفات واَوہام وخطیئات وغیرہا پر قادر ہو، اُن کے اَسامی واَلقاب، وکُنی واَنساب، ووُجوہِ مختلفہ تعبیرِ رُواۃ، خصوصًا اصحابِ

---

(١) انظر: "رسالة طبقات الفقهاء" قـ١. و"رسالة في التوريث" قـ١٤٨. و"شرح عقود رسم المفتي" طبقات الفقهاء، صـ١١-١٢.

(٢) انظر: "شرح عقود رسم المفتي" [الكتب التي لا يجوز الإفتاء بها] صـ١٣.

(٣) انظر: "كشف الظنون" خزانة الروايات في الفروع، ١/ ٧٠٢. و"نزهة الخواطر" الطبقة ١٠ في أعيان القَرن ١٠، القاضي جكن الكجراتي، ٤/ ٣٢٨.

(٤) انظر: "كشف الظنون" النقاية مختصر الوقاية، ٢/ ١٩٧٢. و"شرح عقود رسم المفتي" [الكتب التي لا يجوز الإفتاء بها] صـ١٢.

تدلیسِ شُیوخ، وتعیینِ مبہمات، ومتفق ومفترِق، ومختلف ومؤتلف سے ماہر ہو، ان کے مَوالید ووَفیات وبُلدان ورحلات، ولقاء وسماعات، واساتذہ وتلامذہ، وطُرقِ تحمل، ووُجوہِ ادا، وتدلیس وتسویہ، وتغیّر واختلاطِ آخذین مِن قبل، وآخذین مِن بعد، وسامعین حالین وغیرہا تمام اُمورِ ضروریّہ کا حال اس پر ظاہر ہو۔

اُن سب کے بعد صرف سندِ حدیث کی نسبت اتنا کہہ سکتا ہے: صحیح، یا حسن، یا صالح، یا ساقط، یا باطل، یا معضَل، یا مقطوع، یا مرسَل، یا متّصل ہے۔

منزلِ دُوم ۲: صِحاح وسُنن ومَسانید وجوامع ومعاجیم واَجزاء وغیرہا کتبِ حدیث میں اس کے طُرقِ مختلفہ والفاظِ متنوعہ پر نظرِ تامّ کرے، کہ حدیث کے تواتُر، یا شُہرت، یا فَردیتِ نِسبیہ، یا غرابتِ مطلقہ، یا شُذوذ، یا نَکارت واختلافاتِ رفع ووقف وقطع ووصل ومزید فی متّصل الاَسانید، واضطراباتِ سند ومتن وغیرہا پر اطلاع پائے، نیز اس جمعِ طُرق واِحاطۂ الفاظ سے رفعِ اِبہام ودفعِ اَوہام واِیضاحِ خفی واِظہارِ مشکل واِبانتِ مجمَل وتعیینِ محتمَل ہاتھ آئے، ولہذا امام ابو حاتم رازی فرماتے: "ہم جب تک حدیث کو ساٹھ ۶۰ وجہ سے نہ لکھتے اس کی معرفت نہ پاتے"[1]۔

اس کے بعد اتنا حکم کرسکتا ہے کہ حدیث شاذّ یا منکَر، معروف یا محفوظ، مرفوع یا موقوف، فَرد یا مشہور، کس مرتبہ کی ہے!۔

منزلِ سوم ۳: اب عِلَلِ خفیہ وغَوامضِ دقیقہ پر نظر کرے، جس پر صدہا سال سے کوئی قادر نہیں! اگر بعد اِحاطۂ وُجوہِ اِعلال تمام علل سے منزّہ پائے، تو یہ تین ۳ منزلیں

---

(۱) انظر: "تدریب الراوي" النوع ۲۸، صـ۴۲۳، نقلاً عن أبي حاتم.

طے کر کے طرفِ صحت ِحدیث بمعنی مصطلحِ اثر پر حکم لگا سکتا ہے۔ تمام حُفّاظِ حدیث واَجلّہ نقّاد ناواصلانِ ذُروۂ شامخہ اجتہاد کی رَسائی صرف اس منزل تک ہے۔ (اور خدا انصاف دے) تو مدّعیٔ اجتہاد و ہمسریٔ ائمہ اَمجاد کو اِن مَنازل کے طے میں اصحابِ صحاح، یا مصنّفانِ اَسماء الرجال کی تقلیدِ جامد، سخت بے حیائی نری بے غیرتی ہے، بلکہ ان کے طَور پر شرکِ جلی ہے! کس آیت و حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ بخاری یا ترمذی، بلکہ امام احمد وابن المديني جس حدیث کی تصحیح یا تجریح کر دیں، وہ واقع میں ویسی ہی ہے؟! کونسا نص آیا کہ نقدِ رجال میں ذہبی و عَسقلانی، بلکہ نَسائی وابنِ عدی ودار قُطنی، بلکہ یحیی قطّان ویحیی بن مَعین وشُعبہ وابنِ مَہدی جو کچھ کہہ دیں وہی حقِ جلی ہے؟! جب خود اَحکامِ اِلٰہیہ کے پہچاننے میں ان اکابر کی تقلید نہ ٹھہری، جو اِن سے بدرجہا اَرفع واعلی واعلم واعظم تھے، جن کے یہ حضرات اور ان کے اَمثال مقلّد ومتبع ہوتے، جن کے دَرجاتِ رفیعۂ اِمامت انہیں مسلّم تھے، تو ان سے کم درجہ اُمور میں اُن اکابر سے نہایت پست مرتبہ اَشخاص کی ٹھیٹ تقلید یعنی چہ؟! جَرح وتعدیل وغیرہ جملہ اُمورِ مذکورہ جن جن میں گنجائشِ رائے زنی ہے، محض اپنے اجتہاد سے پایۂ ثبوت کو پہنچائیے، اور اِین وآن وفُلان وبہمان کا نام زبان پر نہ لائیے! ابھی ابھی تو کھلا جاتا ہے کہ... کس برتے پہ تتا پانی[۱]! ؏

ماذا أخاضَك يا مغرور في الخطر؟

حتّى هلكتَ فليتَ النمل لم تطر![۲]

---

(۱) یعنی کس حوصلے اور اِمکان پر شیخی مارتے ہو؟!

(۲) دیکھیے: "گلستانِ سعدی" باب سوم ۳ در فضیلت قناعت، حکایت ۱۵، ص۱۲۵۔

خیر کسی مسخرہ شیطان کے منہ کیا لگیں! برادرانِ باانصاف انہی مَنازل کی دشواری دیکھیں! جس میں ابو عبداللہ حاکم جیسے محدّثِ جلیل القدر پر کتنے عظیم شدید مُؤاخذے ہوئے! امام ابنِ حِبّان جیسے ناقد بصیر تساہُل کی طرف نسبت کیے گئے! اِن دونوں سے بڑھ کر امامِ اجلّ ابو عیسی ترمذی تصحیح وتحسین میں متساہل ٹھہرے! امام مسلم جیسے جبلِ رفیع نے بخاری وابو زرعہ کے لوہے مانے! كما أوضحنا في رسالتنا "مَدارِج طبَقات الحديث" (۱۳۱۳ھ). پھر چوتھی منزل تو فلکِ چہارُم کی بلندی ہے! جس پر نُورِ اجتہاد سے آفتابِ منیر ہی ہو کر رَسائی ہے!۔

امامِ ائمۃ المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری سے زیادہ ان میں کون مَنازلِ ثلاثہ کے منتہی کو پہنچا؟ پھر جب مقامِ اَحکام ونقض واِبرام میں آتے ہیں، وہاں "صَحیح بخاری" و"عمدۃ القاری" وغیرہا بنظرِ انصاف دیکھا چاہیے! بکری کے دودھ کا قصّہ معروف ومشہور ہے! امام عیسی بن اَبان کے اشتغال الحدیث، پھر ایک مسئلہ میں دو۲ جگہ خطا کرنے، اور تلامذۂ امامِ اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے مُلازمِ خدمت بننے کی روایت معلوم وماثور ہے! ولہذا امامِ اجلّ سفیان بن عیینہ (کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالی علیہ وامام احمد رحمہ اللہ تعالی علیہ کے استاد، اور امام بخاری وامام مسلم کے استاذ الاستاذ، اور اجلّہ ائمۂ محدثین وفقہائے مجتہدین وتبع تابعین سے ہیں، رحمۃ اللہ تعالی علیہم اجمعین) ارشاد فرماتے ہیں: "الحديث مضلّةٌ إلّا للفقهاء"[۱] "حدیث سخت گمراہ کرنے والی ہے مگر مجتہدوں کو!"[۲]۔

---

(۱) انظر: "المَدخل" فصل في ذكر النُعوت، ۱/ ۱۲۸.

(۲) یعنی لوگ حدیث پڑھ تو لیتے ہیں، لیکن اس کے معنیٔ مقصودہ کو نہ سمجھنے کے باعث بے راہ رَوِی اور گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں!۔

علّامہ ابن الحاج مکّی "مدخل" میں فرماتے ہیں: "يريد أنّ غيرَهم قد يحمِل الشيءَ على ظاهره، وله تأويلٌ من حديثٍ غيره، أو دليلٌ يخفى عليه، أو متروكٌ أوجب تركَه غير شيءٍ ممّا لا يقوم به إلّا مَن استبحرَ وتفقّه"[1] یعنی "امام سفیان کی مراد یہ ہے کہ غیرِ مجتہد کبھی ظاہرِ حدیث سے جو معنی سمجھ میں آتے ہیں اُن پر جم جاتا ہے، حالانکہ دوسری حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں مراد کچھ اَور ہے، یا وہاں کوئی اَور دلیل ہے جس پر اس شخص کو اطلاع نہیں، یا متعدّد اسباب ایسے ہیں جن کی وجہ سے اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔ان باتوں پر قدرت نہیں پاتا مگر وہ جو علم کا دریا بنا، اور منصبِ اجتہاد تک پہنچا"۔

خود حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «نضّر الله عبداً سمعَ مقالتِي فحفظَها ووعَاها وأدّاها، فرُبّ حاملِ فقهٍ غيرُ فقيهٍ، ورُبّ حامل فقهٍ إلى مَن هو أفقَه منه» "اللہ تعالیٰ اس بندہ کو سرسبز کرے جس نے میری حدیث سن کر یاد کی، اور اسے دل میں جگہ دی، اور ٹھیک ٹھیک اَوروں کو پہنچا دی، کہ بُہتیروں کو حدیث یاد ہوتی ہے مگر اس کے فہم وفقہ کی لیاقت نہیں رکھتے، اور بُہتیرے اگرچہ لیاقت رکھتے ہیں، دوسرے ان سے زیادہ فہیم وفقیہ ہوتے ہیں" أخرجه الإمام الشافعي[2] والإمام أحمد[3] والدارمي[4] وأبو داود[5] والترمذي

---

(۱) انظر: "المَدخل" فصل في ذكر النُعوت، ۱/ ۱۲۸.
(۲) أي: في "المسند" كتاب الرسالة إلّا ما كان معاداً، ر: ۱۱۸۲، صـ۴۱۳.
(۳) أي: في "المسند" مسند المدنيّين، مسند جبَير بن مطعم، ر: ۱۶۷۵۴، ۵/ ۶۱۹.
(۴) أي: في "السنن" باب الاقتداء بالعلماء، ر: ۲۲۹، ۱/ ۸۶، ۸۷.
(۵) أي: في "السنن" كتاب العلم، باب فضل نشر العلم، ر: ۳۶۶۰، صـ۵۲۵.

وصحَّحه[١]، وابنُ ماجه[٢] والضياءُ في "المختارة"[٣] والبَيهقي في "المَدخل" عن زيد بن ثابت، والدارميُّ[٤] عن جبَير بن مُطعم ونحوَه أحمدُ[٥] والترمذي[٦] وابنُ حِبّان[٧] بسندٍ صحيح عن ابن مسعود، والدارميُّ[٨] عن أبي الدرداء رضي الله تعالى عنهم أجعمين.

فقط حدیث معلوم ہوجانافہمِ حکم کے لیے کافی ہوتا، تواس ارشادِ اقدس کے کیا معنی تھے؟ امام ابنِ حجر مکّی شافعی کتاب "الخیرات الحِسان" میں فرماتے ہیں: "امامِ محدثین سلیمان اعمش تابعی جلیل القدر سے (کہ اجلّہ ائمۂ تابعین وشاگردانِ حضرت سیّدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہیں) کسی نے کچھ مسائل پوچھے، اس وقت ہمارے امامِ اعظم سیّدنا ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حاضرِ مجلس تھے، امام اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ مسائل ہمارے امام

---

(١) أي: في "السنن" أبواب العلم، باب ما جاء في الحث على تبليغ السّماع، ر: ٢٦٥٨، صـ٦٠٣.

(٢) أي: في "السنن" مقدّمة المؤلّف، باب من بلغ علماً، ر: ٢٣٠، صـ٤٨.

(٣) أي: في "الأحاديث المختارة" رواية أنس بن مالك، ر: ٢٣٢٩، ٦/ ٣٠٨.

(٤) أي: في "السُّنن" باب الاقتداء بالعلماء، ر: ٢٢٨، ١/ ٨٦.

(٥) أي: في "المسند" مسند عبد الله بن مسعود، ر: ٤١٥٧، ٢/ ١٣٦.

(٦) أي: في "السنن" أبواب العلم، باب ما جاء في الحثّ على تبليغ السّماع، ر: ٢٦٥٧، صـ٦٠٣.

(٧) أي: في "الصحيح" كتاب العلم، باب الزجر عن كتبة المرء السنن مخافة أن يتّكلَ عليها دون الحفظ لها، ذكر إثبات نضارة الوجه في القيامة مَن بلّغ للمصطفى سنّةً صحيحةً كما سمعها، ر: ٦٩، صـ٥٨.

(٨) أي: في "السنن" باب الاقتداء بالعلماء، ر: ٢٣٠، ١/ ٨٧.

سے پوچھے، امام نے فوراً جواب دیے، امام اَعمش نے کہا: یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کیے؟ فرمایا: اُن حدیثوں سے جو میں نے خود آپ ہی سے سنی ہیں، اور وہ حدیثیں مع سند روایت فرما دیں، امام اَعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "حسبُك! ما حدّثتُك به في مئة يومٍ، تحدّثني به في ساعةٍ واحدةٍ، ما علمتُ أنّك تعمل بهذه الأحاديثً! يا مَعشر الفقهاء! أنتم الأطبّاءُ ونحن الصّيادلة، وأنت أيّها الرجل أخذتَ بكلا الطرفَين!"[1] "بس کیجیے! جو حدیثیں میں نے سو۱۰۰ دن میں آپ کو سنائیں، آپ گھڑی بھر میں مجھے سنائے دیتے ہیں، مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان حدیثوں میں یوں عمل کرتے ہیں، اے فقہ والو تم طبیب ہو! اور ہم (محدّث) لوگ عطّار ہیں (یعنی دوائیں پاس ہیں، مگر ان کا طریقِ استعمال تم مجتہدین جانتے ہو) اور اے ابو حنیفہ تم نے تو (فقہ وحدیث) دونوں کنارے لیے!" والحمد لله ربّ العالمين، ذلك فضلُ الله يؤتيه مَن يشاء، والله ذو الفضل العظيم!.

اب باقی رہی **منزل چہارُم ۴** اور تُو نے کیا جانا کیا ہے منزلِ چہارُم؟ سخت ترین منازل، دشوار ترین مراحل، جس کے سائر نہیں مگر اقل قلائل، اس کی قدر کون جانے؟! ع

گدائے خاک نشینی تو حافظا مخروش
کہ نظمِ مملکت خویش خسرواں دانند[2]

---

(۱) "الخيرات الحِسان" الفصل ۳۰ في سنده في الحديث، صـ۱٤۹، ملتقطاً.

(۲) دیکھیے: "دیوانِ حافظ" ردیف الشین، صـ۲۱۳ـ دستیاب "دیوان حافظ" کے نسخہ میں اس شعر کے الفاظ یہ ہیں: ع

رُموزِ مصلحت ملک خسرواں دانند — گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

اس کے لیے واجب ہے کہ جمیع لُغاتِ عرب، وفُنونِ ادب، ووُجوہِ تخاطُب، وطُرقِ تفاہُم، واَقسامِ نظم، وصُنوفِ معنی، واِدراکِ عِلل، وتنقیحِ مَناط، واستخراجِ جامع، وعرفانِ مانع، ومَواردِ تعدیہ، ومَواضعِ قصر، ودلائلِ حکمِ آیات واحادیث واَقاویلِ صحابہ وائمۂ فقہِ قدیم وحدیث، ومَواقعِ تعارُض، واَسبابِ ترجیح، ومَناہجِ توفیق، ومَدارجِ دلیل، ومَعارکِ تاویل، ومَسالکِ تخصیص، ومَناسکِ تقیید، ومَشارعِ قُیود، وشوارعِ مقصود وغیرہ ذلک پر اطلاعِ تامّ، ووُقوفِ عام، ونظرِ غائر، وذہنِ رفیع، وبصیرتِ ناقدہ، وبصرِ منیع رکھتا ہو، جس کا ایک ادنی اِجمال امام شیخ الاسلام زکریا انصاری -قدّس سرّہ الباری- نے فرمایا کہ "إيّاكم أن تبادِرُوا إلى الإنكار على قولِ مجتهدٍ أو تخطئته! إلّا بعد إحاطتكم بأدِلَّة الشّريعة كلّها، ومعرفتِكم بجميع لُغات العرب التي احتوتْ عليها الشريعةُ، ومعرفتِكم بمَعانيها وطُرقها". "خبردار! مجتہد کے کسی قول پر انکار یا اُسے خطا کی طرف نسبت نہ کرنا، جب تک شریعتِ مطہَّرہ کی تمام دلیلوں پر اِحاطہ نہ کر لو! جب تک تمام لُغتِ عرب جن پر شریعت مشتمل ہے پہچان نہ لو! جب تک ان کے مَعانی اُن کے راستے جان نہ لو!" اور ساتھ ہی فرما دیا: "وأنّى لكم بذلك!"، "بھلا کہاں تم اور کہاں یہ اِحاطہ ؟!"۔ نقلَه الإمامُ العارف بالله عبد الوهّاب الشَّعراني في "الميزان"[1].

"ردّ المحتار" جس کی عبارت سوال میں نقل کی[2]، خود اُسی "ردّ المحتار" میں اسی

(۱) "ميزان الشريعة الكبرى" فصل فإن ادّعى أحد من العلماء ...إلخ، الجزء ١، صـ٣٠، ملتقطاً.

(۲) وہ سوال اور "رد المحتار" کی عبارت حسبِ ذیل ہے: "کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس امر میں، کہ کوئی حنفی المذہب حدیث صحیح غیر منسوخ وغیر متروک، جس پر کوئی =

عبارت کے متّصل اس کے معنی فرما دیے تھے کہ وہ سائل نے نقل نہ کیے، فرماتے ہیں: "ولا يخفى أنّ ذلك لمن كان أهلاً للنظر في النُصوص ومعرفة مُحكمها من منسوخها، فإذا نظر أهلُ المذهب في الدليل وعملوا به، صحّ نسبتُه إلى المذاهب"(۱). یعنی "ظاہر ہے کہ امام کا یہ ارشاد اُس شخص کے حق میں ہے، جو نُصوصِ شرع میں نظر، اور ان کے محکم و منسوخ کو پہچاننے کی لیاقت رکھتا

=

ایک امام ائمۂ اربعہ وغیرہم سے عمل کیا ہو، جیسے آمین بالجہر، اور رفعِ یدین قبل الرکوع وبعد الرکوع، اور وتر تین ۳ رکعتیں ساتھ ایک قعدہ اور ایک سلام کے ادا کرے، تو مذہبِ حنفی سے خارج ہو جاتا ہے یا حنفی ہی رہتا ہے؟ اگر خارج ہو جاتا ہے کہیں تو "ردّ المحتار" میں (جو حنفیہ کی معتبر کتاب ہے، اس میں) امام ابن الشحنہ سے نقل کیا: "إذا صحّ الحديثُ وكان على خلاف المذهب، عملَ بالحديث ويكون ذلك مذهبَه، ولا يخرج مقلِّدُه عن كونِه حنفيّاً بالعمل به، فقد صحّ عنه أنّه قال: "إذا صحّ الحديثُ فهو مذهبي". وحكى ذلك ابنُ عبد البرّ عن أبي حنيفة وغيره من الأئمّة" انتهى. [انظر: "ردّ المحتار" المقدّمة، مطلب: صحّ عن الإمام أنّه قال: إذا صحّ الحديثُ فهو مذهبي، ۱/ ۲۲۱] ترجمہ "جب صحت کو پہنچے حدیث، اور وہ حدیث خلاف پر مذہب امام کے رہے، عمل کرے وہ حنفی اس حدیث پر اور ہو جائے وہ عمل مذہب اس کا، اور نہیں خارج ہوتا ہے مقلد امام کا حنفی ہونے سے، بسبب عمل کرنے اس حدیث پر؛ اس لیے کہ مکرّر صحت کو پہنچی یہ بات امام ابو حنیفہ سے، کہ انہوں نے فرمایا کہ "جب صحت کو پہنچے حدیث پس وہی مذہب میرا ہے" ۔ [دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "كتاب الرّد والمناظرة، رسالہ "الفضل الموهبي في معنى: إذا صحّ الحديثُ فهو مَذهبي" ۲۱/ ۴۹۳]

(۱) "ردّ المحتار" المقدّمة، مطلب: صحّ عن الإمام أنّه قال: إذا صحّ الحديث فهو مذهبي، ۱/ ۲۲۱.

ہو، تو جب اصحاب مذہب دلیل میں نظر فرما کر اُس پر عمل کریں، اس وقت اس کی نسبت مذہب کی طَرف صحیح ہے"۔

جو شخص اِن چاروں مَنازل کو طے کر جائے وہ مجتہد فی المذہب ہے

اور شک نہیں کہ جو شخص اِن چاروں مَنازل کو طے کر جائے وہ مجتہد فی المذہب ہے، جیسے مذہبِ مہذَّب حنفی میں امام ابو یوسف وامام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما، بلاشبہ ایسے ائمہ کو اُس حکم ودعوے کا منصب حاصل ہے، اور وہ اس کے باعث اِتّباعِ امام سے خارج نہ ہوئے؛ کہ اگرچہ صورۃً اس جزئیہ میں خلاف کیا، مگر معنًی اِذنِ کلّیِ امام پر عمل فرمایا۔ پھر وہ بھی اگرچہ ماذُون بالعمل ہوں، یہ جزمی دعوی کہ "اس حدیث کا مفاد خواہی نخواہی مذہبِ امام ہے "نہیں کرسکتے، نہایت کار ظن ہے، ممکن کہ اِن کے مدارکِ عالیہ امام سے قاصر رہے ہوں! اگر امام پر عرض کرتے وہ قبول نہ فرماتے، تو مذہب امام ہونے پر تیقُّن تامّ وہاں بھی نہیں"[1]۔

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الرّد والمناظرۃ، رسالہ "الفضل الموهبي في معنى: إذا صحّ الحديثُ فهو مَذهبي" ۲۱/ ۴۹۹- ۵۰۳۔

بابِ دُوم ۲

نام نہاد مجتہدین کی چند اجتہادی جسارتیں

اجتہاد دین کا حصہ ہے، اس کے کچھ اُصول، ضوابط، شرائط اور اہلیتِ مجتہد کے لیے معیار مقرّر ہیں، لہذا ہر شخص کو یہ حق اور اختیار حاصل نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے جو چاہے اجتہاد کرتا پھرے؛ کیونکہ ایسا کرنا اُمّت میں انتشار، اختلاف اور تفرِقہ بازی میں اِضافہ کا باعث ہوگا!۔

قائلینِ استمداد واِستعانت کے ذبیحے کی حُرمت کا فتوی

بعض نام نہاد مجتہدین اور اسکالرز (Scholars) اُمتِ مسلمہ کو اس سلسلے میں نہ صرف گمراہ کر رہے ہیں، بلکہ اجتہاد کے اہل نہ ہونے کے باوُجود اجتہاد کی جسارتیں بھی کر رہے ہیں، نیز مسلمانوں کی شدید گمراہی کا باعث بن رہے ہیں!۔

مثال کے طور پر غیر مقلّدین کے معروف عالم، اپنے عقید تمندوں کے ہاں مجتہد مانے جاتے ہیں، اور ان صاحب کا خیال ہے کہ انہیں تقلید کی کوئی ضرورت نہیں، مَوصوف نے اپنے نام نہاد اجتہاد سے فتوی جاری کیا کہ "جس ملک میں انبیاء اور اولیاء سے اِستعانت اور وسیلہ چاہنے والوں (یعنی اہلِ سنّت وجماعت) کی کثرت ہو، وہاں کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں؛ کیونکہ وہ غیرُ اللہ سے مدد کے قائل ہیں"[1] جبکہ اس کے برعکس اسی

---

(١) انظر: "فتاوى إسلامية" كتاب الأطعِمة، حكم ذبائح المشركين المنتسبين إلى الإسلام، ٣/ ٤٠٥، ٤٠٦، ملخصاً. "فتاوى اللجنة الدائمة" كتاب الأطعِمة، ما حكم الذبائح التي تُباع في الأسواق في البلاد ...إلخ، رقم الفتوى: ١٦٣٢، ٢٢/ ٤٣١، ٤٣٢، ملخصاً.

نام نہاد مجتہد نے یہود ونصاری کا ذبیحہ کھانا جائز قرار دیا، اور بطَور دلیل کہا کہ "توریت وانجیل میں تحریف کے باوُجود وہ اہلِ کتاب ہیں؛ کیونکہ تحریف تو حضور نبیِّ کریم ﷺ کے دَور سے پہلے ہی ہو چکی تھی، اس کے باوُجود رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں انہیں اہلِ کتاب ہی کہا گیا[1] لہذا آج بھی ان کا ذبیحہ بلا تکلُّف کھانا جائز ہے"[2]۔

نامحرم عورت سے مُصافحہ کا جواز

مصر کے ایک مشہور عالمِ دین نے اپنے "فتاوی مُعاصرة" میں نامحرم عورت سے مصافحہ (ہاتھ ملانے) کو جائز قرار دیتے ہوئے کہا کہ "بغیر کسی شہوَت اور جنسی لذّت کے کسی (نامحرم) عورت سے ہاتھ ملانا اور مُصافحہ کرنا شرعاً جائز ہے"[3]۔

حِلّتِ خنازیر کی جسارت

اسی طرح بعض جدّت پسند حضرات کا کہنا یہ ہے کہ "جن خنازیر کو قرآنِ کریم نے حرام قرار دیا، اور ان کے گوشت کو ناپاک کہا، وہ ایسے خنازیر تھے جن کی

---

(١) انظر: "مجموع فتاوى ابن باز" لابن باز، التعريف بالإسلام ومَحاسنه، ٢/ ٢١٣، ملخصاً. "فتاوى اللجنة الدائمة" رقم الفتوى: ٣٣١٧، ٢٢/ ٤٠١، ملخصاً.

(٢) انظر: "مجموع فتاوى ابن باز" باب الآنية، حكم أكل ذبائح الكفّار واستعمال أوانيهم، ١٠/ ٢٥، ملخصاً. "فتاوى نور على الدرب" لابن باز، حكم الأكل من الذبائح التي يتقرّب بها إلى أصحاب القُبور، ٢/ ٣٦٥، ملخصاً.

(٣) "فتاوى مُعاصِرة" للقَرضاوي، في شؤون المرأة والأسرة، مصافحة الرجل للمرأة، الجزء ٢، صـ ٣٠٢.

خوراک گندی تھی، جبکہ آج کل کے خنازیر کی باقاعدہ نگرانی میں پرورش ہوتی ہے، اور قدیم خنازیر کا مُعاملہ ایسانہیں تھا"[۱] یعنی دوسرے لفظوں میں وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مَوجودہ دَور کے خنازیر کی حِلّت کا حکم جاری کیا جانا چاہیے!۔

غامدی صاحب کی چند اجتہادی جسارتیں

پاکستان میں جن نام نہاد مجتہدین نے اپنی اجتہادی جسارتوں سے دین کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا، اور اُمتِ مسلمہ میں اِفتراق وِانتشار کا بیج بویا، اُن میں ایک نام "جاوید غامدی صاحب" کا ہے، غامدی صاحب احادیثِ صحیحہ کے انکار کے ساتھ ساتھ قرآنِ حکیم کی معنوی تحریف کے بھی عادی ہیں، انہوں نے اپنے نام نہاد اجتہاد کی بنیاد پر متعدّد مسلّمہ اور اِجماعی مسائل میں، علمائے اُمت سے اختلاف کیا، ان مسائل میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

قراءاتِ متواترہ کا انکار

غامدی صاحب قرآنِ کریم کی قراءاتِ متواترہ کا انکار کرتے ہیں، اور اس سلسلے میں اپنی رائے لکھتے ہیں کہ "یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قراءَت ہے، جو ہمارے مَصاحف میں ثبت ہے، اس کے علاوہ اس کی جو قراءتیں تفسیروں میں لکھی ہوئی ہیں، یا مدرسوں میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں، یا بعض علاقوں میں لوگوں نے اختیار کر رکھی ہیں، وہ سب اسی فتنۂ عجم کی باقیات ہیں جن کے اثرات سے ہمارے علوم کا کوئی شُعبہ -افسوس ہے کہ- محفوظ نہ رہ سکا"[۲]۔

---

(۱) انظر: "الاجتهاد في الشريعة الإسلامية" للقَرضاوي، مجال الاجتهاد، صـ۷۱.

(۲) دیکھیے: "میزان" اپریل ۲۰۰۲ء، صـ۳۲۔ "غامدیت" "قراءاتِ متواترۃ اور مسٹر غامدی کا فتنۂ عجم، صـ۱۲۔

ایک اَور مقام پر مزید لکھتے ہیں کہ "قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے، اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر، پوری دنیا میں اُمتِ مسلمہ کی عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے، اور یہ تلاوت جس قراءَت (حفص) کے مطابق کی جاتی ہے اس کے سِوا کوئی دوسری قراءَت نہ قرآن ہے، اور نہ ہی اسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا ہے"[1]۔

قرآنِ کریم کی قراءاتِ متواترہ یا قراءاتِ سبعہ وعشرہ کا یہ اختلاف عام طَور پر تلفُّظ اور لہجے کا اختلاف ہے، ہاں بعض مقامات پر الفاظ کا بھی اختلاف ہے، لیکن ان کے سبب قرآنِ حکیم کے مَعانی ومَفاہیم میں کسی قسم کا رَدّوبدل نہیں ہوتا، نہ ہی نفسِ مضمون میں کسی قسم کا کوئی فرق آتا ہے، مثلاً ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ میں لفظ "مٰلِكِ" کو "مالِک" بھی پڑھا گیا ہے اور "مَلِک" بھی، یہاں اگرچہ اختلاف ہے لیکن تضاد نہیں۔ اسی طرح ﴿عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ﴾ میں لفظ "بِضَنِيْنٍ" "ضاد" اور "ظاء" دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے، مگر دونوں قراءتوں میں مُوافقت ہے، بلکہ ایک دوسرے کی شرح ہے۔

دوسری بات یہ کہ ان قراءاتِ متواترہ پر پوری اُمت کا اتفاق ہے، اگر غامدی صاحب کے نظریے کو درست مان لیا جائے، تو لازم آئے گا کہ کروڑوں مسلمانوں نے غیرِ قرآن کو (معاذاللہ) قرآن سمجھ لیا ہے! اور غیرِ قرآن کو قرآن سمجھ لینے کے باعث، انہیں دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا جائے! نیز یہاں یہ بھی سوال اٹھتا ہے کہ یہود ونصاریٰ کی طرح کیا اُمتِ مسلمہ کا بھی اپنی مذہبی کتاب میں اختلاف ہوگیا ہے؟ اور توریت وانجیل کی طرح کیا قرآنِ کریم بھی (معاذاللہ) تحریف سے محفوظ نہیں

---

(۱) دیکھیے: "میزان" مئی ۲۰۰۸ء، صـ۲۷۔ "غامدیت" قراءاتِ متواترۃ اور مسٹر غامدی کا فتنۂ عجم، صـ۱۲۔

رہا؟ جبکہ قرآنِ کریم کی حفاظت کا ذمّہ خود اللہ تعالی نے اپنے ذمّۂ کرم پر لے رکھا ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾[1] "یقیناً ہم نے اُتارا یہ قرآن، اور یقیناً ہم خود اس کے نگہبان ہیں"۔

نیز "جس طرح ہمارے ہاں پاکستان میں قراءتِ حفص کے مطابق مصحف (قرآنِ کریم) لکھے اور تلاوت کیے جاتے ہیں، اسی طرح شمالی افریقہ (North Africa) اور بعض دیگر ممالک میں قراءت وَرش کے مطابق لکھے اور تلاوت کیے جاتے ہیں، اور وہاں کی گورنمنٹ بھی سرکاری وسائل سے قراءتِ وَرش کے مطابق مَصاحف شائع کرنے کا اہتمام کرتی ہیں۔

اُمتِ مسلمہ کا قَولی اور عملی تواتُر ہی قراءاتِ متواترہ کے صحیح ہونے کے لیے واضح ثبوت ہے، اس کے باوُجود عقل والوں کے لیے اَحادیثِ صحیحہ سے دلائل پیش ہیں:

حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «أَقْرَأَنِي جِبْرِيلُ عَلَى حَرْفٍ، فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيدُهُ حَتَّى انْتَهَى إِلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ»[2] "جبریل نے پہلے مجھے قرآنِ کریم ایک حرف (یعنی قراءَت) کے مطابق پڑھایا، میں ان سے مطالبہ کرتا رہا (کہ قرآنِ کریم کو دوسرے حُروف کے مطابق پڑھنے کی بھی اجازت دی جائے، لہذا وہ مجھے اجازت دیتے گئے) یہاں تک کہ سات ۷ حَرفوں (قراءَتوں) تک پہنچ گئے"۔

---

(۱) پ١٤، الحجر: ٩.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب بدء الخَلق، ر: ٣٢١٩، صـ٥٣٧.

حضرت سیّدنا اُبَی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت جبریل سے ملے تو فرمایا: «يَا جِبْرِيلُ! إِنِّي بُعِثْتُ إِلَى أُمَّةٍ أُمِّيِّينَ، مِنْهُمُ العَجُوزُ، وَالشَّيْخُ الكَبِيرُ، وَالغُلاَمُ، وَالجَارِيَةُ، وَالرَّجُلُ الَّذِي لَمْ يَقْرَأْ كِتَابًا قَطُّ، قَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ القُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ»[1] "اے جبریل! مجھے ایسی اُمت کی طرف بھیجا گیا ہے جو اَن پڑھ ہے، پھر ان میں سے کوئی بڑھیا ہے کوئی بوڑھا، کوئی لڑکا ہے تو کوئی لڑکی، اور کوئی ایسا ہے جس نے کبھی کوئی تحریر نہیں پڑھی، جبریل نے جواب دیا: یارسول اللہ! قرآنِ حکیم سات ۷ حَرفوں (قراءَتوں) پر اُترا ہے!""[2]۔

غامدی صاحب جس روایتِ حفص کو قراءَتِ عامّہ قرار دے کر صحیح مانتے ہیں، اور دیگر قراءَتوں کو عجم کا فتنہ قرار دیتے ہیں، وہ قراءَت بھی ایک عجمی امام حضرت عاصم بن ابو نجود رحمہ اللہ تعالیٰ کی قراءت ہے، لہٰذا اصل فتنہ یہ قراءَاتِ متواترہ نہیں، بلکہ خود غامدی صاحب ہیں، اُمتِ مسلمہ کو چاہیے کہ اپنے ایمان کی حفاظت کریں، اور اس فتنۂ غامدیت سے ہوشیار رہیں!!۔

حدیثِ پاک سے قرآنِ حکیم کے نَسخ اور تحدید وتخصیص کی نفی

غامدی صاحب حدیثِ پاک سے، قرآنِ حکیم کے نَسخ اور اس کی تحدید وتخصیص کی نفی کرتے ہیں، اور اس بارے میں اپنا نظریہ بیان کرتے ہیں کہ "قرآن سے باہر کوئی وحی خفی یا جلی، یہاں تک کہ خدا کا وہ پیغمبر بھی جس پر یہ نازل ہوا ہے، اِس (قرآن) کے کسی حکم کی تحدید و تخصیص، یا اس میں کوئی ترمیم و تغیُّر

---

(١) "سنن الترمذي" أبواب القراءات، ر: ٢٩٤٤، صـ٦٦١.

(٢) دیکھیے: "غامدیت "قراءاتِ متواترۃ اور مسٹر غامدی کا فتنۂ عجم، صـ١٤- ١٦، ملتقطاً۔

نہیں کر سکتا، دِین میں ہر چیز کے رَدّ و قبول کا فیصلہ اِس (قرآن) کی آیات بیّنات ہی کی رَوشنی میں ہوگا"[۱]۔

اس سلسلے میں مزید لکھتے ہیں کہ "حدیث سے قرآن کے نَسخ اور اس کی تحدید وتخصیص کا یہ مسئلہ، سُوءِ فہم اور قلّتِ تدبُر کا نتیجہ ہے، اس طرح کا کوئی نَسخ یا تحدید وتخصیص سِرے سے واقع ہی نہیں ہوئی، کہ اس سے قرآن کی یہ حیثیت کہ "وہ میزان اور فرقان ہے" کسی لحاظ سے مشتبہ قرار پائے"[۲]۔

آسان لفظوں میں اگر بیان کیا جائے تو غامدی صاحب کا نظریہ ہے، کہ دینِ اسلام میں ہر چیز کے رَدّ وقبول کا فیصلہ صرف قرآنِ حکیم کے لفظی ترجمہ اور جدید لُغت (Modern Dictionary) کی رَوشنی میں ہوگا، نیز سیاق وسباق، حقیقت ومَجاز، اَسبابِ نُزول ومَعانی، بلاغت وبیان، خاص وعام، مطلق ومقیّد وغیرہ کی پرواہ نہیں کی جائے گی۔ لہذا قرآنِ حکیم میں جہاں ﴿ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ﴾[۳] ارشاد ہوا، اس کا مطلب غامدی فکر پر یہ ہوگا کہ "کافر کا قیامت میں اِعزاز ہوگا، اور اس کی مدح کی جائے گی" (العیاذ باللہ)۔

نیز غامدی صاحب کی فکر کے مطابق حدیثِ رسول کے ذریعے قرآنِ حکیم کے کسی حکم کی تحدید وتخصیص نہیں ہوسکتی؛ کیونکہ اگر قرآنِ حکیم کے کسی

---

(۱) "میزان" مئی ۲۰۰۸ء، ص۲۵۔ "غامدیت" حدیث سے قرآن کے نسخ اور اس کی تحدید وتخصیص اور مسٹر غامدی کے خود ساختہ اُصول، ص۲۳۔
(۲) دیکھیے: "میزان" مئی ۲۰۰۸ء، ص۳۵۔
(۳) پ ۲۵، الدُخان: ۴۹.

حکم میں حدیثِ پاک سے تحدید و تخصیص مان لی جائے، تو اس سے قرآنِ پاک کا میزان اور فرقان ہونا مشتبہ اور مشکوک ہو جاتا ہے۔

غامدی صاحب کا یہ دعوی اور نظریہ سِرے سے باطل اور بے بنیاد ہے؛ کیونکہ قرآنِ حکیم کے متعدّد اَحکام کی تحدید وتخصیص احادیثِ مبارکہ کے ذریعے ہوئی، اس سلسلے میں دو۲ مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

حدیثِ شریف کے ذریعے تحدید کی مثال

(۱) ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَكُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ﴾[۱] "اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے ظاہر ہو جائے سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے"۔

اس آیتِ مبارکہ کا سمجھنا محض عقل یا اجتہاد سے ممکن نہیں، ظاہر پر محمول کر کے تجربہ کیا جائے، تو سحری کا آخری وقت اِشراق سے پہلے نہ ہو سکے گا، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم جو عربُ الاصل تھے، وہ بھی حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی شرح کے محتاج تھے، جیسا کہ حضرت سیّدنا عدی بن حاتم رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ "جب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی تو میں نے دو۲ دھاگے: ایک سیاہ اور ایک سفید، اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیے اور انہیں دیکھتا رہا، مگر مجھے سیاہ وسفید میں فرق نظر نہ آیا، صبح رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض حال کیا، تو حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّمَا ذَلِكَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ»[۲] "اس سے مراد رات کی سیاہی اور صبحِ صادق کی سپیدی ہے"۔

---

(۱) پ۲، البقرة: ۱۸۷.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الصوم، ر: ۱۹۱٦، صـ۳۰۸.

اس حدیثِ پاک میں سحری کے وقت کی تحدید اور آیتِ مبارکہ کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

حدیثِ پاک کے ذریعے تخصیص کی مثال

(۲) ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوۡلَادِكُمۡ ۖ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ﴾[۱] "اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اَولاد کے بارے میں، بیٹے کا حصّہ دو ۲ بیٹیوں کے برابر ہے"۔

مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ میں حکم عام تھا کہ اَولاد ہر حال میں اپنے والدین کی وراثت کی حقدار ہوگی، لیکن حدیث شریف کے ذریعے اس حکم کی تخصیص کر دی گئی، اور فرمایا گیا: «وَلَا يَرِثُ الْقَاتِلُ شَيْئًا»[۲] "(اپنے مُورِث کو قتل کرنے والا) قاتل، اس (مقتول) کا وارِث نہیں ہو سکتا" یعنی اپنے باپ کا قاتل بیٹا، مقتول باپ کی وراثت سے محروم ہو جائے گا، اس امر کی تخصیص حدیث شریف کے ذریعے کی گئی۔

لہذا غامدی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ حدیثِ پاک کے ذریعے قرآنِ کریم کے کسی حکم کی تحدید یا تخصیص، قرآنِ حکیم کے میزان اور فرقان ہونے میں اشتباہ کا باعث نہیں، بلکہ اَحکامِ قرآنی کی وضاحت کا ذریعہ ہے، لہذا دوسروں کو سُوءِ فہم اور قلّتِ تدبُر کا طعنہ دینے کے بجائے، غامدی صاحب اگر اپنی فہم وفراست کی سطحیت پر غور فرماتے تو زیادہ بہتر ہوتا!۔

---

(۱) پ٤، النساء: ١١.

(٢) "سنن أبي داود" كتاب الدِيات، ر: ٤٥٦٤، صـ٦٤٥.

نیز غامدی صاحب حدیثِ مبارکہ کے ذریعے ، آیاتِ قرآنیہ کی تقیید، تحدید اور تخصیص کا تو انکار کرتے ہیں، لیکن اپنی ناقص فہم، فراست اور سوچ کی بنیاد پر، قرآنِ پاک کی غیر منصوص اور غیر مَروی انداز میں، مَن مانی تفسیر، تشریح اور تاویل کا پورا پورا حق جتاتے ہیں، گویا غامدی صاحب خود کو حدیثِ مبارکہ، اقوالِ صحابہ اور اَسلاف کی تشریح سے بالاتر سمجھتے ہیں!!۔

نصابِ زکات کے تعیُّن سے متعلق غامدی نظریہ

غامدی صاحب نے جن مسائل میں اجتہادی جسارتیں کی ہیں، اُن میں سے ایک مسئلہ نصابِ زکات کے تعیُّن کے اختیار سے متعلق ہے، غامدی صاحب کا نظریہ ہے کہ یہ اختیار ریاست کے پاس ہے، چاہے ریاست کا حکمران فاسق وفاجر یا مذہب بیزار ہی کیوں نہ ہو، غامدی صاحب اپنے نام نہاد اجتہاد کی رَوشنی میں لکھتے ہیں کہ "ریاست اگر چاہے تو حالات کی رعایت سے کسی چیز کو زکات سے مستثنیٰ قرار دے سکتی ہے، اور جن چیزوں سے زکات وُصول کرے ان کے لیے عام دستور کے مطابق کوئی نصاب بھی مقرّر کر سکتی ہے"[1]۔

زکات ایک مذہبی فریضہ ہے نہ کہ ریاستی ٹیکس (State Tax)، اور زکات کا ماخَذ شریعتِ مطہَّرہ ہے نہ کہ ریاستی اختیار وطاقت، یہی وجہ ہے کہ زکات کے تمام اَحکام و مسائل کے اَخذ کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر آج تک، تمام اُمتِ مسلمہ حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرامینِ مبارکہ اور قرآنِ حکیم کی طرف رُجوع لاتی ہے، لیکن نام نہاد مجتہد غامدی صاحب نے اپنی ناکام اجتہادی جسارتوں کے باعث زکات کو مذہبی

---

(۱) "میزان" مئی ۲۰۰۸ء، ص۳۵۳۔ "غامدیت" مسئلہ زکاۃ اور غامدی کا انوکھا اجتہاد، ص۴۲، ۴۳۔

فریضے سے نکال کر، ریاستی ٹیکس(State Tax)کی حیثیت دے رکھی ہے، اور ریاست کو کھلی چُھوٹ دے دی ہے کہ زکات کے نصاب، استثناء اور دیگر مُعاملات میں اپنی حسبِ منشا، جس طرح چاہے تبدیلی اور مُداخلت کرتی پھرے!(۱)۔

کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے؟

متقدّمین فقہاء کے وضع کردہ اُصولِ فقہ کی رَوشنی میں، مسائلِ شرعیہ کے اِستنباط وِاستخراج کے لیے اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے، نہ کبھی بند ہوا نہ ہوگا، اور نہ ہی کسی مسلک نے ایسا کرنے کی کوشش کی، البتہ اجتہاد کے اُصول وضوابط، طریقۂ کار، مَناہج واَسالیب، اور مجتہد کی شرائط کا تعیُّن قُرونِ اُولیٰ میں ہو چکا ہے، لہذا اب نئے اُصول وضوابط وضع کرنے کی گنجائش نہیں، نیز ہمیں اس بات کو بھی سمجھنا ہو گا کہ اجتہاد کے اُصول وضوابط وضع کرنا، اور اجتہاد کے لیے مقرّرہ اُصول کی رَوشنی میں عملی طَور پر اجتہاد کرنا، دو ۲ الگ الگ چیزیں ہیں، لہذا ان دونوں کو ایک زُمرہ میں شمار کرنا درست نہیں۔

اجتہاد کی اہلیت کے لیے سخت شرائط کی وجہ

کون اجتہاد کا اہل ہے؟ اس سلسلے میں مذاہبِ اربعہ (حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ) نے انتہائی سخت شرائط بیان فرمائی ہیں، اور ان شرائط کا مقصد نام نہاد مجتہدین کا آئے روز اجتہاد کے دعوے، اور گمراہ کُن اجتہادی جسارتوں کا سدِ باب ہے؛ تاکہ اُمتِ مسلمہ کو اِفتراق واِنتشار، فرقہ واریت اور گروہ بندی کا شکار ہونے سے بچایا جاسکے!۔

---

(۱) "غامدیت" مسئلہ زکاۃ اور غامدی کا انوکھا اجتہاد، صـ۴۳، ملخصاً۔

فقہائے حنفیہ کے نزدیک اہلیتِ اجتہاد کی شرائط

فقہائے حنفیہ کے نزدیک اہلیتِ اجتہاد کی کیا شرائط ہیں؟ انہیں بیان کرتے ہوئے علّامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے فرمایا: "أن يكونَ صاحب حديثٍ له معرفةٌ بالفقه؛ ليعرفَ مَعاني الآثار، أو صاحب فقهٍ له معرفةٌ بالحديث؛ لئلا يشتغلَ بالقِياس في المنصوص عليه. وقيل أن يكونَ مع ذلك صاحبَ قريحةٍ يعرف بها عاداتِ النّاس؛ لأنّ مِن الأحكام ما يبتني عليها"[1]. "اہلیتِ اجتہاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ شخص حدیث میں ماہر ہو، اور اسے فقہ کی معرفت حاصل ہو؛ تاکہ احادیث کے مَعانی سمجھ سکے، یا وہ شخص فقہ میں ماہر ہو، اور اسے حدیث کی بھی معرفت حاصل ہو؛ تاکہ وہ منصوص مسائل میں قیاس نہ کرے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ وہ ذہین اور طبّاع (لوگوں کی طبیعتوں اور مزاج سے بھی واقف) ہو؛ کیونکہ بہت سے اَحکام عُرف پر مبنی ہوا کرتے ہیں"۔

فقہائے مالکیہ کے نزدیک اہلیتِ اجتہاد کی شرائط

اہلیتِ اجتہاد کی شرائط بیان کرتے ہوئے امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی مالکی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے فرمایا: "إنّما تحصل درجةُ الاجتهاد لمن اتّصف بوصفَين، **أحدهما**: فهمُ مقاصد الشريعة على كمالها، **والثاني**: المكّن من الاستنباط بناءً على فهمِه فيها"[2]. "اجتہاد کا درجہ اُسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جس میں یہ دو ۲

---

(۱) انظر: "الهداية في شرح بداية المبتدي" للمَرغيناني، كتاب أدب القاضي، ۳/ ۱۰۱.

(۲) "المُوافقات" للشاطبي، كتاب الاجتهاد، الطرف الأوّل: في الاجتهاد، المسألة الثانية، ٥/ ٤١، ٤٢.

وصف ہوں: **ایک** یہ کہ مقاصدِ شریعت کا علم اسے بدرجہ کمال حاصل ہو، **دوسرا** یہ کہ دین وشریعت کے فہم کی بنیاد پر استدلال واِستنباط کی اسے قدرت (صلاحیت) ہو"۔

فقہائے شافعیہ کے نزدیک اہلیتِ اجتہاد کی شرائط

اہلیتِ اجتہاد سے متعلق فقہائے شافعیہ کا مَوقِف بیان کرتے ہوئے علّامہ یحییٰ بن شرف الدین نوَوی شافعی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے فرمایا: "وإنّما يحصل أهليةُ الاجتهاد لمن علمَ أموراً، **أحدها**: كتاب الله تعالى، ولا يُشترط العلمُ بجميعه، بل مما يتعلّق بالأحكام، ولا يُشترط حفظُه عن ظَهر القلب. ومِن الأصحاب مَن ينازع ظاهر كلامِه فيه. **الثاني**: سنّة رسول الله ﷺ لا جميعها، بل ما يتعلّق منها بالأحكام، ويُشترط أن يعرفَ منها العامَّ، والخاصَّ، والمطلقَ، والمقيَّد، والمجمَل، والمبيّن، والناسِخ، والمنسوخ، ومن السُنّة المتواتر، والآحاد، والمرسَل، والمتّصل، وحال الرُواة جَرحاً وتعديلاً. **الثالث**: أقاويل علماء الصحابة ومَن بعدهم رضي الله تعالى عنهم إجماعاً واختلافاً. **الرابع**: القياس، فيعرف جليَّه وخفيَّه، وتمييز الصحيح من الفاسد. **الخامس**: لسان العرب لُغةً وإعراباً"[1].

"اہلیتِ اجتہاد صرف اسے حاصل ہو سکتی ہے جو اِن اُمور کا علم رکھتا ہو، ان میں سے **ایک**: کتاب اللہ کا علم ہے، اور تمام قرآنِ مجید کا جاننا شرط نہیں، بلکہ اَحکام سے متعلق آیات کا جاننا ضروری ہے، اور ان آیات کو یاد کرنا ضروری نہیں۔ مگر بعض اصحاب

(١) "روضة الطالبين وعمدة المفتين" للنوَوي، كتاب القضاء، ١١/ ٩٥.

کا ظاہری کلام اس کے خلاف ہے۔ **دوسرا اَمر:** رسول اللہ ﷺ کی سنّت کا علم ہے، اور اس میں بھی تمام احادیث کا جاننا ضروری نہیں، بلکہ اَحکام سے متعلق احادیثِ مبارکہ کا جاننا کافی ہے، مگر ان میں عام، خاص، مطلق، مقیّد، مجمَل، مبیَّن، ناسخ، منسوخ، خبرِ متواتر، خبرِ واحد، مُرسَل، متّصل، اور راویوں کے اَحوال میں جَرح وتعدیل کی معرفت ضروری ہے۔ اور **تیسرا اَمر:** یہ کہ فقہاء صحابہ اور بعد کے فقہاء کے اقوال کی معرفت ہونی چاہیے، اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ کس مسئلہ میں ان کا اتفاق ہے اور کس میں اختلاف ہے۔ اور **چوتھا امر:** قیاس ہے، لہذا قیاسِ جلی اور قیاسِ خفی کی معرفت ہونی چاہیے، اور قیاسِ صحیح اور قیاسِ فاسد میں تمیز ہونی چاہیے۔ اور **پانچواں اَمر:** لُغتِ عرب ہے، لہذا لُغتِ عرب اور اِعراب (یعنی صَرف ونحو وغیرہ) کی مہارت ہونی چاہیے"۔

فقہائے حنابلہ کے نزدیک اہلیتِ اجتہاد کی شرائط

علّامہ شمس الدین مقدسی حنبلی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اہلیتِ اجتہاد کی شرائط پر بحث کرتے ہوئے فرمایا: "والمجتهدُ مَن يعرف مِن الكتاب والسُنّة: الحقيقةَ والمجازَ، والأمرَ، والنهي، والمبيَّن، والمجمَل، والمحكَم، والمتشابه، والعامَّ، والخاصَّ، والمطلقَ، والمقيَّد، والناسخَ، والمنسوخَ، والمستثنَى، والمستثنى منه، وصحيحَ السُنّة وسقيمَها وتواترَها وآحادَها، مما له تعلُّقٌ بالأحكام، والمجمَع عليه، والمختلَف فيه، والقياسَ وشروطَه، وكيف يستنبط، والعربيةَ المتداوِلة بحجاز،

وشام، وعراق، فمَن عرفَ أكثره، صَلَح للفُتياء والقضاء"[١].

"مجتہد وہ شخص ہو سکتا ہے جو کتاب (قرآنِ حکیم) اور سنّت میں حقیقت ومَجاز کی معرفت رکھتا ہو، اور امر، نہی، مبیَّن، مجمَل، مُحکَم، متشابہ، عام، خاص، مطلق، مقیَّد، ناسخ، منسوخ، مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کا علم رکھتا ہو، اور اَحکام سے متعلق صحیح، ضعیف، متواتر اور آحاد احادیث کو جانتا ہو، اور قیاس اس کی شرائط، اور استنباط کے طریقے جانتا ہو، اور حجاز، شام اور عراق میں متداوِل عربی زبان کو جانتا ہو، لہذا جو شخص اکثر مذکور باتیں جانتا ہو وہ فتویٰ دینے (یعنی اجتہاد) اور قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے"۔

اہلیتِ اجتہاد سے متعلق غامدی نظریہ

اہلیتِ اجتہاد سے متعلق غامدی صاحب اپنی رائے دیتے ہیں کہ "اجتہاد کی کوئی شرائط نہیں، لوگوں کو اجتہاد کرنا چاہیے، اُن میں سے ایک غلطی کرے گا تو دوسرے کی تنقید اُسے درست کردے گی، انسان اِسی سے آگے بڑھتا ہے، اور اعلیٰ درجے کے مجتہدین بھی اسی عمل کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ اِس میں شُبہ نہیں کہ تقلید کے اُصول کو تسلیم کرلیا جائے، تو وہ تمام شرائط ماننا ضروری ہو جاتے ہیں جو اجتہاد کے لیے بیان کیے جاتے ہیں؛ اس لیے کہ اس صورت میں اصل چیز نفسِ اجتہاد اور اُس کا استدلال نہیں، بلکہ مجتہد کی شخصیت ہوگی جسے مَرجعِ تقلید مانا جائے گا، لیکن صحابہ وتابعین کی طرح عامّی وعارِف سب اپنے فیصلوں کی بنیاد دلیل پر رکھیں، تو مجتہد کو نہیں بلکہ اجتہاد کو دیکھا جائے گا، کہ وہ کس حد تک علم وعقل کے معیارات پر پورا اترتا ہے۔ اس

---

(١) "كتاب الفُروع" للمَقدسي، كتاب القضاء، حكم القضاء وما يتعلق بذلك، الجزء ١١، صـ ١٠٩.

صورت میں مسلمان تو ایک طرف، اگر کوئی غیر مسلم بھی کسی مسئلے کا کوئی معقول حل پیش کر دیتا ہے، تو اس میں اعتراض کی کوئی چیز نہیں ہوگی، اِسے "ضالّۃ المؤمن" سمجھ کر قبول کر لیا جائے گا"[۱]۔ یعنی غامدی صاحب کا مَوقِف یہ ہے کہ اجتہاد کی کوئی شرائط نہیں، بلکہ ہر شخص اجتہاد کا اہل ہے، جس کے ہاتھ میں جو آجائے اٹھالے، بلکہ اگر غیر مسلم بھی ہماری کوئی دینی رَہنمائی کر دے تو اس کی بات بالکل مان لینی چاہیے۔ گویا غامدی مذہب میں غیر مسلم کی تقلید تو جائز ہے، مگر مسلم ائمہ واَسلاف کی تقلید جائز نہیں!!۔

اگر غامدی صاحب کا مَوقف دُرست مان لیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر شخص اجتہاد کا اہل ہے، اور اگر اس کا اجتہاد معقول ہو (یعنی عقل کے معیار پر پورا اُترتا ہو) تو اسے تسلیم کرنا لازمی ہے، لیکن غامدی صاحب نے اپنی تحریر میں اس اَمر کو واضح نہیں کیا کہ عقل وفہم کے صحیح اور غلط ہونے کا معیار کیا ہوگا؟! ایسی صورت میں انہیں چاہیے کہ اس بات کی وضاحت ضرور کریں، کہ مرزا غلام قادیانی، عبداللہ چکڑالوی اور شیخ اَسلم جیراج پوری وغیرہ نے جو مسائل، قرآن وحدیث کا نام لے کر اس کی تفسیر وتشریح کے طَور پر بیان کیے، وہ آپ کے نزدیک درست اور قابلِ قبول ہیں یا نہیں؟ اگر درست اور قابلِ قبول نہیں تو اُس کی دو ۲ ہی ممکنہ صورتیں ہیں: (۱) یا تو آپ (معاذاللہ) قرآن وحدیث کو نہیں مانتے! (۲) یا پھر آپ ان کی عقل وفہم کو غلط قرار دیتے ہیں۔ اگر ان کی عقل وفہم کو غلط قرار دیتے ہیں، تو اس کے صحیح اور غلط ہونے کی کسوٹی اور معیار کیا ہے؟!

لہٰذا مختصراً عرض ہے کہ شرعی اجتہاد کوئی ایسی معمولی چیز نہیں جس کے لیے

(۱) دیکھیے: "اجتہاد" ماہنامہ اِشراق، جولائی ۲۰۱۱ء، صـ۳، ۴۔

کوئی شرائط مقرّر نہ کی جائیں، اور اُسے ہر کَس و ناکس کی عقل و فہم پر چھوڑ دیا جائے، اور وہ اس چُھوٹ کا ناجائز فائدہ اٹھا کر دین میں بدعات واِختراعات کے نت نئے باب کھولنے، اور فتنہ وفساد پھیلانے کا باعث بنتا رہے!!۔

اجتہاد کا دائرۂ کار

اکثر اعتقادی مسائل قطعی اور اِجماعی ہیں، اور کچھ ظنّی ہیں۔ قطعی اور اِجماعی مسائل میں اجتہاد واختلاف جائز نہیں، بلکہ بعض صورتوں میں کفرِ فقہی، اور بعض میں کفرِ کلامی بھی ہے۔ اسی طرح ظنّی اِجماعی مسائل میں بھی اجتہاد واختلاف کی اجازت نہیں۔اسی طرح غیر اجماعی ظنّی اُمور میں بھی جُمہور کے قول پر عمل ضروری ہے۔

قطعی مسائل میں ایک ہی قول حق ہوتا ہے، لہذا اس کے مخالف قول کو باطل قرار دیا جاتا ہے، اور اس کے قائل (مجتہد) پر شرعی حکم وارِد ہوتا ہے۔ جبکہ فقہ کے اجتہادی مسائل میں کسی مجتہد پر حکم شرعی وارِد نہیں کیا جاتا، بلکہ اجتہاد میں خطا کا اِمکان ہونے کے باوُجود مجتہد کو اجر وثواب کا مستحق سمجھا جاتا ہے[1]۔

اپنے عقیدے کو حق جاننا، اور مخالف کو باطل ماننا لازم ہے

ظنّی واِجتہادی مسائل میں اپنے قول کو صحیح جاننا، اور مخالف قول کو سرے سے غلط ماننا درست نہیں؛ کیونکہ جانبِ مخالف کا احتمال بالدلیل ہوتا ہے۔ البتہ قطعی واعتقادی مسائل میں فریقِ ثانی کا احتمال بالدلیل نہیں ہوتا، لہذا اپنے عقیدے کو مکمل طَور پر حق جاننا، اور مخالف کے عقیدے کو سِرے سے باطل ماننا لازم ہے۔

---

(۱) دیکھیے: "قطعی مسائل میں ایک حق" باب اوّل، صـ۷، ۲۳، ۲۴، ملخصاً۔

امام ابن نُجَیم مصری حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "إذا سُئلنا عن مذهبنا ومذهب مخالِفينا في الفُروع، يجب علينا أن نجيبَ، بأنّ مذهبَنا صوابٌ يحتمِل الخطأَ، ومذهبُ مخالِفينا خطأٌ يحتمِل الصّوابَ؛ لأنّك لو قطعتَ القولَ لَمَا صحَّ قولُنا: "إن المجتهدَ يُخطئ ويُصيب". وإذا سُئلنا عن معتقَدِنا ومعتقَد خصومِنا في العقائد، يجب علينا أن نقولَ: الحقُّ ما نحن عليه، والباطلُ ما عليه خصومُنا. هكذا نقل عن المشايخ رحمهم الله تعالى"[1].

"جب ہم سے فَرعیات (ظنّی واجتہادی مسائل) کے بارے میں، ہمارے مذہب اور ہمارے مخالفین کے مذہب کے بارے میں سوال ہو، تو ہم پر یہ جواب دینا لازم ہے کہ ہمارا مذہب صحیح ہے اور خطا کا احتمال رکھتا ہے، اور ہمارے مخالفین کا مذہب خطا ہے، لیکن صحت کا احتمال بھی رکھتا ہے، لہٰذا اگر تم نے اپنے قول کو یقینی بتادیا، تو ہمارا یہ قول درست نہیں ہوگا کہ "مجتہد کبھی مصیب اور کبھی مُخطِی ہوتا ہے"۔ اور جب ہم سے ہمارے عقیدے اور عقائد میں ہمارے مخالفین کے بارے میں پوچھا جائے گا، تو ہم پر یہ کہنا واجب ہے کہ "حق وہی ہے جس پر ہم ہیں، اور جس (عقیدے) پر ہمارے مخالفین ہیں وہ باطل ہے" حضراتِ مشایخ سے اسی طرح ہی منقول ہے"۔

اُصولِ عقائد میں اجتہاد واختلاف، تفریق بینَ المسلمین کا باعث ہے

اُصولِ عقائد میں اجتہاد واختلاف، تفریق بینَ المسلمین کا باعث ہے، اُصولِ عقائد سے مراد اللہ ورسول اور قیامت کے دن پر ایمان لانا ہے۔ "اُصولِ عقائد میں

(۱) "الأشباه والنظائر" لابن نجَيم، قاعدة: إذا أتى بالواجب وزاد عليه، هل يقع الكلُّ واجباً أم لا؟ فائدة، صـ ۳۳۰.

اہلِ حق کی مخالفت کی ایک صورت یہ ہے، کہ کوئی ان اُصول میں سے کسی ایک، یا دو، یا تینوں پر ایمان نہ لائے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایمان تو لائے مگر کما حقّہ نہ لائے۔ ان دونوں صورتوں میں ایمان نہ لانے والا، اسلام وایمان سے قطعاً یقیناً اِجماعاً خارِج ہو جاتا ہے، اور ایمان سے خارج ہونا کفر وارتداد اور گناہ ہے"[1]۔

فرقہ وارایت میں اِضافے کا سبب

اُصولِ عقائد اور قطعیّات میں اجتہاد، اختلاف اور انکار کے باعث متعدّد فرقے، گمراہ یا دائرۂ اسلام سے خارج قرار پاتے ہیں، اور یہ سب تفرِقہ بازی، فکری اِنتشار اور آنار کی اس لیے پھیلی، کہ نام نہاد مجتہدین نے ان مسائل میں اجتہاد کیا جن کا تعلق اسماء وصفات، یا پھر اس جیسے دیگر اعتقادی مسائل سے تھا، جن میں اجتہاد جائز نہیں، مگر نام نہاد مجتہدین نے ان اُمور میں تاویل کی راہ اپنائی، جس کے نتیجہ میں اِفتراق، اِنتشار اور فرقہ واریت میں اِضافہ ہوا!۔

ایسے ہی نام نہاد مجتہدین اور ان کے اجتہادات کا تعارُف کرواتے ہوئے ڈاکٹر محمد سلام مدکور لکھتے ہیں: "حيث بدأ كلّ مَن يَرى في نفسه القدرةَ على النظر الفقهي، يلبس ثوبَ الاجتهاد ويخرج على النّاس بالآراء الاجتهاديّة، حتّى ولولم يكن من أهل الاجتهاد، ولم تتوفّر فيه أكثرُ شُروط الاجتهاد، فتضاربت الأقوالُ وتَبلبَلَت الأفكار، وأصبح الناسُ في حيرةٍ مما يَسمعون أو يَقرأون!"[2].

---

(۱) دیکھیے: "بہتر ۷۲ فرقے ہمیشہ جہنم میں" دوسری قسط، شارحینِ حدیث کے اقوال، ص۲۶، ۲۷۔
(۲) انظر: "الاجتهاد الجماعي في التشريع الإسلامي" للشرفي، صـ ۸۵، ۸۶.

"اب تو یہ ہورہا ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنے گمان میں خود کو فقہی بصیرت کا حامل سمجھتا ہے، وہ اجتہاد کا لبادہ اَوڑھ لیتا ہے، اور لوگوں کے سامنے اپنی اجتہادی آراء پیش کرنے کو نکل پڑتا ہے! چاہے اس میں اجتہاد کی اہلیت نہ بھی ہو، اور اس میں اجتہاد کی اکثر وبیشتر شُروط بھی نہ پائی جاتی ہوں! نتیجۃً متضاد آراء اور پریشان خیالیاں سامنے آتی ہیں، اور عوام انہیں پڑھ سُن کر حیرت کے سمندر میں ڈُوب جاتے ہیں!"۔

باب سوم ۳

امام احمد رضا کا تعارُف اور علمی مقام

اعلی حضرت[(۱)] امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ کا نام کسی تعارُف کا محتاج نہیں، آپ کی علمی دینی خدمات سے عرب وعجم خوب آگاہ اور اس کے معترِف ہیں۔ امام احمد رضا وہ نابغۂ روزگار شخصیت ہیں جن کی ساری زندگی خدمتِ دین اور اسلام کی نشر واِشاعت سے عبارت ہے، اعلی حضرت چَودھویں صدی ہجری کے عظیم مجدّد، نابغۂ روزگار مفسِّر، محدِّث، مؤرِّخ، مفتی، فقیہِ مجتہد اور بلند پایہ محقِق ہیں۔

ولادت

امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت، بریلی (ہندوستان) کے محلّہ جَسولی میں، ۱۰ شوّال المکرّم ۱۲۷۲ھ، بروز ہفتہ، بوقت ظہر/مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی رئیس المتکلمین علّامہ مفتی نقی علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ ہے، وہ اپنے وقت کے بہت بڑے عالمِ دین اور رُوحانی شخصیت تھے۔

---

(۱) ہندوستان کے معروف عالمِ دین علّامہ عبید اللہ خان اعظمی فرماتے ہیں کہ "سیّد وارث علی شاہ صاحب کی عادت تھی کہ کوئی بھی مولوی صاحب آتے، آپ اسے "مولانا" نہیں کہتے، بلکہ "مولوی صاحب "کہا کرتے تھے، مگر امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے چند خادموں کے ساتھ ان کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے، تو حاجی سیّد وارث علی شاہ صاحب اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے:"آؤ مولانا تم تو اعلی حضرت ہو"۔ شاہ صاحب کے عطا کردہ لقب کو ایسی شہرت حاصل ہوئی کہ جب بھی "اعلی حضرت "کا لفظ بولا جاتا ہے، ذہن فوراً امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سبقت کرتا ہے"۔ ["امام احمد رضا کاملین کی نظر میں "قُدوۃ السالیکن سیّدنا حاجی وارِث علی شاہ صاحب، ص۴۴]

نام ونسَب

سنِ پیدائش کے اعتبار سے امام احمد رضا کا تاریخی نام "المختار" ہے، جبکہ دادا حضور نے آپ کو "احمد رضا" کہہ کر پکارا، اور اسی نام سے آپ مشہور ہوئے۔

امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالی کا سلسلۂ نسَب کچھ یوں ہے: احمد رضا، ابن مفتی نقی علی خان[۱]، ابن مفتی رضا علی خان، ابن محمد کاظم علی خان، ابن محمد اعظم شاہ، ابن محمد سعادت یار خان بہادر قدست اسرارہم[۲]۔

مروّجہ عُلوم کی تکمیل اور مسندِ اِفتاء کی ذمّہ داری

امام اہلِ سنّت[۳] امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے تیرہ ۱۳ سال، دس ۱۰ ماہ، چار ۴ دن کی عمر میں، تمام مروّجہ عُلوم کی تکمیل کی، اور اُسی دن آپ نے ایک سوال کے جواب میں پہلا فتویٰ بھی تحریر فرمایا، جواب درست پاکر والدِ ماجد علّامہ مفتی نقی علی خان رحمہ اللہ تعالی نے مَسندِ اِفتاء آپ کے سپرد کر دی، تب سے تادمِ اخیر آپ بحُسن وخوبی یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

اساتذہ وشُیوخ

امام احمد رضا نے جن چند اساتذہ وشُیوخ سے اکتسابِ فیض کیا، اُن کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:

---

(۱) "تذکرۂ علمائے ہند" ۳۶- مولوی احمد رضا خان بریلوی، صـ۹۸۔

(۲) ایضًا، ۱۸۴- مولوی رضا علی خان بریلوی، صـ۱۹۳۔

(۳) یہ لقب قطبِ مدینہ شیخ ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالی نے امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالی سے متعلق اپنے تأثرات میں ذکر فرمایا۔ [انظر: "الدَولة المكيّة بالمادّة الغَيبيّة" حياة الإمام أحمد رضا، ١٩ - قال الشيخ محمد ضياء الدين أحمد المهاجر المدني، صـ٨٠]

(۱) امام العلماء مفتی رضا علی خان (جدِّ امجد)[۱]

(۲) خاتم الاکابر سیّد شاہ آلِ رسول مارَہروی[۲]

(۳) مفتی نقی علی خان (والدِ گرامی)[۳]

---

(۱) امام العلماء مفتی رضا علی خان، امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہا کے جدِّ امجد ہیں، آپ رحمہ اللہ تعالیٰ بریلی (روہیل کھنڈ) کے مشہور عالمِ دین اور بڑہیچ پٹھان تھے، آپ کے بزرگ سلاطینِ دہلی کے یہاں "شش ہزاری" وغیرہ منصبِ جلیلہ پر فائز تھے۔ مفتی رضا علی خان رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء میں پیدا ہوئے، تیئیس ۲۳ سال کی عمر میں علومِ مُروّجہ سے فراغت حاصل کی، علمِ فقہ میں بڑی مہارت رکھتے تھے، آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال شریف ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء میں ہوا، آپ کا مزار شریف (بریلی (ہندوستان) میں ہے۔["تذکرۂ علمائے ہند" ۱۸۴- مولوی رضا علی خان بریلوی، صـ۱۹۳]

(۲) سیّد شاہ آلِ رسول مارَہروی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہا کے پیر و مُرشد ہیں، آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادتِ باسعادت ۱۲۰۹ھ کو "مارَہرہ شریف" (ہندوستان) میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا اسمِ گرامی سیّد شاہ آلِ برکات ستھرے میاں رحمہ اللہ تعالیٰ ہے، شاہ آلِ رسول "سلسلۂ عالیہ قادریہ" کے سینتیسویں ۳۷ امام اور شیخِ طریقت ہیں، اپنے استاذِ گرامی شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ظاہری وباطنی عُلوم کی اَسناد حاصل کیں، شاہ آلِ رسول رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلفائے کرام میں اپنے وقت کی نابغۂ روزگار ہستیاں شامل ہیں، جن میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں: (۱) حضرت سیّد شاہ ظُہور حسین (۲) حضرت سیّد شاہ مَہدی حسن (۳) حضرت سیّد شاہ ظُہور حسن (۴) حضرت سیّد شاہ ابو الحسین احمد نوری (۵) حضرت سیّد شاہ ابو الحسن خَرقانی (۶) رئیس المتکلّمین مفتی نقی علی خان (۷) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا (۸) حضرت سیّد شاہ علی حسین اشرفی (۹) حضرت قاضی عبد السلام بدایونی قدّس سرّہم۔["تذکرہ مشایخ قادریہ رضویہ" خاتم الاکابر حضرت مخدوم الشاہ آلِ رسول مارَہروی، خلفائے کرام، صـ۴۱۰، ۴۱۱۔ "معارفِ رئیس الاتقیاء مفتی نقی علی خاں بریلوی" رئیس الاتقیاء مفتی نقی علی خاں، بیعت وخلافت، صـ۲۲]

(۳) رئیس المتکلّمین مفتی نقی علی خان، امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہا کے والدِ گرامی ہیں، آپ رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء میں پیدا ہوئے، اپنے والد ماجد مفتی رضا علی خان رحمہ اللہ تعالیٰ سے تعلیم وتربیت =

(۴) شاہ ابوالحسین احمد نوری[1]

(۵) مفتیٔ شافعیہ سیّد احمد زَینی دَحلان مکّی[2]

=

پائی، اور انہی سے درسی عُلوم حاصل کیے، فطری شجاعت کے علاوہ سخاوت، تواضُع اور اِستغناء کی صفات سے متّصف تھے، زندگی بھر سنّت رسول کی اِشاعت اور بدعت کے ردّ میں مصروف رہے، آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی متعدّد تصنیفات ہیں جن میں سے چند حسبِ ذیل ہیں: (۱) "الكلام الأوضَح في تفسير ألم نشرح" (۲) "وسيلة النَجاح" (۳) "سُرور القُلوب في ذكر المحبوب" (٤) "جواهر البيان في أسرار الأركان" (٥) "أصول الرَّشاد لقَمع مَباني الفساد" (٦) "إذاقة الأثام لمانعِي عملِ المَولد والقيام" (٧) "فضل العلم والعلماء". مفتی نقی علی خان رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال شریف ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں ہوا، آپ کا مزار شریف بریلي (ہندوستان) میں والدِ گرامی مفتی رضا علی خان رحمہ اللہ تعالیٰ کے پہلو میں ہے۔ ["تذکرۂ علمائے ہند" ۶۱۲- مولوی نقی علی خان بریلوی، صـ۵۳۰، ملتقطاً]

(۱) سراج السالکین سیّد ابو الحسین احمد نوری ابن سیّد ظُہور حسن ابن سیّد آل رسول مارَہروی قدّس اسرارہم ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء کو "مارَہرہ شریف" میں پیدا ہوئے، آپ کے والدِ گرامی سیّد ظُہور حسن آپ کے بچپن میں ہی وفات پاگئے تھے، لہذا آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تعلیم وتربیت کے مراحل اپنے جدِّ امجد اور پیر ومرشد سیّد آلِ رسول مارَہروی رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیرِ نگرانی طے فرمائے، اور ان سے ظاہری وباطنی علوم بھی سیکھے، آپ کا شمار علمائے صوفیاء میں ہوتا ہے، آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی متعدّد عربی اردو تصنیفات ہیں جن میں سے چند یہ ہیں: (۱) "العَسل المصفّى في عقائد أرباب سنّة المصطفى" (۲) "دليل اليقين من كلمات العارفين" (۳) "تحقيق التراويح" (٤) "الجَفر" (٥) "النُجوم" (٦) "سراج العوارف في الوصايا والمعارف" (٧) "النور والبَهاء في أسانيد الحديث وسلاسل الأولياء". [نزهة الخواطر" حرف الألف، ر: ١١، ٨/ ١٧، ملتقطاً. "تذکرۂ نوری" باب ششم، صـ۲۱۶-۲۱۸]

(۲) شیخ احمد زَینی دَحلان مکّی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے زمانے میں شیخ الاسلام اور امام الحرمین تھے، آپ ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۷ء کو مکّہ مکرّمہ کے قریب پیدا ہوئے، اور ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء کو وصال فرمایا، اور

=

(۶) مفتیٔ حنفیہ شیخ عبد الرحمن سراج مکّی[۱]

(۷) شیخ سیّد حسین بن صالح جَمل اللیل مکّی شافعی[۲]

=

جنّت البقیع (مدینہ منوّرہ) میں دفن کیے گئے، عثمانی دَورِ حکومت میں ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء کو مکّہ مکرّمہ میں "مفتیٔ شافعیہ" اور "شیخ العلماء" کا منصب سنبھالا، آپ رحمہ اللہ تعالٰی نے متعدّد کتب تصنیف فرمائیں جن میں سے چند حسبِ ذیل ہیں: (۱) "أسنَى المَطالب في نجاة أبي طالب" (۲) "تاريخ الدُول الإسلامية بالجَداوِل المرضيّة" (۳) "تنبيه الغافلين مختصر منهاج العابدين" (٤) "حاشية على متن السَّمَرقندية" في الآداب (٥) "الدرر السَّنية في الردّ على الوهابية" (٦) "رسالة في فضائل الصّلاة على النّبي ﷺ" (٧) "السِّيرة النّبوية والآثار المحمّدية" (٨) "شرح الآجُرُّومية" (٩) "فتح الجواد المنّان شرح العقيدة المسمّاة بـ"فيض الرّحمن" (١٠) "الفوائد الزَينيّة" في شرح "الألفية" للسُيوطي (١١) "النصر في أحكام صلاة العصر". ["هدية العارفين" ٥/ ١٥٧، ١٥٨. "اعلیٰ حضرت اور علمائے مکّہ مکرّمہ" باب اوّل، عثمانی عہد، ص۱۸، ۱۹، ملخصاً]

(۱) مفتیٔ حنفیہ شیخ عبد الرحمن سراج مکّی رحمہ اللہ تعالٰی کی ولادتِ باسعادت ۱۲۴۹ھ/۱۸۸۳ء کو ہوئی، آپ امام، خطیب، مدرّس اور مکّہ مکرّمہ میں سرکاری سطح پر "مفتیٔ حنفیہ" جیسے جلیل القدر منصب پر فائز رہے، شیخ عبد الرحمن سراج مکّی رحمہ اللہ تعالٰی نے بطور تصنیف اسلامی عقائد واَحکام پر چار ضخیم جلدوں پر مشتمل مجموعۂ فتاوی "ضوء السراج على جواب المحتاج" یادگار چھوڑا، آپ رحمہ اللہ تعالٰی نے ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں وصال فرمایا۔ [انظر: "أعلام الحجاز في القرن الرابع عشر للهجرة" لمحمد علي المغربي، الشيخ عبد الرحمن بن عبد الله سراج، ٣/ ٣٣٩- ٣٧١، ملتقطاً. "اعلیٰ حضرت اور علمائے مکّہ مکرّمہ" باب اوّل، عثمانی عہد، ص۱۹، ملخصاً]

(۲) شیخ سیّد حسین بن صالح جَمل اللیل مکّی شافعی رحمہ اللہ تعالٰی "مکّہ مکرّمہ" میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی، آپ مسجدِ حرام کے امام وخطیب تھے، آپ رحمہ اللہ تعالٰی نے امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالٰی کو اپنے

=

(۸) علّامہ عبد العلی رامپوری [(۱)]

(۹) مرزا غلام قادر بیگ بریلوی [(۲)] قدّست أسرارہم۔

= گھر مدعو فرما کر جمیع عُلومِ اسلامیہ میں اجازت عطا کی، شیخ سیّد حسین بن صالح جَمل اللیل مکّی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال شریف ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء کو مکّہ مکرّمہ میں ہوا، اور "جنّت المعلیٰ" قبرستان میں تدفین ہوئی۔ [مختصر "نشر النَّور والزَّھر" ر: ۱٦۹، ص۱۷۷، ملتقطاً. "اعلیٰ حضرت اور علمائے مکّہ مکرّمہ" باب اوّل، عثمانی عہد، ص۱۹، ملخصاً]

(۱) علّامہ عبد العلی خاں رامپوری بن یوسف خاں رحمۃ اللہ علیہما کی ولادتِ باسعادت "رامپور" (ہندوستان) میں ہوئی، علّامہ فضلِ حق خیر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے، آپ رحمہ اللہ تعالیٰ منطق وفلسفہ اور ریاضی کے مشہور عالم تھے، آپ نے ایک طویل عرصہ تک درس وتدریس کا فریضہ انجام دیا، اور کثیر علماء نے آپ سے علمی استفادہ کیا، امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے "شرح چغمینی" کے چند اَسباق پڑھے، قاضی عبد الحق بن محمد اعظم کابُلی صاحبِ "القول المسلَّم" کا شمار بھی آپ کے مشہور شاگردوں میں ہوتا ہے، علّامہ عبد العلی خاں رامپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "رسالہ قوشجیہ" پر فارسی زبان میں حاشیہ بھی تحریر فرمایا، جو "رامپور" کے "مطبع سرَوَر قیصری" سے شائع ہوا، آپ کا وصال شریف ۱۳۰۳ھ میں ہوا۔ ["نزھة الخواطر" حرف العين، ر: ۲٦۱، ۸/ ۲۸٤، ملتقطاً. "تذکرۂ علمائے اہلِ سنّت" حضرت مولانا عبد العلی خاں رامپوری، ص۱۱۳۔ "تذکرۂ کاملانِ رامپور" مولوی عبد العلی خاں ریاضی داں، ص۲۲۸، ۲۲۹]

(۲) مولانا حکیم مرزا غلام قادر بیگ بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادتِ باسعادت ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۷ء کو "لکھنؤ" کے محلّہ "جھوائی ٹولہ" میں ہوئی، والدِ گرامی نے "لکھنؤ" سے "بریلی" ہجرت فرمائی، آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے "تحریکِ آزادی" میں بھرپور حصّہ لیا، مغلیہ سلاطین کی طرف سے آپ کو "مرزا" اور "بیگ" کے لقب عطا کیے گئے، آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا سلسلۂ نسَب حضرت خواجہ عبید اللہ اَحرار =

ازواج واَولاد

امام احمد رضا کی شادی ۱۲۹۱ھ میں شیخ افضل حسین کی بڑی صاحبزادی (ارشاد بیگم) سے ہوئی، اللہ تعالی نے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کو بیٹوں اور بیٹیوں کی نعمت سے بھی خوب نوازا، صاحبزادوں کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:

(۱) حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خان، (۲) صاحبزادہ شاہ محمود رضا خان[(۱)] (۳) مفتیٔ اعظم شاہ مصطفی رضا خان رحمۃ اللہ علیہم[(۲)]۔

بیعت اور اجازت وخلافت

امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۷ء میں اپنے والدِ ماجد مولانا نقی علی خان رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہمراہ، حضرت شاہ آلِ رسول رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں مارَہرَہ مطہّرہ حاضر ہوئے، اور سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت سے مشرّف ہوکر، اجازت وخلافت سے بھی نوازے گئے[(۳)]۔

=

سے ہوتا ہوا حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے، اسی نسبت سے آپ کے خاندان کو "فاروقی" بھی کہا جاتا ہے، مولانا مرزا غلام قادر بیگ بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک انتہائی قابل، مُشفِق اور مہربان استاد تھے، امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائی درسی کتب "میزان" و "منشعب" وغیرہ انہی سے پڑھیں، آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال شریف ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء میں ہوا۔[دیکھیے: "حیاتِ اعلیٰ حضرت" اساتذہ، ص۵۴۔ "حياة الإمام أحمد رضا" شُيوخه وأساتذته، صـ ۱۷ - ۲۰، ملخصاً]

(۱) انظر: "حياة الإمام أحمد رضا" أولاد الإمام، صـ ۱۱.

(۲) "حیاتِ اعلیٰ حضرت" شادی واَولاد، ص۵۶۔

(۳) ایضاً، مارَہرہ شریف کی حاضری اور بیعت، ص۵۹۔

درس وتدریس

کتبِ درسیہ سے فراغت کے بعد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے درس وتدریس اور اِفتاء وتصنیف کی طرف توجہ فرمائی، اس وقت "بریلی" میں طلبہ وعلماء کے لیے امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہی مَرجع تھی۔

مشاہیر تلامذہ

امام احمد رضا سے اکتسابِ فیض کرنے والے چند مشاہیر تلامذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں: (۱) مولانا حسن رضا خان (برادرِ اعلی حضرت) (۲) مولانا محمد رضا خان (برادرِ اعلی حضرت) (۳) مولانا سیّد احمد اشرف کچھوچھوی (۴) حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان (شہزادۂ اعلی حضرت) (۵) مفتیٔ اعظم محمد مصطفی رضا خان (شہزادۂ اعلی حضرت) (٦) صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی (۷) سلطان الواعظین مولانا عبد الاَحد پیلی بھیتی (صاحبزادہ محدِّث سُورتی) (۸) مولانا سیِّد محمد محدِّث کچھوچھوی (۹) مِلک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری (۱۰) علّامہ برہان الحق جبل پوری (۱۱) مولانا حافظ یقین الدین صاحب (۱۲) مولانا واعظ الدین (مصنّف "دفع زیغ زاغ") (۱۳) مولانا سیّد عبد الرشید عظیم آبادی (۱۴) مولانا حافظ سیّد عبد الکریم (۱۵) مولانا منوّر حسین چاٹگامی (۱٦) مولانا سیّد امیر احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہم[1]۔

---

(۱) "حیاتِ اعلیٰ حضرت" مشاہیر تلامذہ، ص۶۱، ۶۲۔ "خلفائے محدّث بریلوی" عبد الباقی مفتی محمد برہان الحق جبل پوری، تحصیلِ علم توقیت، ص۱۱۲۔

امام احمد رضا سے علمی استفادہ کرنے والے بعض عرب علماء

مجدّدِ اعظم (۱) امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عرب و عجم میں یکساں مقبول تھے، آپ سے جن عرب علماء اور شُیوخ نے استفادہ کیا، اُن میں سے چند کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:

(۱) شیخ عبد الرحمن بن احمد دَھّان مکی (۲) شیخ عبد الرحمن آفندی شامی (۳) شیخ سیّد حسین ابن سیّد عبد القادر طرابُلسی مدنی (۴) محدّث المغرب شیخ محمد عبد الحی کتّانی فاسی (۵) مفتیٔ حنفیہ شیخ صالح بن صدیق بن عبد الرحمن کمال حنفی (۶) مُحافظ کتبِ حرم مکّی شیخ اسماعیل خلیل مکّی حنفی (۷) شیخ عبد القادر کُردی مکّی (۸) شیخ عبد اللہ فرید بن عبد القادر کُردی مکّی (۲) (۹) شیخ سیّد عبد اللہ بن صدقہ زَینی دَحلان مکّی (۱۰) شیخ سیّد حسین بن صدقہ زَینی دَحلان مکّی شافعی (۱۱) شیخ اسعد بن احمد دَھّان مکّی حنفی (۱۲) شیخ سیّد ابراہیم ابن سیّد عبد القادر طرابُلسی مدنی (۱۳) شیخ سیّد ابو حسین محمد بن عبد الرحمن مَرزوقی حنفی (۱۴) شیخ سیّد بکر رفیع مکّی (۱۵) شیخ سیّد مامون بِرّی اَرزنجانی مدنی (۱۶) شیخ

---

(۱) یہ لقب محدّثِ اعظم ہند حضرت علّامہ مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لیے استعمال فرمایا، اور آپ کو "مجدّدِ اعظم" قرار دیا۔ [دیکھیے: ماہنامہ "المیزان" بمبئی، مارچ ۱۹۷۶ء، امام احمد رضا نمبر، امام احمد رضا مجدّدِ اعظم، ص۲۴۱]

(۲) الشیخ عبد الله فرید بن عبد القادر الکُردي، استجاز والدُه من الإمام أحمد رضا في الحدیث والتفسیر والفقه، فأجازه الإمام وابنَه الصالح عبد الله فرید، في الحدیث والتفسیر والفقه والعلوم الکثیرة، وحینما أجاز الإمام أحمد رضا عبدَ الله فرید کان صغیراً، ولکن النجابةَ ظاهرةٌ علیه من صغره، وکان ذکیاً فطِناً، لذلك حفظ متونَ عشرة کتب في صغر سنِّه، والإجازةُ في الصغر معتبرةٌ مقبولةٌ عند العلماء والصّالحین، وأمرُها شائعٌ وذائع. ("تذکرة خلفاء أعلی حضرة" صـ٦٧، ٦٨ تعریباً)

محمد سعید ابن شیخ الدلائل سیّد محمد مغربی (۱۷) محدّث الحرمین شیخ عمر حمدان محرسی مدنی (۱۸) شیخ محمد عابد ابن علّامہ شیخ حسین مکّی مالکی (۱۹) شیخ محمد جمال ابن شیخ محمد امیر ابن شیخ حسین مکّی مالکی (۲۰) شیخ عبداللہ مِرداد ابن علّامہ شیخ احمد ابوالخیر مِرداد مکّی حنفی (۲۱) شیخ حسین عُجیمی مکی ابن شیخ عبدالرحمن مکّی (۲۲) شیخ سیّد سالم بن عَیدرُوس بار علوی حَضرَمی شافعی (۲۳) شیخ سیّد علَوی بن حسَن کاف حَضرمی شافعی (۲۴) سیّد ابوبکر بن سالم بار علَوی مکّی شافعی (۲۵) شیخ محمد یوسف افغانی حنفی (مدرِّس "مدرسہ صَولتیہ") (۲۶) شیخ سیّد محمد عمر ابن سیّد ابوبکر مکی رشیدی (۲۷) شیخ عبدالستار بن عبدالوہّاب صدّیقی حنفی مکّی (۲۸) شیخ احمد بن محمد حضراوی مکّی شافعی (۲۹) شیخ سیّد حسین جمال بن عبدالرحیم (۳۰) شیخ احمد بن عبداللہ بن حسین ناضرین مکّی شافعی (۳۱) شیخ ضیاء الدین مدنی قدّست أسرارہم [1]۔

امام احمد رضا علمائے عرب کی نظر میں

علمائے عرب امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کی تبحُّر علمی کے کس قدر قائل تھے، اس کا اندازہ حسبِ ذیل چند تاثرات سے خوب لگایا جاسکتا ہے:

مفتیٔ حنفیہ شیخ عبداللہ بن عبدالرحمن سراج

(۱) مفتیٔ حنفیہ شیخ عبد اللہ بن عبد الرحمن سراج رحمہ اللہ تعالیٰ (مکّہ مکرّمہ) نے امام احمد رضا کے علمی مقام کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ "بے شک وہ (امام احمد رضا) علمائے اَعلام کے بادشاہ ہیں" [2]۔

---

(۱) انظر: "حیاۃ الإمام أحمد رضا" بعض الآخِذین عنه من العلماء العرب، صـ۲۳- ۳۷، ملتقطاً.

(۲) انظر: "الدَولة المكّيّة بالمادة الغَيْبِية" جلائل التقريظات، تقريظ: ۳، صـ۲۷٦.
و"حياة الإمام أحمد رضا" ۷- حرّر الشيخ عبد الله بن عبد الرحمن سراج
=

مفتیٔ مالکیہ شیخ عابد حسین

(۲) مفتیٔ مالکیہ شیخ عابد حسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فقہی آراء کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت امام کو "علمائے مشاہیر کا سردار"، "معزّز فاضلوں کا سرمایۂ افتخار"، "صاحبِ عدل"، "صاحبِ اِحسان" اور "عالم باعمل" جیسے اَلقاب سے یاد کیا[1]۔

شیخ احمد ابوالخیر بن عبد اللہ مِرداد

(۳) شیخ الخطباء احمد ابوالخیر بن عبد اللہ مِرداد رحمہ اللہ تعالیٰ (مکّہ مکرّمہ) فرماتے ہیں کہ "بے شک علّامۂ فاضل (امام احمد رضا) اپنے دیدۂ حق سے علمی مشکلوں اور دُشواریوں کو حل کرتے ہیں، ان کے کلام کے موتی اُن کے جواہر سے مطابقت رکھتے ہیں، وہ باریکیوں کا خزانہ، محفوظ گنجینوں سے چُنے ہوئے، اور معرفت کا آفتاب ہیں، جو ٹھیک دوپہر کو چمکتا ہے، جو اُن کے علم وفضل پر آگاہ ہوا اُسے سزاوار ہے کہ کہے: "اگلے لوگ پچھلوں کے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے!" اور اللہ تعالی پر یہ کچھ مشکل نہیں کہ ایک شخصیت میں ساری دنیا جمع فرمادے!"[2]۔

شیخ عبد الرحمن دَہّان

(۴) شیخ عبد الرحمن دَہّان رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کے علمی مقام ومرتبہ کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں "زُبدۃ الفضلاء الراسخین"، "علّامۃ الزمان" اور

=
مفتي الحنفية بمكّة المحميّة، صـ۷۰.

(۱) "حُسام الحرمين على منحر الكفر والمَين" تقريظات، تقريظ ۹، صـ۷۸.

(۲) المرجع نفسه، تقريظ ۲، صـ۵٦.

"یکتائے زمانہ" جیسے اَلقاب سے یاد کرکے، اُمّتِ مسلمہ کو ان کے علمی مقام ومرتبہ سے آگاہ کیا[۱]۔

شیخ محمد مختار بن عطارد جاوی شافعی

(۵) شیخ محمد مختار بن عطارد جاوی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا کی فقہی خدمات کے پیشِ نظر انہیں "علمائے محققین کا سلطان" اور "خاتمۃ المحققین" کے اَلقاب سے یاد کرکے اپنی عقیدت کا اِظہار کیا، اور حضرت امام کی فقہی بصیرت کا اعتراف کیا[۲]۔

شیخ احمد الجزائری ابن سیّد احمد مدنی

(۶) شیخ احمد الجزائری ابن سیّد احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ (مدینہ منوّرہ) جب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علمی مقام ومرتبہ سے آگاہ ہوئے، تو حضرت امام کو مختلف اَلقاب سے یاد کرتے ہوئے فرمایا: "علّامۂ زماں، یکتائے روزگار، سرچشمۂ معرفت، سردارِ عدنان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منظورِ نظر، حضرت مولانا شیخ احمد رضا! اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے، آمین!"[۳]۔

شیخ محمد تاج الدین بن محمد بدر الدین دِمشقی حسنی

(۷) شیخ محمد تاج الدین بن محمد بدر الدین دِمشقی حسنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فقہی علمی مقام ومرتبہ کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ "امام احمد رضا بڑے صاحبِ فضل اور اپنے ہم منصبوں میں بہترین اور قدر ومنزلت والے ہیں"[۴]۔

---

(۱) انظر: "الدَولة المكيّة بالمادّة الغَيبيّة" حياة الإمام أحمد رضا، ١٦- قال مولانا الشيخ عبد الرحمن الدهّان، صـ٨٠.

(۲) المرجع نفسه، ١٩- الشيخ محمد مختار بن عطارد الجاوي، صـ٨١.

(۳) المرجع السابق، جلائل التقريظات، تقريظ ٢٠، صـ٣٠٦، ملخّصاً.

(٤) المرجع السابق، تقريظ: ٦٢، صـ٤٠٠، ملخصاً.

شیخ سیّد حسین ابن سیّد عبد القادر طرابلُسی

(۸) شیخ سیّد حسین ابن سیّد عبد القادر طرابلُسی رحمۃ اللہ تعالیٰ (مدینہ منوّرہ) امام احمد رضا سے اظہارِ عقیدت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالی نے اپنے اس حقیر بندے پر یہ اِحسان فرمایا، کہ میں اُن کے آستانہ سے شرفیاب ہوا، جو علاّمۂ کامل، فہّامۂ شہیر، حامئ ملّتِ محمدیّہ طاہرہ، رَواں صدی کے مُجدِّد، سیّدی واُستادی حضرت مولانا احمد رضاخان ہیں"[۱]۔

شیخ سیّد علَوی ابن سیّد احمد بافقِیہ حسینی عَلوی

(۹) شیخ سیّد عَلوی ابن سیّد احمد بافقِیہ حسینی عَلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ (مدینہ منوّرہ) نے امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو مختلف اَلقاب سے یاد کرتے ہوئے فرمایا: "تمام فاضلوں سے افضل، عاقلوں سے زیادہ دانشمند، فخر السلَف، قُدوۃ الخلَف حضرت مولانا احمد رضاخاں بریلوی، اللہ تعالی اپنے پوشیدہ لُطف ومہربانی سے ان کے ساتھ مُعاملہ فرمائے!"[۲]۔

علاّمہ یوسف بن اسماعیل نبہانی

(۱۰) علاّمہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ (بیروت) نے "الدَوْلۃ المکیہ" کے مطالعہ کے بعد، امام احمد رضا کے بارے میں اپنے گراں قدر وقیع تاثر کا اِظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ "میں نے اس "الدَولة المكّية" کا شروع سے آخر تک مطالعہ

---

(۱) "الدَولة المكيّة بالمادّة الغَيبيّة" جلائل التقريظات، تقريظ ٢٣، صـ٣٠٩.
"حياة الإمام أحمد رضا" ٩- حِبر السيِّد حسين ابن العلاّمة السيِّد عبد القادر الطرابلُسي، صـ٧١.

(٢) "الدَولة المكيّة بالمادة الغَيبيّة" جلائل التقريظات، تقريظ ٢٥، صـ٣١٣.

کیا، اور اس کتاب کو نہایت مفید ونفع بخش پایا، اس کی دلیلیں بڑی قوی ہیں، جو ایک علّامۂ کبیر اور امامِ اکبر ہی سے ظاہر ہو سکتی ہیں! اللہ تعالی اس رسالہ کے مصنّف سے راضی رہے، اور اُسے اپنی عنایتوں سے راضی کردے!"[۱]۔

شیخ محمد امین سَفرجلانی

(۱۱) شیخ محمد امین سفرجلانی رحمہ اللہ نے امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالی علیہ کی علمِ غیب پر شہرۂ آفاق تصنیف "الدَوْلة المكّية بالمادّة الغَيبيّة" کا مطالعہ فرمایا، تو اس پر تقریظ قلم بند کرتے ہوئے لکھا کہ "میں نے اس اہم کتاب کا مطالعہ کیا، یہ اہلِ ایمان کے عقائد کا خلاصہ ہے، اور اہلِ سنّت وجماعت کے مذہب کی مؤیِّد ہے، رسالہ مذکورہ مؤلّف علّامہ، مُرشِد فہّامہ شیخ احمد رضا کی عظمتِ شان پر گواہی دے رہا ہے، اللہ تعالی آخرت میں حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے جھنڈے تلے اُن کو اور ہمیں جمع فرمائے، آمین!"[۲]۔

شیخ یاسین احمد خیاری

(۱۲) شیخ یاسین احمد خیاری رحمہ اللہ نے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالی علیہ کے علم وفضل کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت امام کو "امام المحدّثین"، "وحیدُ الزماں" اور "مولانا الکامل" جیسے بہترین اَلقاب سے یاد کیا"[۳]۔

---

(۱) انظر: "الدَولة المكّيّة بالمادة الغَيْبية" جلائل التقريظات، تقريظ ٤٤، صـ٣٦٠. و"حياة الإمام أحمد رضا" ١٣- خطّ العلّامة الشيخ يوسف بن إسماعيل النَبهاني، صـ٧٣.

(۲) "الدَولة المكّيّة بالمادة الغَيْبية" جلائل البركات، تقريظ ٧٠، صـ٤١٧، ٤١٨، ملخصاً.

(۳) المرجع نفسه، حياة الإمام أحمد رضا، ١٢- كتب الشيخ العلوم والطريقة الشيخ ياسين أحمد الخياري، صـ٧٨.

شیخ مصطفی آفندی حنبلی دِمشقی

(۱۳) شیخ مصطفی آفندی حنبلی دِمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اس امّت میں علّامہ (امام احمد رضا) جیسے فرد کا پایا جانا، اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے، جس پر ہم اُس کی حمد بجالاتے ہیں!"[۱]۔

قطبِ مدینہ شیخ ضیاء الدین احمد قادری مدنی

(۱۴) قطبِ مدینہ شیخ ضیاء الدین احمد قادری مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ (مدینہ منوّرہ) فرماتے ہیں کہ "امام احمد رضا قادری برکاتی اس صدی کے مجدِّدِ برحق، حقیقی معنی میں اسلام کے سُتون اور مُحافظ تھے"[۲]۔

مفتیٔ مالکیہ شیخ سیّد علوی عباس مالکی

(۱۵) مفتیٔ مالکیہ شیخ سیّد عَلوی عباس مالکی (مکّہ مکرّمہ) فرماتے ہیں کہ "ہندوستان کا جب کوئی عالم ہم سے ملتا ہے، تو ہم اُس سے مولانا شیخ احمد رضا خان ہندی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں پوچھتے ہیں، اگر وہ تعریف کرے تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ یہ سُنّی ہے، اور اگر وہ مذمّت کرے تو ہمیں یقین ہوجاتا ہے کہ یہ شخص گمراہ اور بدعتی ہے، ہمارے نزدیک یہی کسوٹی ہے!"[۳]۔

---

(۱) المرجع السابق، مجموعة تقريظات علماء دِمشق ...إلخ، تقريظ ٦٥، صـ٤١٠، ملخّصاً.

(۲) المرجع السابق، حياة الإمام أحمد رضا، ١٧- قال الشيخ ضياء الدين المهاجر المدني، صـ٨٠.

(۳) "معمولات الأبرار" مولانا محمد بن العربي الجزائری، ص۱۸۷۔

شیخ موسیٰ بن علی شامی ازہری

(١٦) شیخ موسیٰ بن علی شامی ازہری نے امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تبحرِ علمی کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت کو "امام الائمہ" اور "مجدِّد" قرار دیا[1]۔

زیارتِ حرمین شریفین اور حج کی سعادت

امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ دو ۲ بار زیارتِ حرمین شریفین اور حج کی سعادت سے مشرَّف ہوئے، پہلی بار ۱۲۹۵ھ میں اپنے والدِ گرامی مفتی نقی علی خان رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ حاضر ہوئے، اس سفر میں مفتیٔ شافعیہ سیّد احمد زَینی دَحلان اور مفتیٔ حنفیہ شیخ عبد الرحمن سراج رحمۃ اللہ علیہما سے سندِ حدیث وفقہ وتفسیر وغیرہا حاصل کی۔

امام احمد رضا نے ایک دن نمازِ مغرب "مقامِ ابراہیم" میں ادا کی، بعد نماز مفتیٔ شافعیہ شیخ حسین بن صالح جمال اللیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسی سابقہ تعارُف کے بغیر امام احمد رضا کا ہاتھ پکڑا، اور آپ کو اپنے دَولت کدہ تشریف لے گئے، اور دیر تک امام احمد رضا کی پیشانی پکڑ کر فرماتے رہے: "إنّي لأجدُ نورَ الله في هذا الجبين" "بے شک میں اللہ کا نور اس پیشانی میں پاتا ہوں" اس کے بعد صحاحِ ستّہ اور سلسلۂ قادریہ کی اجازت اپنے دستِ مبارک سے لکھ کر عنایت فرمائی[2]۔

دوسری بار ۱۳۲۳ھ میں حجِ بیت اللہ کے لیے حاضر ہوئے، توجاگتی آنکھوں سے بالمشافہ زیارتِ نبیٔ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آرزو لیے، روضۂ اَطہر کے سامنے دیر تک صلاۃ

---

(١) انظر: "الدَولة المكيّة بالمادّة الغَيبيّة" حياة الإمام أحمد رضا، ١١- قال العلاّمة موسى بن علي الشامي الأزهري الأحمدي، صـ٧٧.

(٢) دیکھیے: "حیاتِ اعلیٰ حضرت" حصّہ اوّل، حج وزیارت (اوّل) ص۶۶، ملخصاً۔

وسلام پیش کرتے رہے، مگر پہلی رات قسمت میں یہ سعادت نہیں تھی، اس موقع پر ایک نعتیہ غزل لکھی، جس کے مَطلع میں دامنِ رحمت سے وابستگی کی اُمید یوں بیان کی: ؏

وہ سُوئے لالہ زار پھرتے ہیں

تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں[۱]

لیکن مقطع میں مذکورہ واقعہ کی یاس انگیز کیفیت کے پیشِ نظر اپنی بے مائیگی کا نقشہ یوں کھینچا: ؏

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضاؔ

تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں[۲]

یہ غزل عرض کر کے دیدار کے انتظار میں باادب حاضر تھے، کہ قسمت جاگ اٹھی اور چشمانِ سر سے حالتِ بیداری میں زیارتِ حضورِ اقدس ﷺ سے مشرَّف ہوئے[۳] ذلك فضلُ الله يؤتيه مَن يشاء!۔

مُعاصِر علماء اور رُفقاء

مجدّدِ اعظم امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مُعاصِر علماء اور رُفقَاء میں علمی اعتبار سے بہت بڑے بڑے نام ہیں، جن میں سے چند اکابرین کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں:

(۱) شیر بیشۂ اہلِ سنّت مولانا ہدایت الرسول لکھنوی (۲) محدّث سُورتی شاہ

---

(۱) "حدائقِ بخشش" "وہ سُوئے لالہ زار پھرتے ہیں، حصّہ اوّل، ص۹۹۔

(۲) ایضًا۔

(۳) "حیاتِ اعلیٰ حضرت" حصّہ اوّل، بیداری میں زیارتِ نبوی، ص۶۸۔

وصی احمد پیلی بھیتی (۳) مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری (۴) مولانا شاہ ظُہور الحسین رامپوری (۵) مولانا سیّد احمد اشرف کچھوچھوی (۶) مولانا عبید اللہ کانپوری (۷) مولانا رحیم بخش بہاری (۸) مولانا سیّد محمد فاخر اجملی الہ آبادی (۹) مولانا مشتاق احمد کانپوری (۱۰) مولانا سیّد دیدار علی شاہ اَلوَری (۱۱) مولانا سیّد شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی (۱۲) مولانا شاہ احمد مختار صدیقی میرٹھی (۱۳) مولانا سیّد سلیمان اشرف بہاری (۱۴) مولانا شاہ حبیب اللہ میرٹھی (۱۵) مولانا شاہ عبد السلام جبلپوری رحمۃ اللہ علیہم (۱)۔

خلفائے امام احمد رضا

عرب وعجم میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سو ۱۰۰ سے زائد خلفاء نے پاک وہند سمیت، دنیا بھر میں علوم وفنون کی ترویج واِشاعت اور مُعاشرے کی ظاہری وباطنی اِصلاح کا فریضہ انجام دینے میں بڑا اہم کردار ادا کیا، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعدّد خُلفاء میں سے چند مشاہیر کے اسمائے گرامی (۲) حسبِ ذیل ہیں:

(۱) استادِ زَمَن مولانا حسن رضا خان (۲) حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خان (۳) مفتیٔ اعظم محمد مصطفی رضا خان (۴) مَرجع الفقہاء والمحدثین سیّد دیدار علی شاہ اَلوَری (۵) سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری (۶) صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی (۷) صدر الافاضل علّامہ سیّد نعیم الدین مرادآبادی (۸) مبلغِ اسلام شاہ محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی (۹) قطبِ مدینہ شیخ ضیاء الدین مہاجر مدنی (۱۰) شیخ عبدالحی

---

(۱) ایضاً، محبت وعزّتِ علماء، ۱۱۰۔

(۲) امام اہل سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعض خلفاء کو سیّدی اعلی حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے خلافت کے ساتھ ساتھ شرف تلمذ بھی حاصل ہے، لہذا اتلامذہ اور خلفاء کی فہرست میں بعض مشاہیر علماء کے اسمائے گرامی مکرّر ذکر ہوئے ہیں۔

کتّانی فاسی (۱۱) محدّثِ اعظم ہند سیّد محمد محدّث کچھوچھوی (۱۲) ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری (۱۳) مولانا محمد جمیل الرحمن خان قادری (۱۴) فقیہِ اعظم مولانا محمد شریف کوٹلوی (۱۵) امام العلماء حضرت امام الدین کوٹلوی (۱۶) مولانا برہان الحق جبلپوری (۱۷) مفتی غلام جان ہزاروی (۱۸) مفتی تقدّس علی خان رحمۃ اللہ علیہم(۱)۔

امام احمد رضا کا تبحرِ علمی

امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ قرآن، حدیث اور فقہِ اسلامی سمیت جملہ علومِ مُتداولہ پر کامل دسترس رکھتے ہیں، فلسفہ وسائنس، ریاضی وجغرافیہ، علمِ توقیت وجَفر، اور بلاغت ومنطق وغیرہ موضوعات پر، آپ کی شاندار اور ناقابلِ تردید دلائل سے مزیّن تصنیفات، اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں!۔

اگر علمِ عقیدہ میں امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کی مہارت دیکھنی ہو تو "المعتمَد المستند بناء نجاة الأبد"، "تمہیدِ ایمان بآیاتِ قرآن" اور "أنوار المنّان في توحيد القرآن" جیسے مدلل رسائل مطالعہ فرمائیے۔ اگر علومِ قرآن اور تفسیر میں مہارت دیکھنی ہو تو "إنباء الحَي أنّ كلامَه المصُونَ تبيانٌ لكلِّ شيء" کا مطالعہ کیجیے۔ اگر علمِ حدیث اور اُصولِ حدیث میں مہارت دیکھنی ہو تو "منير العَين في حكم تقبيل الإبهامَين"، "حاجز البحرَين الواقي عن جمع الصلاتين" اور "شمائم العنبر في أدب النداء أمامَ المنبر" دیکھیں۔ اگر علمِ فقہ میں حضرت امام کی مہارت دیکھنی ہو تو پورے کا پورا "فتاوی رضویہ" اس پر شاہدِ عدل ہے۔ اگر علمِ فلسفہ وسائنس پر

---

(۱) "خلفائے محدّث بریلوی" ص۵۴- ۱۴۳، ملتقطاً۔ "خلفائے امام احمد رضا" ص۱۸- ۱۲۸، ملتقطاً۔ ملتقطاً۔ "تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت" ص۹- ۱۸، ملتقطاً۔

دسترس دیکھنی ہو تو "معینِ مبین بہر دَورِ شمس وسُکونِ زمین"، "فوزِ مبین دَر ردِ حرکتِ زمین"، "الکلمة الملهَمة في الحکمة المحکمة لوھاء فلسفة المشئمة"، اور "الکشف شافیا حکم فُونُو جرافیا" کی ورق گردانی کریں۔ اگر علمِ ہیئت کی بات کریں تو "کشف العِلّة عن سَمت القِبلة" جیسی بہترین کتب حضرت امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نتیجۂ فکر پر دلالت کرتی نظر آتی ہیں۔

اسی طرح علمِ توقیت میں امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجتہدانہ صلاحیت کی بات کریں، تو اس کا اندازہ اس بات سے خوب لگایا جاسکتا ہے، کہ جس وقت حضرت امام نے اس فن کے قواعد اپنے شاگردوں کو اِملاء کروائے، اُس وقت اس فن پر سِرے سے کوئی کتاب مَوجود ہی نہیں تھی، امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے اجتہاد سے خود ہی اس فن کے قواعد وضع کرکے اپنے شاگردوں کو اِملاء کرائے۔ حضرت امام کے شاگرد ملک العلماء علّامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی علمِ توقیت سے متعلق مشہور کتاب "الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت" المعروف بہ "توضیح التوقیت" امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کے وضع کیے گئے انہی قواعد کا مجموعہ ہے[1]۔

اگر فنِ شعر میں امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کی مہارت کو زیرِ بحث لائیں، تو یہ اَمر منکشف ہوتا ہے کہ حضرت امام اردو کے بہترین ادیب اور شاعر ہیں، بلکہ آپ کا ہم پلّہ شاعر اردو دنیا میں دُور دُور تک کوئی نظر نہیں آتا، اگر ہے تو ثابت کیا جائے! اور ظاہر ہے کہ ثابت کرنے کے لیے دونوں کی شاعری میں مُوازنہ ومُقارنہ کرنا ہوگا،

---

(۱) دیکھیے: "حیاتِ اعلیٰ حضرت" حصہ دُوم ۲، ہیئت وتوقیت وغیرہ میں کمال، ص۱۴۲، ۱۴۳۔

صرف زبانی دعویٰ کفایت نہیں کرے گا! اور مُوازنہ و مُقارَنہ بھی وہ کرے جو خود بھی ادب اور صنف شعر سخن میں یدِ طُولیٰ رکھتا ہو!۔

جہاں تک امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مشہور و معروف نعتیہ دیوان "حدائقِ بخشش" کی بات ہے، تو یہ نعتیہ دیوان کوئی عام شعری مجموعہ نہیں، اس مجموعہ میں سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اردو زبان کی اصطلاحات اور اِستعارات کا جس خوبی اور احسن اُسلوب سے استعمال فرمایا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، لہٰذا ضرورت اس اَمر کی ہے کہ "حدائقِ بخشش" کا اردو تاریخ کے تمام بہترین دواوین اور شعری مجموعوں سے تقابُل و مُوازنہ کیا جائے، اور اس میں "حدائقِ بخشش" کی ادبی خوبیوں کو اُجاگر کیا جائے، بلکہ اگر کوئی صاحبِ تحقیق اُردو ادب پر پی ایچ ڈی (Ph.D) کرنا چاہتے ہوں، تو یہ اُن کے لیے ایک بہترین تحقیقی اور اَچھوتا موضوع ہو گا۔

علاوہ ازیں امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علمِ عقائد، علمِ قرآن، علمِ تجوید، تفسیر، اُصولِ تفسیر، حدیث، اُصولِ حدیث، تخریجِ احادیث، اسماء الرجال، جَرح و تعدیل، فقہ، اُصولِ فقہ، علمِ فرائض، مُناظرہ، علمِ تاریخ، تصوُف، اور علمِ اَخلاق جیسے علومِ اسلامیہ کے امام تو تھے ہی، ساتھ ہی ساتھ فلسفہ (Philosophy)، سائنس (Science)، طبیعیّات (Physics)، مابعد طبیعیّات (Metaphysics)، عمرانیات (Sociology)، اَرضیات (Geology)، مَعدنیات (Mineralogy)، صَوتیات (Phonology)، مَوسمیات (Meteorology)، شہریات (Civics)، لوگارتھم (Logarithm)، جغرافیہ (Geography)، ریاضی (Mathematics)، ہَندسہ (Geometry)، الجبرا (Algebra)، سیاسیات (Political Science)، علمِ اقتصادیات

(Economics)، نُجوم(Astrology)، ہیئت(Astronomy)، توقیت(Time Keeping)، علمِ تکسیر (Fractional Numeral Maths)، جَفر (Numerology Cum Literology)، علمِ زِیجات (Astronomical Tables)، عملیات (Practicalism)، منطق (Logic)، حاشیہ نگاری (Citation)، نثر نگاری (Composition)، شاعری (Poetry)، اور علمِ لُغت (Dictionary) جیسے متعدّد علومِ نقلیہ پر بھی یکساں مہارت، عُبور اور سینکڑوں تصنیفات رکھتے ہیں، لہٰذا اس بات میں کوئی شک وشُبہ نہیں کہ مذکورہ بالا علومِ عقلیہ ونقلیہ میں، امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسی یکساں جامعیت، مہارت اور دسترس رکھنے والی شخصیت، گزشتہ کئی صدیوں میں نظر نہیں آتی!۔

بالخصوص فقہ واُصولِ فقہ میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبقریت، جَودتِ فکر اور فقہی مہارت تو اپنی مثال آپ ہے! مشرق سے مغرب تک تمام بلادِ عرب وعجم میں امام احمد رضا خان کے تبحُّرِ علمی کا ڈنکا تقریبًا سَو سال سے بجتا چلا آرہا ہے! قرآن وحدیث، فقہی اُصول وضوابط، اور قواعد وجزئیات پر فقیہِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی گہری نظر ہے، صرف یہی نہیں بلکہ اپنے زمانے میں سیّدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سارے عالَم کے لیے مَرجعِ فتاوی بھی رہے، لہٰذا ہندوستان کے ساتھ ساتھ افغانستان، برما، چین، حجازِ مقدّس، امریکہ اور افریقی ممالک وغیرہا سے بھی ہزاروں تشنگانِ علم، شرعی مسائل میں رَہنمائی کے لیے امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف رجوع کرتے، اور آپ کی تحقیق کو قولِ فیصل اور حرفِ آخر جانا مانا کرتے!۔

اسی اَمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صدر الاَفاضل علّامہ سیّد نعیم الدین مُرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ "علمِ فقہ میں جو تبحُّر و کمال حضرت مَمدوح (امام احمد رضا) کو حاصل تھا، اس کو عرب و عجم اور مَشارِق و مَغارب کے علماء نے گردنیں جھکا کر تسلیم کیا، تفصیل تو اُن کے فتاوی دیکھنے پر موقوف ہے، مگر اِجمال کے ساتھ دو لفظوں میں یوں سمجھیے، کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک مفتی تھا، جس کی طرف تمام عالَمِ اسلام کے حوادث و وقائع استفتاء کے لیے رُجوع کیے جاتے تھے، ایک قلم تھا جو دنیا بھر کو فقہ کے فیصلے دے رہا تھا، وہی تمام بد مذہبوں کے جواب میں لکھتا تھا، اہلِ باطل کی تصانیف کا بالغ ردّ بھی کرتا تھا، اور زمانہ بھر کے سوالوں کے جواب بھی دیتا تھا، حتیٰ کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ فقہ میں ان کی نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھی!"[1] ع

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سِوا تم ہو!

قسیمِ جامِ عرفاں اے شہ احمد رضا تم ہو!

امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ کی وفات کو سَو ۱۰۰ سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوُجود، امّتِ مسلمہ آج بھی اُن کے فیوض، برکات اور علوم سے مستفید ہو رہی ہے، اور یہ سلسلہ روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے! یہی وجہ ہے کہ سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قدآوَر علمی شخصیت اور دینی خدمات پر، اب تک دنیا بھر کے تقریبًا دو ۲ درجن سے زائد لوگ ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں، اور کئی حضرات آج بھی مختلف یونیورسٹیز (Universities) میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ پر ایم فِل (M.PHIL) اور پی، ایچ، ڈی

(۱) "اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام" پیش لفظ، فقاہت، ۱۱۔

(P.H.D) کررہے ہیں۔ برصغیر پاک وہند میں چند دہائیوں میں شاید ہی کسی شخصیت پر، اس کثرت سے تحقیقی کام ہوا ہو! لیکن اگر امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہمہ جہت شخصیت اور دینی خدمات کو پیشِ نظر رکھا جائے، تو یہ سارا تحقیقی کام اُس کا عشرِ عشیر بھی دکھائی نہیں دیتا۔

مختلف عُلوم وفنون میں تصنیفات

اللہ تعالی نے امام احمد رضا کو متعدّد عُلومِ جلیلہ سے نوازا، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کم وبیش پچاس ۵۰ عُلوم میں قلمی خدمات انجام دیں، بلکہ ان علوم میں قابلِ قدر کُتب تصنیف فرمائیں، جن میں سے چند کے نام حسبِ ذیل ہیں:

علمِ عقائد وکلام

علمِ عقائد وکلام میں سیّدی اعلی حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی متعدّد تصنیفات ہیں، جن میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

(۱) المعتمَد المستند بناء نجاة الأبد، (۲) اعتقاد الأحباب في الجميل المصطفى والآل والأصحاب، (۳) باب العقائد والكلام، (۴) "تمہیدِ ایمان بآیاتِ قرآن"، (۵) أمورِ عشرين دَر عقائدِ سُنّيين، (٦) الأمْنُ والعُلى لناعتِي المصطفى بدافع البلاء، (۷) منية اللَّبيب أنّ التشريعَ بيد الحبيب، (۸) بريق المنار بشُموع المزار، (۹) حياة الموات في بيان سماع الأموات، (۱۰) إتيانُ الأرواح لِديارهم بعد الرَّوَاح، (۱۱) برَكات الإمداد لأهل الاستمداد، (۱۲) بدر الأنوار في آداب الآثار، (۱۳) شِفاء الوالِه في صُوَر الحبيب ومَزاره ونِعاله، (۱٤) القول النجيح لإحقاق الحقّ الصريح، مع الحاشية: السَّعي المشكور في إبداء

الحقّ المهجور، (١٥) ثلج الصّدر لإيمان القدَر، (١٦) التحبير بباب التدبير، (١٧) الهداية المباركة في خلق الملائكة، (١٨) أنوار الانتباه في حلِّ نداء "يارسول الله"، (١٩) إسماع الأربعين في شفاعة سيِّد المحبوبين، (٢٠) مُنبِّهُ المُنيَة بوصول الحبيب إلى العَرش والرُّؤية، (٢١) شرح المَطالب في مَبحث أبي طالب، (٢٢) الصمصام على مشكِّكٍ في آية علوم الأرحام، (٢٣) فتاوى كراماتِ غَوثية، (٢٤) إزاحة العَيب بسَيف الغَيب، (٢٥) خالص الاعتقاد (مع تمهيد رَمَاحُ القَهّار على كفر الكفّار، (٢٦) إنباء المصطفى بحال سرٍّ وأخفى، (٢٧) ماحية العَيب بعلم الغَيب، (٢٨) شُمول الإسلام لأصول الرّسول الكِرام، (٢٩) صِلات الصَّفا في نور المصطفى، (٣٠) نفيُ الفَيء عمَّن بنوره أنارَ كلَّ شيء، (٣١) قمر التمام في نفي الظلِّ عن سيّد الأنام، (٣٢) هُدَى الحيران في نفي الفَيء عن سيِّد الأكوان، (٣٣) فقهُ شَهَنشَاهْ وأنّ القلوبَ بيد المحبوب بعطاء الله، (٣٤) تنزيهُ المكانة الحَيدريّة عن وصمة عهد الجاهلية، (٣٥) المبين ختم النبيّين، (٣٦) السُّوء والعِقاب على المسيح الكذّاب، (٣٧) قهر الدَّيّان على مُرتَد بقاديان، (٣٨) الجراز الدياني على المرتد القادياني، (٣٩) جزاءُ الله عدوَه بإبائه ختمَ النبوّة، (٤٠) ردُّ الرَّفَضة، (٤١) الأدلّة الطاعِنة في آذان المَلاعِنة، (٤٢) غاية التحقيق في إمامة العلي والصّديق، (٤٣) مَطلع القمَرَين في إبانة سبقَة العُمَرَين، (٤٤) الزُّلال الأنقى من بحر سبقَة الأتقين، (٤٥) الفرق

الوجيز بين السنّي العزيز والوهابي الرَّجيز، (٤٦) الكوكبة الشِهابية في كفريات أبي الوهابية، (٤٧) سَلّ السُّيوف الهنديّة على كفريات بابا النجديّة، (٤٨) سبحان السُّبوح عن عيب كذب مقبوح، (٤٩) داماں باغ سبحان السُّبوح، (٥٠) القَمع المبين لآمال المكذِّبين، (٥١) قَوارع القهّار على المجسِّمة الفُجّار، (٥٢) أطائب الصيب على أرض الطيب، (٥٣) النيّر الشِّبهابي على تدليس الوهابي، (٥٤) السَّهم الشِّهابي على خِداع الوهابي، (٥٥) حَجْب العوار عن مخدوم بهار، (٥٦) حُسام الحرمَين على منحر الكفر والمَين، (٥٧) فتاوى الحرمَين برَجفِ ندوة المين، (٥٨) الجبَل الثانوي على كُلية التهانوي، (٥٩) دفع زيغ زاغ، (٦٠) نطق الهلال بأرخ ولاد الحبيب والوصال، (٦١) إقامة القيامة على طاعِن القيام لنبي تهامة، (٦٢) الدّلائل القاهرة على الكفَرة النَياشِرة[1].

علومِ قرآن

علومِ قرآن میں حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کی چند تصنیفات یہ ہیں:

(١) نِعم الزاد لِرَوْمِ الضّاد، (٢) إلجام الصّاد عن سُنن الضّاد، (٣) الصَّمْصَامُ على مشكِّكٍ في آية علوم الأرحام، (٤) الزُّلال الأنقَى مِن بَحر سَبْقَة الأتقى[2].

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" اِجمالی فہرست فتاوی رضویہ جملہ مجلّدات، ۱/ ۲۰- ۲۴، ملتقطاً۔ "حیاتِ اعلیٰ حضرت" حصہ دُوم ۲، تصنیفات باعتبارِ فن، علم عقائد، ص۳۰۷، ۳۰۸۔

(۲) "حیاتِ اعلی حضرت" حصّہ دُوم ۲، تصانیف، ص۲۷۴- ۳۰۴، ملتقطاً۔

علومِ حدیث

علمِ حدیث اور اُصولِ حدیث پر محدِّث بریلي[1] امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی چند مشہور تصنیفات حسبِ ذیل ہیں:

(۱) إنباء الحَي أنّ كلامَه المصُونَ تبيانٌ لكلِّ شيء، (۲) "حاجز البحرَين الواقي عن جمع الصّلاتَين، (۳) شمائم العنبر في أدب النّداء أمامَ المنبر، (٤) منير العين في حكم تقبيل الإبهامَين، (٥) الهاد الكاف في حكم الضِعاف (رسالة ضمنية في رسالة "منير العين")، (٦) النُّجوم الثواقب في تخريج أحاديث الكَواكب [أي: الكواكب الزهر في فضائل العلم وآداب العلماء: لوالده الإمام المفتي نقي علي خانْ]، (۷) الفضل الموهبي في معنى: إذا صحّ الحديثُ فهو مذهبي[2].

علاوہ ازیں امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "فتاوی رضویہ" اور دیگر کتب میں جن احادیث سے استدلال کیا، اُن کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کی علمِ حدیث میں مہارت کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے "جامع الاحادیث" کا مطالعہ کیجیے، جس میں استاذ العلماء علّامہ محمد حنیف خاں رضوی –اطال اللہ عمرہ– نے امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مختلف کتابوں سے، ساڑھے تین ہزار سے زیادہ احادیثِ مبارکہ یکجا فرمائی ہیں۔

---

(۱) ماہرِ رضویات ڈاکٹر مسعود احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے "محدِّث بریلوی" کے نام سے امام احمد رضا کی حیات وخدمات پر ایک کتاب لکھی، جس کے بعد اہلِ علم نے امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کے لیے "محدِث بریلوی" اور "محدث بریلي" کا لقب بھی استعمال کیا۔

(۲) "فتاوی رضویہ" اجمالی فہرست فتاوی رضویہ جملہ مجلّدات، ۱/ ۱۱- ۲۴، ملتقطاً۔ "حیاتِ اعلی حضرت" حصّہ دُوم ۲، علمِ اُصولِ حدیث، علمِ حدیث، ۳۱۰ء ۳۱۱، ملتقطاً۔

علمِ فقہ

علمِ فقہ میں مجدِّدِ اعظم امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یدِ طُولیٰ حاصل ہے، اس فن میں حضرت امام کی سینکڑوں تصنیفات ہیں، جن میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

(١) أجلى الإعلام أنّ الفتوى مطلقاً على قول الإمام، (٢) جليُّ النَص في أماكِن الرُّخص، (٣) الجودُ والحُلو في أركان الوضوء (٤) تنوير القنديل في أوصاف المنديل (٥) لمع الأحكام أن لا وضوءَ من الزُّكام (٦) الطِراز المعلم فيما هو حدَثَ من أحوال الدَّم (٧) نبهُ القوم أنّ الوضوءَ مِن أيِّ نَوم (٨) تبيان الوضوء (٩) الأحكام والعِلل في أشكال الاحتلام والبَلَل (١٠) بارِق النور في مقادير ماء الطَهور، (١١) بركات السماء في حكم إسراف الماء، (١٢) ارتفاع الحُجب عن وُجوه قراءةِ الجُنب، (١٣) الطرس المعدل في حدّ الماء المستعمَل، (١٤) النَّميقة الأنقى في فَرق المُلاقي والمُلقَى، (١٥) الهنيءُ النَّمير في الماء المُستدير، (١٦) رَحب السّاحة في مياهٍ لا يستوي وجهُها وجَوفُها في المَساحة، (١٧) هبة الحبير في عُمق ماءٍ كثير، (١٨) النُّور والنّورق لإسفار الماء المطلَق، (١٩) عطاء النّبي لإفاضة أحكام ماءِ الصبي، (٢١) الدقّة والتبيان لعلم الرِّقة والسَّيلان، (٢١) حُسن التعمُّم لبيان حدِّ التيمّم، (٢٢) سَمح الدَّاماء فيما يُورِث العَجزَ عن الماء، (٢٣) الظَفر لقول زُفر، (٢٤) المطر السعيد على نبت جنس الصعيد، (٢٥) الجدّ السّديد في

نفي الاستعمال عن الصّعيد، (٢٦) قوانين العلماء في متيمّمٍ علمَ عند زيدٍ ماء، (٢٧) الطِلْبَةُ البديعة في قول صدر الشّريعة، (٢٨) مُجُلّي الشَّمْعَة لجامع حدَثٍ ولُمعة، (٢٩) سَلب الثلب عن القائلين بطهارة الكلب (٣٠) الأحلَى من السُكّر لطلبة سُكر رُوسر، (٣١) أوّلُ مَن صلّى الصلوات الخمس، (٣٢) جُمان التاج في بيان الصّلاة قبل المعراج، (٣٣) حاجز البحرَين الواقي عن جمع الصّلاتَين، (٣٤) مفاد الحبر في الصّلاة بمقبرة أو جنب قبر (٣٥) منير العَين في حكم تقبيل الإبهامَين، (٣٦) نهج السّلامة في حكم تقبيل الإبهامَين في الإقامة، (٣٧) إيذانُ الأجر في أذان القبر، (٣٨) هداية المتعال في حدِّ الاستقبال، (٣٩) كشف العِلّة عن سَمْت القبلة، (٤٠) نِعم الزاد لِرَوْمِ الضّاد، (٤١) إلجام الصّاد عن سُنن الضّاد، (٤٢) النَّهي الأكيد عن الصّلاة وراءَ عِدى التقليد، (٤٣) القِلادة المرصَّعة في نَحر الأجوِبة الأربعة، (٤٤) القُطوف الدّانية لمن أحسَن الجماعةَ الثانية، (٤٥) تِيجان الصّواب في قيام الإمام في المحراب، (٤٦) أنهار الأنوار مِن يَمِّ صلاةِ الأسرار، (٤٧) أزهار الأنوار مِنْ صَبَا صلاةِ الأسرار، (٤٨) وَصّاف الرَّجيح في بَسملة التراويح، (٤٩) التبصيرُ المنجِد بأنّ صحنَ المسجِدِ مسجِد، (٥٠) مِرقاة الجُمان في الهُبوط عن المنبر لَمدح السُّلطان، (٥١) رعايةُ المذهبَين في الدُّعاء بينَ الخُطبتَين، (٥٢) شَمائم العنبر في أدب النِّداء أمامَ المنبر،

(٥٣) أوفَى اللمعة في أذان يوم الجمعة، (٥٤) سُرور العيد السّعيد في حِلّ الدّعاء بعد صلاة العيد، (٥٥) وِشاحُ الجِيْد في تحليل مُعانقة العِيد، (٥٦) الحَرف الحَسن في الكتابة على الكَفن، (٥٧) المِنّة الممتازة في دَعواتِ الجنازة، (٥٨) بَذلُ الجوائز على الدّعاء بعدَ صلاة الجنائز، (٥٩) النَّهيُ الحاجز عن تكرار صلاةِ الجنائز، (٦٠) الهادي الحاجب عن جنازة الغائب، (٦١) إهلاكُ الوهابيين على توهين قُبور المسلمين، (٦٢) بريق المنار بشُموع المزار (٦٣) جُمَل النُّور في نَهيِ النِّساءِ عن زيارةِ القبور (٦٤) الحجّة الفائحة لطِيب التعيين والفاتحة، (٦٥) جَليُّ الصَّوت لنهي الدّعوة أمامَ مَوت، (٦٦) الوِفاق المتين بين سماع الدفين وجواب اليمين، (٦٧) تجلّيُ المشكوة لإنارة أسئِلة الزّكوة، (٦٨) أعزُّ الاكتناه في ردِّ صدقة مانع الزَّكاه، (٦٩) رادِعُ التعسُّف عن الإمام أبي يوسف، (٧٠) أفصَحُ البيان في حكم مَزارع هِندُوستان، (٧١) الزَّهر الباسِم في حرمة الزّكاة على بني هاشِم، (٧٢) أزكَى الهلال بإبطال ما أحدث النّاسُ في أمر الهِلال، (٧٣) طريقُ إثباتِ الهِلال، (۷۴) قانونِ رؤیتِ اَہلّہ، (٧٥) البُدور الأجِلَّة في أمور الأهِلّة، (مع شرح:) نور الأدِلَّة للبُدور الأجِلَّة (مع حاشية:) رفعُ العِلّة عن نور الأدِلَّة، (٧٦) الإعلام بحال البخور في الصِّيام، (٧٧) تفاسير الأحكام لفِدية الصّلاةِ والصّيام، (٧٨) هداية الجَنان بأحكام رَمضان، (٧٩) دَرءُ القُبح عن

دَركِ وقتِ الصُّبح، (۸۰) العَروس المعطار في زمن دعوةِ الإفطار، (۸۱) صَيقل الرَّين عن أحكام مُجاوَرةِ الحرمَين، (۸۲) أنوَرُ البِشارة في مسائل الحجِّ والزِّيارة، (۸۳) النيِّرةُ الوضية شرح الجَوهرةِ المضية (مع حاشية:) الطُرّة الرَّضية، (۸٤) عُبابُ الأنوار أن لا نكاحَ بمُجرّدِ الإقرار، (۸٥) ماحيُ الضَّلالة في أنكِحَة الهِند وبَنْجالَة، (۸٦) هِبة النِّساء في تَحَقُّقِ المُصاهَرةِ بالزِّنا، (۸۷) إزالة العار بحَجر الكرائم عن كلاب النّار، (۸۸) الجليُّ الحسَن في حرمةِ وَلدِ أخي اللَّبَن، (۸۹) تجويزُ الردّ عن تزويج الأبعَد، (۹۰) البَسطُ المُسجَّل في امتناع الزَّوجة بعدَ الوَطي للمُعَجَّل، (۹۱) حكم رجوع من ولي في نفقة العرس والجهاز والحلي، (۹۲) أطائبُ التَهاني في النكاح الثاني، (۹۳) رحيق الإحقاق في كلمات الطلاق، (۹٤) آكَد التحقيق بباب التعليق، (۹٥) الجوهَر الثمين في عِلل نازلةِ اليمين، (۹٦) إعلام الأعلام بأنّ هندوستان دارُ الإسلام، (۹۷) نابعُ النُّور على سُؤالات جَبَلْفوْر، (۹۸) دَوام العَيش في الأئمة مِن قرَيش، (۹۹) المَحَجَّة المؤتمنة في آية المُمتحِنة، (۱۰۰) أنفَسُ الفِكر في قُربان البقَر، (۱۰۱) تدبیرِ فلاح ونَجات واِصلاح، (۱۰۲) الرَمز المرصَّف على سؤال مولٰينا السيِّد آصَف، (۱۰۳) جوّال العُلُو لتبيُّن الخُلو، (۱۰٤) التحرير الجيّد في بَيع حقّ المسجِد، (۱۰٥) إبانةُ المتواري في مُصالحَة عبدِ الباري، (۱۰٦) كاسِر السّفيه الواهِم في إبدال قرطاس

الدراهم، (۱۰۷) أنصَحُ الحكومة في فصل الخُصومة، (۱۰۸) الهبة الأحمديّة في الولاية الشرعيّة والعُرفية، (۱۰۹) فتحُ المليك في حكم التمليك، (۱۱۰) أجوَد القِرى لمن يطلب الصحّةَ في إجارة القُرى، (۱۱۱) المُنى والدُّرر لمن عمدَ مَنِيْ آردَّر، (۱۱۲) سُبل الأصفياء في حكم الذبح للأولياء، (۱۱۳) هاديُ الأُضحِيَة بالشّاءِ الهنديّة، (۱۱٤) الصافية المُوحِية لحُكم جلد الأُضحِيَة، (۱۱٥) حكُّ العَيب في حرمة تَسويد الشَّيب، (۱۱٦) الطِيبُ الوجيز في أمتِعَة الوَرَق والإبريز، (۱۱۷) شرح الحُقوق لطَرح العُقوق، (۱۱۸) مَشعَلة الإرشاد في حُقوق الأولاد، (۱۱۹) النُّور والضياء في أحكام بعض الأسماء، (۱۲۰) أعجَبُ الإمداد في مكفّرات حقوق العِباد، (۱۲۱) مُرُوجُ النَّجا لخُروج النِّساء، (۱۲۲) صَفائحُ اللُّجَين في كون التَّصافُح بكفَّي اليدَين، (۱۲۳) أبرُّ المقال في استحسان قُبلَة الإجلال، (۱۲٤) الزُّبدة الزَّكية لتحريم سُجود التحيّة، (۱۲٥) الكشفُ شافيا حُكمَ فُونُو جرافيا، (۱۲٦) رادُّ القَحط والوباء بدعوة الجيرانِ ومُؤاساةِ الفُقراء، (۱۲۷) هادي النّاس في رُسوم الأعراس، (۱۲۸) لمعة الضحىٰ في إعفاء اللُّحى، (۱۲۹) أحكام الأحكام في التناوُل مِن يدِ مَن مالُه حرام، (۱۳۰) خيرُ الآمال في حكم الكسب والسؤال، (۱۳۱) أعالي الإفادة في تعزية الهند وبيانِ الشّهادة، (۱۳۲) عطايا القدير في حكم

التصوير، (١٣٣) تيسير الماعون للسَّكَن في الطاعون، (١٣٤) الحقُّ المُجتَلَى في حكم المُبتَلَى، (١٣٥) حُقّة المرجان لمهمّ حكم الدُّخان، (١٣٦) الفقه التسجيلي في عجين النّارجِيلي، (١٣٧) الشِّرعة البهيّة في تحديد الوصيّة، (١٣٨) المقصد النّافع في عَصوبة الصِّنف الرّابع، (١٣٩) طِيب الإمعان في تعدُّد الجِهات والأبدان، (١٤٠) تَجلِيةُ السِّلْم في مسائلِ مِن نصفِ العِلم، (١٤١) السَنيّة الأنيقة في فتاوى أفريقة، (۱۴۲) اجلیٰ نُجومِ رَجم بَر ایڈیٹر "النجم"[1].

علمِ فلسفہ وسائنس

علمِ سائنس سے متعلق امامِ احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی چند مشہور تصنیفات یہ ہیں:

(١) نُزول آيات فُرقان بسُكون زمين وآسمان، (٢) مُعينِ مُبين بهَر دَورِ شمس وسُكونِ زمين، (٣) فَوزِ مُبين دَر ردِّ حركتِ زمين، (٤) الكلمة المُلهَمة في الحِكمة المُحكَمة لِوَهاءِ فلسفة المَشئَمة، (٥) مَقامِع الحديد على خدِّ المَنطِق الجديد، (٦) كشف العِلّة عن سمت القِبلة، (٧) دَرءُ القُبح عن دَركِ وقت الصُّبح، (٨) الكشفُ شافيا حُكمَ فُونُو جرافيا[2].

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" اِجمالی فہرست فتاوی رضویہ جملہ مجلَّدات، ۱/ ۱۱- ۲۰۔ "حیاتِ اعلیٰ اعلیٰ حضرت" حصہ دُوم ۲، تصنیفات باعتبارِ فن، علمِ فقہ، ص۳۱۳- ۳۱۹۔

(۲) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" اِجمالی فہرست فتاوی رضویہ جملہ مجلَّدات، ۱/ ۱۶، ۱۷۔

علمِ تصوّف وسُلوک

علمِ تصوُف وسُلوک میں سیّدی اعلی حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی معروف تصنیفات یہ ہیں: (۱) کشفِ حقائق واَسرار ودقائق، (۲) مَقالِ عُرفا باِعزازِ شرع وعلما، (۳) نَقاءُ السُّلافَة في البَيعة والخِلافة، (٤) الياقوتةُ الواسطة في قَلب عقدِ الرابطة [1].

پیشگی سالِ وِصال کا اِستخراج

امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اپنی وفات سے چھ ٦ ماہ قبل، خود اپنے وِصال کی خبر دے کر ایک آیتِ قرآنی سے سالِ وفات کا اِستخراج فرمایا، وہ آیتِ مبارکہ یہ ہے: ﴿وَ يُطَافُ عَلَيۡهِمۡ بِاٰنِيَةٍ مِّنۡ فِضَّةٍ وَّ اَكۡوَابٍ﴾[2] "ان پر چاندی کے برتنوں اور کُوزوں کا دَور ہو گا"[3]۔

وِصال شریف اور مزارِ پُر انوار

۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء کو، بروز جمعہ، ہندوستان کے وقت کے مطابق ۲ بج کر ۳۸ منٹ پر، عین اذانِ جمعہ کے وقت، اُدھر مؤذِّن نے حَيَّ عَلَى الفَلاح کہا، اور اِدھر اعلی حضرت رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے داعئ اَجَل کو لبیک کہا! إِنّا لله وَإِنَّا إِلَيهِ رَاجِعُون! آپ رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا مزارِ پُر انوار بریلی شریف میں آج بھی زیارت گاہِ خاص وعام ہے۔

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" اِجمالی فہرست فتاوی رضویہ جملہ مجلَّدات، ۱/ ۱۲۔ "حیاتِ اعلیٰ حضرت" حصہ دُوم ۲، تصنیفات باعتبارِ فن، علم تصوُف، صـ۳۲۶۔

(۲) پ۲۹، الدهر: ۱۵.

(۳) "سوانحِ امام احمد رضا" مسافرِ عالمِ بالا کی پیشین گوئی، صـ۳۸۳، ۳۸۴۔

امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالی کے علمی مقام، مجتہدانہ شان اور دینی خدمات سے متعلق مزید معلومات کے لیے "جدّ الممتار علی رد المحتار" کا مقدّمہ[1] ملاحظہ کیجیے، جس میں استاذ العلماء حضرت علّامہ محمد احمد مصباحی صاحب -دامت برکاتہ- نے انتہائی شرح وبسط اور مثالوں کے ساتھ، حضرتِ امام کا علمی مقام ومرتبہ بیان فرمایا ہے۔

(۱) انظر: "جدّ الممتار علی ردّ المحتار" تعریف الکتاب، ۱/ ۱۱٤- ۱۵۲.

باب چہارُم ۴

امام احمد رضا کی شانِ فقاہت

طبقاتِ فقہاء کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، جب آپ اعلی حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی تحریروں اور فتاوی کا مطالعہ کرتے ہیں، اور امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے طرزِ استدلال کا بغور جائزہ لیتے ہیں، تو آپ اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہمہ جہت خوبیوں کی حامل شخصیت ہیں، اللہ تعالی کے خاص فضل وکرم اور مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نظرِ عنایت سے، مجددِ اعظم امام احمد رضا یقیناً درجۂ اجتہاد پر فائز ہیں، اور حضرت امام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنے ائمہ کے وضع کردہ اُصول وضوابط پر کاربند رہتے ہوئے، مسائلِ جدیدہ کے اَحکام کا خوب اِستنباط بھی فرمایا ہے۔

امام احمد رضا کی اجتہادی بصیرت اور علمائے عجم

امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنی حیاتِ طیّبہ میں ہزاروں مدلّل فتاوی تحریر فرمائے، ان فتاوی میں براہِ راست قرآنی آیات سے استدلال، طُرقِ حدیث، اَقسامِ حدیث، قوی وضعیف روایات اور اسماء الرِجال کی طویل اَبحاث، فقہ واُصولِ فقہ کے قواعد وضوابط اور جزئیات کا بَرملا استعمال، اور علمِ لُغات کا جابجا استعمال، سیّدی اعلیٰ حضرت کی وُسعتِ علمی کا منہ بولتا ثبوت ہے!۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی شانِ اجتہاد کا یہ عالَم ہے، کہ اللہ تعالی نے آپ کے قلم کو خطائے اجتہادی سے محفوظ رکھا، اور ایک صدی گزر جانے کے باوجود اپنے تو کجا، کوئی

بیگانہ اور بد ترین مخالف بھی لاکھ اختلاف کے باوُجود، امام احمد رضا کی شرعی خطا تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

شمس العلماء علّامہ قاضی شمس الدین جَونپوری

(۱) اسی اَمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شمس العلماء علّامہ قاضی شمس الدین جَونپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بارہا فرمایا کہ "علّامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں تو کہیں کہیں خطا دیکھنے کو مل جاتی ہے، مگر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا دامن اس سے پاک ہے، اسی لیے امام احمد رضا نے "جدّ الممتار حاشیہ رد المحتار" اور دیگر تصنیفات میں کہیں کہیں "تطفُّل علی الشامی" کا عنوان باندھا ہے، مگر سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں اس طرح کی جھلک بھی دیکھنے کو نہیں ملتی، اس لیے میں ان کے "اجتہادی کارناموں" کو علّامہ شامی کے "اجتہادی کارناموں" پر فَوقیت دیتا ہوں"[۱]۔

علّامہ مفتی اعجاز ولی رضوی

(۲) علّامہ مفتی اعجاز ولی رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اجتہادی بصیرت سے متعلق فرماتے ہیں کہ "اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ محمد احمد رضا خاں صاحب قادری قدّس سرّہٗ میرے نزدیک اس صدی کے فقیہِ اَعظم تھے، آپ متداوِل علومِ عربیہ ادبیہ میں ماہِر کامل، فنونِ عقلیہ ونقلیہ میں اِیجاد واجتہاد پر فائز تھے"[۲]۔

علّامہ عبد الحکیم اختر شاہ جہانپوری

(۳) علّامہ عبد الحکیم اختر شاہ جہانپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجتہدانہ

---

(۱) "طبقات فقہاء میں امام احمد رضا کا منصب" امام احمد رضا اور علمِ اُصول فقہ، ص۱۲،۱۳۔
(۲) "ماہنامہ اَلمیزان" "امام احمد رضا نمبر، امام احمد رضا مفتی اعجاز ولی صاحب رضوی کی نظر میں، ص۵۵۸۔

صفات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "علمائے حرمین شریفین نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ کو جن عظیم وجلیل خطابات سے نوازا، وہ مُبالغہ نہیں عین حقیقت ہے، آپ کے کمالاتِ عالیہ کے پیشِ نظر قُدماء علمائے راسخین کی اَرواحِ طیّبہ بھی شاداں وفرحاں ہوں گی؛ کیونکہ "سبحان السُبّوح" اور "المعتمَد المستنَد" کے مصنِّف اور بیسیوں دیگر کتب ورسائلِ علمِ کلام کے محشّی کا مقام، اوّل درجے کے متکلّمین میں ہوتا ہے، اسی طرح فقہاء کے زُمرے میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ ایک مایہ ناز اور عظیم ترین فقیہ ہیں، اور جہاں ممیّزین، اصحابِ ترجیح اور اصحاب تخریج کی صفات آپ کے اندر بدرجہ اَتم نظر آرہی ہیں (جیسا کہ ماہرینِ علم وفن پر واضح ورَوشن ہے) وہاں بعض صفات مجتہدین فی المسائل اور مجتہدین فی المذہب کی بھی پائی جاتی ہیں"[1]۔

تاج الشریعہ مفتی اختر رضا خان ازہری

(۴) حضور تاج الشریعہ مفتی اختر رضا خان ازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے استفسار کیا گیا، کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شریعت کے کس منصب پر فائز تھے؟ تو فرمایا کہ "یہ تو اعلیٰ حضرت کی تنقیحات واَبحاث کو بنظرِ غائر دیکھنے والا خود فیصلہ کر سکتا ہے، کہ فقہ میں ان کا کیا مقام تھا! بہت سارے مسائل جو کتبِ فقہ میں غیر منقّح تھے، ان میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصریحات دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے، کہ اصحابِ تنقیح میں اُن کا مُعاملہ علّامہ شامی اور علّامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہما سے بھی آگے ہے"[2]۔

---

(۱) "اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام" "قوانین العلماء"، صـ۱۵۳۔
(۲) تاج الشریعہ مفتی اختر رضا خان ازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ بزبانِ خود۔

حضور تاج الشریعہ رحمۃ اللہ نے ایک استفتاء کے جواب میں مزید یہ بھی فرمایا کہ "امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ گزشتہ صدی کے مجدّد اور ایسے بڑے عالمِ دین تھے، کہ پانچ سو برس میں ان کا نظیر، ان کی جامعیت میں کوئی نظر نہ آیا، اور عرب وعجم کے علماء نے ان کے علم وفضل کا اعتراف فرمایا، جیسا کہ "حُسام الحرمین"، "الدولۃ المکیہ" ["فتاوی الحرمین برَجْف ندوۃ المَین"] وغیرہا پر علماء کی تقریظات سے ظاہر ہے!"[1]۔

شیخ الحدیث علّامہ غلام رسول سعیدی

(۵) شیخ الحدیث علّامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ "اُصولیین کی تعریف کے اعتبار سے فقہ کی تعریف صرف مجتہدین پر صادق آتی ہے، ہم اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے بارے میں اجتہادِ مطلق کا دعویٰ تو نہیں کرتے، لیکن یہ بات یقینی طَور پر کہی جا سکتی ہے، کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی شخصیت میں واضح طَور پر اجتہاد کی جھلک نظر آتی ہے! آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بے شمار ایسے قواعد مقرّر فرمائے کہ اگر وہ سیّدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سامنے پیش کیے جاتے، تو وہ یقیناً ان کی تحسین فرماتے! آپ (امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) نے متعدّد ضوابط اِرقام فرمائے جو کتبِ فقہ میں کہیں نہیں ملتے، لیکن ان کا وُجود ناگزیر ہے؛ کیونکہ فقہ کی بے شمار جزئیات اپنے اِنطباق کے لیے ان قواعد کی مرہونِ منّت ہیں، چونکہ اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ان قواعد کا کتاب وسنّت سے اکتساب کیا ہے، اس لیے یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی شخصیت اجتہادی شان کی حامل تھی"[2]۔

---

(۱) "فتاوی تاج الشریعہ" کتاب العقائد، علمائے عرب وعجم نے اعلیٰ حضرت کے علم وفضل کا اعتراف کیا، ۱/ ۵۰۹۔

(۲) "ماہنامہ المیزان" "امام احمد رضا نمبر، فقہ اُصولیین کے آئینہ میں، ص۱۹۸۔

علّامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شانِ اجتہاد کے بارے میں مزید فرماتے ہیں کہ "بنظرِ غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں مجتہدین فی المسائل کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں، چنانچہ آپ (امام احمد رضا) کے زمانہ میں جو ایسے نئے مسائل پیدا ہوئے، جن پر امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کوئی روایت موجود نہیں تھی، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اصول وفُروع میں اتّباعِ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ ان تمام مسائل کا استخراج فرمایا"(۱)۔

استاذ العلماء مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب

(۶) اہلِ علم حضرات خوب جانتے ہیں کہ غیر منصوص اَحکام کا اِستنباط واِستخراج کوئی معمولی بات نہیں؛ کیونکہ یہ وہ صلاحیت ہے جو اللہ تعالی صرف اُن خاص بندوں کو عطا فرماتا ہے، جو اجتہاد کے منصب پر فائز ہوتے ہیں۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تعلق طبقاتِ فقہاء کے کس درجے سے ہے؟ اس بارے میں محققِ مسائل جدیدہ، استاذ العلماء مفتی محمد نظام الدین رضوی -دام ظلہ العالی- اپنا مَوقف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "امام احمد رضا قدس سرّہٗ میری نگاہ میں اصحابِ تخریج سے ہیں، آپ "فتاوی رضویہ" وتصانیفِ رضا کا مطالعہ کریں گے تو اِس کے کثیر شواہد -ان شاء اللہ تعالی- پائیں گے! میری نگاہ میں امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے دَورِ اخیر میں "اجتہاد فی المذہب" کے منصب پر بھی فائز ہو گئے تھے، آپ ان دونوں طبقاتِ فقہاء کی تعریف اور مثالوں کو سامنے رکھ کر، امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کے فقہی کارناموں کا جائزہ لیں گے، تو -ان شاء اللہ تعالی- یہ بصیرت حاصل

---

(۱) ایضًا، طبقاتِ فقہاء کی رَوشنی میں امام احمد رضا، ص۲۰۲۔

ہو جائے گی، گہری نظر سے مطالعہ کرنا شرط ہے! خاص کر تکفیر کے باب میں آپ کا منصب فقیہِ مجتہد اور صاحبِ نظر متکلّم کا ہے! اس حوالے سے "فتاوی رضویہ" میں کتاب السیر، "تمہیدِ ایمان"، "اکفل الفقیہ الفاہم"، "حسن التعمم" اور "بارق النور" ...وغیرہ رسائل اور فتاوی کا مطالعہ کافی مفید ہوگا!""[۱]۔

ڈاکٹر حسن رضا اعظمی

(۷) امام احمد رضا کے مقامِ اجتہاد سے متعلق ڈاکٹر حسن رضا اعظمی تحریر فرماتے ہیں کہ "اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قواعدِ اُصول وفُروعِ اَحکام میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مقلّد تھے، اور تقلیدی شان کے ساتھ اجتہاد فی المسائل اور اجتہاد فی المذہب کی پوری اہلیت رکھتے تھے (یہی وجہ ہے کہ) آپ (امامِ اہلِ سنّت) کے مُعاصرین بھی آپ کے تبحُرِ علمی اور ملکۂِ استخراج پر اعتماد رکھتے تھے"[۲]۔

محققِ اہلِ سنّت مشتاق احمد شاہ

(۸) عالمِ اسلام کی مشہور و معروف قدیم علمی درسگاہ "جامعہ ازہر" مصر میں، امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فقہِ حنفی کے لیے خدمات اور اجتہادی صلاحیتوں سے متعلق ایک مقالہ "الإمام أحمد رضا خانْ وأثرُه فِي الفقه الحنفي" لکھا گیا، اس مقالہ میں امام احمد رضا کے فتاوی، طرزِ استدلال، اندازِ تنقیح اور علمائے عرب وعجم کے تاثرات کی روشنی میں، حضرت امام کے فقہی مقام ومنصب کو بھی اُجاگر کیا گیا ہے، اس تحقیقی مقالہ کے مؤلّف جناب مشتاق احمد شاہ تحریر فرماتے ہیں کہ "امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں طبقاتِ

---

(۱) حضرت مفتی محمد نظام الدین صاحب رضوی، بزبانِ خود بلا واسطہ۔

(۲) "فقیہِ اسلام" اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام، ص۴۶۴۔

فقہاء کے پہلے چھ ۶ طبقوں کی بہت سی خصوصیات پائی جاتی ہیں، لیکن آپ کی ذاتِ مبارکہ میں "مجتہد فی المسائل" کے لیے درکار تمام صفات کامل طور پر موجود ہیں، اور آپ اس منصب (مجتہد فی المسائل) پر فائز ہیں۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے دَور میں قواعدِ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روشنی میں، اُصول وفُروع سے متعلق ان تمام نَو پید مسائل میں اجتہاد فرمایا، جن میں امام ابو حنیفہ سے کوئی صریح روایت موجود نہیں تھی"[(۱)]۔

مولانا کوثر نیازی

(۹) برصغیر کے مشہور مذہبی اسکالر اور مؤرِّخ مولانا کوثر نیازی صاحب نے مسلکی ونظریاتی اختلاف کے باوجود، امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ابو حنیفہ ثانی قرار دیتے ہوئے کہا کہ "فقہِ حنفی میں دو ۲ کتابیں مستند ترین ہیں: ان میں سے **ایک** "فتاوی عالمگیری" ہے جو دراصل چالیس ۴۰ علماء کی مشترکہ خدمت ہے، جنہوں نے فقہِ حنفی کا ایک جامع مجموعہ ترتیب دیا۔ **دوسری** "فتاوی رضویہ" ہے جس کی انفرادیت یہ ہے، کہ جو کام چالیس ۴۰ علماء نے مل کر انجام دیا، وہ اس مردِ مجاہد نے تنِ تنہا کر کے دکھایا، اور یہ مجموعہ "فتاوی رضویہ"، "فتاوی عالمگیری" سے زیادہ جامع ہے۔ اور میں نے آپ (امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ) کو ابو حنیفہ ثانی کہا ہے، وہ صرف عقیدت یا محبت میں نہیں بلکہ "فتاوی رضویہ" کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کہہ رہا ہوں، کہ آپ (امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ) اس دَور کے امام ابو حنیفہ[(۲)] ہیں"[(۳)] ع

---

(۱) "الإمام أحمد رضا خانْ وأثرُه في الفقه الحنفي" المبحث ۳: الآراء الاجتهادية الفقهية الحديثية للإمام أحمد رضا خانْ، تمهيد، صـ۲۵٦.

(2) https://www.youtube.com/watch?v=444Cp8TrU4s

(۳) دیکھیے: "ماہنامہ پیغامِ شریعت" مصنّفِ اعظم نمبر ۲۰۱۸ء، فقہ وفتاوی میں امام احمد رضا کی مہارت، ص۳۸۵۔

مزیَّن جس سے ہے تاجِ فضیلت تاج والوں کی
وہ لعلِ پُر ضیاء تم ہو، وہ دُرِّ بے بہا تم ہو!

امام احمد رضا کی فقہی آراء اور علمائے عرب

دنیائے عرب کے کئی فقہاء اور اہلِ علم حضرات، امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقامِ تفقُّہ تسلیم کرتے ہیں، جن میں سے چند کے اسمائے گرامی اور ان کے تاثرات حسبِ ذیل ہیں:

شیخ سیّد اسماعیل بن خلیل

(۱) مُحافظِ کتب خانۂ حرم مکی سیّد اسماعیل بن خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کے فقہی مقام ومرتبہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "اگر سیّدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ (سیّدی اعلیٰ حضرت) کے فتاویٰ ملاحظہ فرماتے تو اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں، اور اس کے مؤلِّف (امام احمد رضا) کو اپنے خاص شاگردوں میں شامل فرماتے"[۱]۔

ایک اَور مقام پر مزید یہ بھی فرمایا کہ "اگر امام احمد رضا کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کے مجدِّد ہیں تو حق اور صحیح ہے"[۲]۔

---

(۱) "رسائل عربية من الفتاوى الرضوية" رسالة "الإجازات المتينة لعلماء بكة والمدينة" كتاب العلاّمة الجليل السيّد إسماعيل خليل أمين مكتبة الحرم المكّي، ۱/ ۱۰۰. و"حياة الإمام أحمد رضا" ٥- رقم الشيخ إسماعيل بن خليل أمين مكتبة الحرم المكّي، صـ٦٩.

(۲) "حُسام الحرمين على منحر الكفر والمَين" تقريظات، تقريظ ٦، صـ٦٦.

شیخ عبد اللہ حنبلی نابُلسی

(۲) شیخ عبد اللہ حنبلی نابُلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ (مدینہ منوّرہ) امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ کی فقہی بصیرت کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "وہ نادرِ روزگار، زمانے کا نور، عالمِ باعمل، بلند ہمت فاضل، مسائل اور مشکل اَحکام کی تنقیح کرنے والا، اور دلائل وبراہین سے انہیں مستحکم سے مستحکم کرنے والا، زمانے کا گوہرِ یکتا، قاضی القُضاۃ شیخ احمد رضا خان، اللہ تعالی ان کی زندگی سے ہمیں متمتّع فرمائے، اور ہم پر اور سارے مسلمانوں پر اُن کا فیض جاری رکھے!"[۱]۔

شیخ محمد بن علی آفندی حکیم دِمشقی

(۳) شیخ محمد بن علی آفندی حکیم دِمشقی نے "الدَولة المكّية" کا مطالعہ کیا، تو تقریظ کی صورت میں اپنے تاثرات کا اِظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ "بے مثل کتاب "الدَولة المكّية" کے مطالعہ سے محظوظ ہوا، میری معرفت میں اِضافہ اور قلب میں پختگی پیدا ہوئی، یہ کتاب مؤلِّف علّامہ کے معارفِ نقلیہ وعقلیہ، اور شریعتِ محمدیّہ کے لیے اُن کی غیرت پر گواہ ہے، اللہ تعالی اسلام میں ان جیسے علماء بکثرت پیدا فرمائے، جو ہدایت وارشاد کے آفتاب بن کر چمکیں!"[۲]۔

مفتئ شافعیہ سیّد احمد بن سیّد اسماعیل حسینی بَرزنجی

(۴) مفتئ شافعیہ شیخ سیّد احمد بن سیّد اسماعیل حسینی بَرزنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ (مدینہ منوّرہ) نے "المعتمد المستند" کی صورت میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ کی عقائد وکلام میں مہارت کو دیکھا تو فرمایا کہ "اے علّامۂ کامل، شہیر ومشہور، صاحبِ تحقیق وتنقیح، صاحبِ تدقیق

(۱) الدَولة المكّيّة بالمادة الغَيبِية" جلائل التقريظات، تقريظ ٢٦، صـ٣١٥، ٣١٦.
(۲) المرجع نفسه، تقريظ ٦٨، صـ٤١٤، ٤١٥، ملخّصاً.

وتزئین، عالمِ اہلِ سنّت وجماعت، شیخ احمد رضا خان! میں نے آپ کی کتاب "المعتمَد المستنَد" کے خلاصہ کا مطالعہ کیا، تواسے قوّت ونقد کی انتہائی بلندیوں پر پایا"(۱)۔

مفتئ حنابلہ شیخ عبد اللہ بن حمَید

(۵) مفتئ حنابلہ شیخ عبد اللہ بن حمَید رحمہ اللہ تعالیٰ (مکّہ مکرّمہ) نے امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے طریقۂ استدلال اور وُسعتِ علمی کو جانا تو فرمایا کہ "اس وقت اگر میرا وضو ہوتا تو میں سجدۂ شکر میں گر پڑتا؛ کہ اللہ تعالی نے ہمارے اندر ایسا عالِم محقّق ومُدقّق بھیج کر اِحسان فرمایا، میری دعا ہے کہ زمانہ کی بقاء تک اس کے علم کا درخت بڑھتا ہی رہے!"(۲)۔

شیخ محمد سعید بن سیّد محمد مغربی

(۶) شیخ محمد سعید بن سیّد محمد مغربی رحمہ اللہ تعالیٰ (مدینہ منوّرہ) نے سیّدی اعلی حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علم وفضل کا اعتراف ان الفاظ میں کیا کہ "جب شک وشُبہ کی اندھیری رات چھا جاتی ہے، تو وہ (اللہ رب العالمین) اپنے آسمانِ علم سے چودہویں کا چاند چمکاتا ہے، جس کے ذریعے سے شریعتِ مطہّرہ تغیّر وتبدُّل سے محفوظ رہتی ہے، اور اُن جلیل القدر علماء میں کثیر الفہم، عظیم العلم حضرت مولانا احمد رضا خان ہیں"(۳)۔

شیخ محمد قاسمی دِمشقی

(۷) شیخ محمد قاسمی دِمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علم وفضل کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ "شیخ احمد رضا خاں فضائل وکمالات کے جامع ہیں، ان کی فضیلت

---

(۱) المرجع السابق، تقریظات، تقریظ ۳۲، صـ۱٤۰.

(۲) الدَولة المكّيّة بالمادة الغَيْبِية" جلائل التقريظات، تقريظ ٥، صـ٢٧٩.

(۳) "حُسام الحرمين على منحر الكفر والمَين" تقريظات، تقريظ ٢٥، صـ١٢٣.

کا اعتراف دوست دشمن سب کو ہے، ان کا علمی مقام بہت بلند ہے، ان کی مثال لوگوں میں بہت کم ملتی ہے!"[۱]۔

شیخ عبد الفتّاح ابوغُدّہ

(۸) شیخ عبد الفتّاح ابوغُدّہ (جامعہ محمد بن سعود) فرماتے ہیں کہ "میں ایک بار سفر میں تھا، میری نشست کے برابر میں بیٹھے ایک صاحب **"فتاوی رضویہ"** کی ایک جلد کا مطالعہ کر رہے تھے، میں نے ان سے وہ جلد لے کر ایک عربی فتویٰ کا مطالعہ کیا، عبارت کی رَوانی اور کتاب وسنّت واَقوالِ سلَف سے دلائل کے اَنبار دیکھ کر میں حیران وششدر رہ گیا، اور اس ایک فتویٰ کے مطالعہ کے بعد میں نے یہ رائے قائم کی کہ **"یہ شخص (امام احمد رضا) کوئی بڑا عالم اور اپنے وقت کا زبردست فقیہ ہے"**[۲]۔

شیخ ڈاکٹر عبد الفتّاح بزم مفتیٔ دِمشق

(۹) شیخ ڈاکٹر عبد الفتّاح بِزم (مفتیٔ دِمشق) فرماتے ہیں کہ "ہم اہلِ شام علاّمہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کو حرفِ آخر سمجھتے ہیں، لیکن جب میں نے "رد المحتار" کی عبارت پر شیخ امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی تحقیقات کا مطالعہ کیا، تو آپ کی تحقیقات قابلِ تحسین پائیں، جہاں اختلاف کرتے ہیں وہاں ٹھوس دلائل کے ساتھ اپنا مَوقف پیش کرتے ہیں، جہاں علاّمہ شامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے مُوافقت کرتے ہوئے اُن کے دلائل پر مزید

---

(۱) انظر: "الدَولة المكّيّة بالمادة الغَيْبِية" جلائل البركات، تقريظ ٦٩، صـ٤١٦، ملخصاً.

(۲) "الإمام أحمد رضا خانْ وأثرُه في الفقه الحنفي" آراء علماء العرب في الإمام أحمد رضا خانْ، الشيخ عبد الفتّاح أبو غُدّة، صـ١٥١.

دلائل کا اِضافہ کرتے ہیں، اس سے فقہِ حنفی کے اُصول وجزئیات پر اُن کی دسترس، اور موضوع پر اُن کی وُسعت کا اندازہ ہوتا ہے، یہ اُن کی بڑی خوبی ہے! بینَ الاقوامی اداروں میں امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ پر مزید تحقیقی مقالے لکھوائے جائیں؛ تاکہ اُمتِ مسلمہ آپ (امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ) کے اَفکار وخیالات سے استفادہ کرسکے"[۱]۔

شیخ حازِم محمد احمد عبد الرحیم محفوظ

(۱۰) شیخ حازِم محمد احمد عبد الرحیم محفوظ (قاہرہ مصر) فرماتے ہیں کہ "امام احمد رضا حنفی قادری بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ صحیح معنی میں فقیہ امام ہیں... آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صحیح وغلط، اَوامر ونواہی اور محرّمات ومکروہات کا فرق وامتیاز، اور ان کی اصل حیثیت واضح فرمائی"[۲]۔

ڈاکٹر محمد مجید سعید

(۱۱) ڈاکٹر محمد مجید سعید (وائس چانسلر جامعہ صدّام للعلوم الاسلامیہ، اعظمیہ، بغداد شریف) فرماتے ہیں کہ "امام احمد رضا بریلوی قندھاری برکاتی ہندی (رحمہ اللہ تعالیٰ) ایسے علّامہ فہّامہ ہیں، کہ زمانہ کم ہی ایسے لوگوں کے وُجود سے سرفراز ہوتا ہے!... شیخ احمد رضا کے تبحرِ علمی، وُسعتِ مطالعہ اور مسلسل وصبر آزما دینی وعلمی کدوکاوش کا نتیجہ ہے، کہ پچاس ۵۰ سے زیادہ علوم وفنون میں آپ کو کامل مہارت حاصل تھی"[۳]۔

---

(۱) "امام احمد رضا علمائے شام کی نظر میں" مفتیٔ دِمشق شیخ عبد الفتّاح بزم، صـ۴۴، ملخصًا۔ "ماہنامہ معارفِ رضا" کراچی، جون ۲۰۰۵ء، صـ۷۔

(۲) "المنظومة السلامية في مدح خير البريّة" المقدّمة، صـ ٣٤.

(۳) انظر: "شاعر من الهند" المقدّمة، صـ ١٠، ملخصاً.

ڈاکٹر عِماد عبد السلام رؤوف

(۱۲) ڈاکٹر عِماد عبد السّلام رؤوف (بغداد شریف، عراق) امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجتہدانہ صلاحیتوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "شیخ احمد رضا کو بہت سے علوم ومَعارف، بالخصوص علومِ شرعیہ میں اس حد تک مہارت تھی، کہ تحقیق ودِقّتِ نظر کے اعتبار سے وہ اکثر موضوعات میں مجتہدانہ صلاحیت کے حامل تھے، اور ان کی تحقیقات واِفادات کو ایک مستقل فقہی مکتبِ فکر کہا جاسکتا ہے"[۱]۔

ڈاکٹر سیّد شِہاب الدین فَرفور ابن شیخ صالح فرفور حسنی شامی

(۱۳) ڈاکٹر سیّد شِہاب الدین فَرفور ابن شیخ صالح فرفور حسنی شامی فرماتے ہیں کہ "سُوریّہ (شام) کے مسلمان امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک بڑے فقیہ مجتہد اور مجدِد کی حیثیت سے دیکھتے ہیں؛ کیونکہ انہوں نے فقہ کی بڑی بڑی کتابوں "مُسلّم الثبوت" اور علّامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتاوی اور ایسے ہی دیگر کئی کتابوں پر حاشیہ اور تعلیقات تحریر کی ہیں۔ ہمارے ملکِ شام میں جب سے امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیفات متعارف ہوئیں ہیں، ہر ایک ان کی کتب کی طرف رجوع کرتا ہے!"[۲]۔

ڈاکٹر عدنان درویش

(۱۴) ڈاکٹر عدنان درویش (اُستاد معہد الفتح الاسلامی، دِمشق) فرماتے ہیں کہ "میں نے گزشتہ کئی صدیوں کے مجدّدینِ کرام کی نگارشات کا مطالعہ کیا ہے، لیکن

---

(۱) "خیابانِ رضا" امام احمد رضا: جدید علمائے عرب کی نظر میں" ص۷۔

(۲) "امام احمد رضا علمائے شام کی نظر میں" فضیلۃ الشیخ سیّد شِہاب الدین فَرفور شامی، ص۴۵، ملخصًا۔ "ماہنامہ معارفِ رضا" کراچی، مئی ۲۰۰۶ء، ص۷۔

جب امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیفات نظر سے گزریں، تو میں نے محسوس کیا کہ امام مَوصوف کا تجدیدی و تصنیفی کام ان سب پر بھاری ہے، اُن کی تحقیقات، تصنیفات، اور عقائد و معمولات کو ملکِ شام کے علماء بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں"(۱)۔

امام احمد رضا کا تبحرِ علمی اور مخالفین

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کی فقہی آراء اور تبحرِ علمی کا اعتراف مسلکی اختلاف کے باوُجود آپ کے مخالفین کو بھی ہے، اس سلسلے میں چند مثالیں حسبِ ذیل ہیں:

مولوی اشرف علی تھانوی

(ا) اشرف علی تھانوی امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کے تبحرِ علمی کے قائل تھے، اس بارے میں مولانا کوثر نیازی لکھتے ہیں کہ "مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا شفیع دیوبندی سے میں نے سنا، کہ جب مولانا احمد رضا صاحب کی وفات ہوگئی تو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو آکر کسی نے اطلاع کی، مولانا تھانوی نے بے اختیار دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے، حاضرینِ مجلس ہی میں سے کسی نے پوچھا کہ وہ تو عمر بھر آپ کو کافر کہتے رہے، اور آپ اُن کے لیے دعائے مغفرت کر رہے ہیں! فرمایا: "یہی بات سمجھنے کی ہے، مولانا احمد رضا نے ہم پر کفر کے فتوے اس لیے لگائے؛ کہ انہیں یقین تھا کہ ہم نے توہینِ رسول کی ہے، اگر وہ یقین رکھتے ہوئے ہم پر کفر کا فتویٰ نہ لگاتے تو وہ خود کافر ہو جاتے"(۲)۔

---

(۱) "امام احمد رضا علمائے شام کی نظر میں" ڈاکٹر عدنان درویش، ص۴۵، ملخصًا۔ "ماہنامہ معارفِ رضا" کراچی، جون ۲۰۰۵ء، ص۷۔

(۲) "امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت" ص۱۹۔

مفتی کفایت اللہ دہلوی

(۲) مسلکِ دیوبند کے مشہور عالم مفتی کفایت اللہ دہلوی نے، امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ کے علمی مقام کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ "اس میں کوئی کلام نہیں کہ مولانا احمد رضا کا علم بہت وسیع تھا"[۱]۔

مولوی نظام الدین فقیہ وہابی

(۳) سراج الفقہاء حضرت علّامہ سراج احمد قدّس سرّہٗ (مفتی سراج العلوم خانپور) تحریر فرماتے ہیں کہ "مولوی نظام الدین فقیہ وہابی، تفُقہ میں اپنے ہمعصر علمائے دیوبند وغیرہ سے، اپنے آپ جیسا فائق کسی کو نہ جانتا تھا، جب میں نے اُسے امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تحریر کردہ رسالہ "الفضل الموهبي" کے ابتدائی اَوراق سے مَنازل حدیث کے سنائے، تو اس نے کہا کہ "یہ سب منازِلِ فہمِ حدیث مولانا (امام احمد رضا خان) کو حاصل تھے، افسوس کہ میں اُن کے زمانہ میں رہ کر بھی بے خبر و بے فیض رہا!"۔

سراج الفقہاء مزید فرماتے ہیں کہ پھر ہم نے چند مسائلِ فقہ کے جوابات رسائلِ رضویہ سے سنائے، تو مولوی نظام الدین وہابی نے کہا کہ "علّامہ شامی اور صاحبِ فتح القدیر مولانا (امام احمد رضا خان) کے شاگرد ہیں، یہ (شخص) تو امامِ اَعظم ثانی معلوم ہوتا ہے!""[۲]۔

---

(۱) "خیابانِ رضا" علمائے دیوبند کے نزدیک مولانا احمد رضا بریلوی کا علمی مقام، ص۳۸۰۔

(۲) "ماہنامہ المیزان" "امام احمد رضا نمبر، امام احمد رضا اور سراج الفقہاء، ص۱۸۵، ۱۸۶۔

سراج الفقہاء حضرت علّامہ سراج احمد قدس سرہٗ مزید فرماتے ہیں کہ "میں اس (مولوی نظام الدین وہابی) کے اس قول کی تصدیق کرتا ہوں کہ علّامہ شامی وغیرہ امام، امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد ہیں"۔

مولوی زکریا شاہ بنوری

(۴) مولوی زکریا شاہ بنّوری نے امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کی دینی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ "اگر اللہ تعالی ہندوستان میں احمد رضا بریلوی کو پیدا نہ فرماتا، تو ہندوستان سے حنفیت ختم ہو جاتی!"[۱]۔

مولوی فخر الدین مراد آبادی

(۵) مولوی فخر الدین مرادآبادی دیوبندی نے امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کے تبحرِ علمی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ "مولانا احمد رضا خان سے ہماری مخالفت اپنی جگہ تھی، مگر ہمیں ان کی خدمات پر بڑا ناز ہے! غیر مسلموں سے ہم آج تک بڑے فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتے تھے، کہ دنیا بھر کے علوم اگر کسی ایک ذات میں جمع ہو سکتے ہیں، تو وہ مسلمان ہی کی ذات ہو سکتی ہے، دیکھ لو! مسلمانوں ہی میں مولوی احمد رضا خان کی ایسی شخصیت آج بھی موجود ہے، جو دنیا بھر کے علوم میں یکساں مہارت رکھتی ہے! ہائے افسوس کہ آج ان کے دَم (وصال شریف) کے ساتھ ہمارا فخر بھی رخصت ہو گیا!"[۲]۔

---

(۱) "خیابانِ رضا" علمائے دیوبند کے نزدیک مولانا احمد رضا بریلوی کا علمی مقام، ص۳۸۰۔

(۲) "سفید وسیاہ" ص۱۱۶۔

مولوی محمد شریف کشمیری

(٦) مولوی محمد شریف کشمیری نے کہا کہ "مولوی احمد رضا خان جیسا عالم، میں نے بریلویوں میں نہ دیکھا اور نہ سنا، وہ اپنی مثال آپ تھے، اُن کی تحقیقات علماء کو دنگ کر دیتی ہیں!"[۱]۔

ابو الاعلیٰ موڈودی

(٧) جماعت اسلامی کے بانی ابوالاعلیٰ موڈودی لکھتے ہیں کہ "مولانا احمد رضا خان صاحب کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے، فی الواقع وہ علومِ دینی پر بڑی نظر رکھتے تھے، اور اُن کی اس فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو اُن سے اختلاف رکھتے ہیں! نزاعی مَباحث کی وجہ سے جو تلخیاں پیدا ہوئیں وہی دراصل ان کے علمی کمالات اور دینی خدمات پر پردہ ڈالنے کی مُوجِب ہوئیں"[۲]۔

عبدالقدوس ہاشمی دیوبندی

(٨) سیّد الطاف علی صاحب کے بقول: مولوی عبدالقدوس ہاشمی دیوبندی نے امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ کے تبحرِ علمی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ "قرآن پاک کا سب سے بہتر ترجمہ (کنزالایمان) مولانا احمد رضا خان کا ہے! جو لفظ انہوں نے ایک جگہ رکھ دیا ہے، اس سے بہتر لفظ کا تصوُّر بھی نہیں کیا جا سکتا!"[۳]۔

---

(۱) "خیابانِ رضا" علمائے دیوبند کے نزدیک مولانا احمد رضا بریلوی کا علمی مقام، ص۳۸۱۔

(۲) "مقالاتِ یومِ رضا" پیغامات، حصّہ دُوم، ص۶۰۔ "سفید و سیاہ" بحوالہ ہفت روزہ "شِہاب" ۲۵ نومبر ۱۹۶۲ء، ص۱۱۳۔

(۳) "خیابانِ رضا" (امام احمد رضا مشاہیر کی نظر میں) اعلیٰ حضرت بریلوی سیّد الطاف علی بریلوی کی نظر میں، ص۱۲۱۔

مفتی انتظام اللہ شِہابی

(۹) مفتی انتظام اللہ شِہابی لکھتے ہیں کہ " حضرت مولانا احمد رضا خان مرحوم اس عہد کے چُوٹی کے عالم تھے، جزئیاتِ فقہ میں انہیں یدِ طُولی حاصل تھا، ان کے ترجمۂ کلامِ مجید (کنزالایمان) اور "فتاویٰ رضویہ" وغیرہ کا مطالعہ کر چکا ہوں، مولانا کا نعتیہ کلام (حدائقِ بخشش) پُر اثر ہے، میرے دوست ڈاکٹر سراج الحق (Ph.D) تو مولانا (امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے کلام کے گرویدہ ہیں، اور مولانا کو عاشقِ رسول سے خطاب کرتے ہیں، مولانا کی دینی معلومات پر گہری نظر تھی "[۱]۔

مولوی شبلی نعمانی

(۱۰) شبلی نعمانی امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تبحرِ علمی کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "مولانا (امام احمد رضا) کا علمی شجرہ اس قدر بلند درجہ کا ہے کہ اس دَور کے تمام عالمِ دین، مولوی احمد رضا خان صاحب کے سامنے پر کاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے "[۲]۔

شاہ معین الدین ندوی

(۱۱) مولانا شاہ معین الدین نَدوی لکھتے ہیں کہ "مولانا احمد رضا خان مرحوم صاحبِ علم و نظر علماء و مصنّفین میں سے تھے، دینی علوم خصوصاً فقہ و حدیث پر ان کی نظر وسیع و گہری تھی "[۳]۔

---

(۱) "مقالاتِ یومِ رضا" پیغامات، حصّہ دُوم، ص۷۔ "سفید و سیاہ" ص۱۱۵۔

(۲) "خیابانِ رضا" علمائے دیوبند کے نزدیک مولانا احمد رضا بریلوی کا علمی مقام، ص۳۸۰۔

(۳) ایضاً، ص۳۸۰۔

مولوی محمد اسحاق وہابی

(۱۲) امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علمی مقام ومرتبہ کا اعتراف کرتے ہوئے مولوی محمد اسحاق وہابی نے کہا کہ "میں ہرگز اس بات کا پابند نہیں ہوں کہ یہ اہلِ حدیثوں کی مسجد ہے (تو میں حق بات کہنے سے اجتناب کروں)، جو بات حق ہوگی چاہے وہ بریلویوں کی ہو، میں منبر پر کھڑے ہو کر کہوں گا کہ (امام) احمد رضا خان کی یہ بات حق ہے! کیا آپ نے سنا نہیں میں اُسے "رحمۃ اللہ علیہ" کہتا ہوں، بعض حضرات اس پر ناراض ہوئے تو میں نے کہا کہ "کیا رحمت پر آپ کا قبضہ ہے؟" اختلاف بالحق ہے، کیا وہ عالم نہیں تھے؟ ہم بھی سمجھتے ہیں کہ بعض باتیں ان کی (ہمارے خیال میں) دُرست نہیں، لیکن کیا ہماری ساری باتیں دُرست ہیں؟ کیا ہم پر (معاذاللہ) وحی آتی ہے؟ لہٰذا لوگوں کو جینے دو، اور جو عالم کوئی رائے پیش کرے، اگر اس کے دلائل وزنی (مضبوط) ہوں تو قبول کرو، ورنہ اختلاف ادب سے کرو کہ ہمارے خیال میں یہ بات درست نہیں"[۱]۔

جسٹس ملک غلام علی

(۱۳) مودُودی صاحب کے مشیر جسٹس ملک غلام علی لکھتے ہیں کہ "حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کے بارے میں اب تک ہم لوگ سخت غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں، ان کی بعض تصانیف اور فتاوی کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں، کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے، اور عشقِ خدا اور رسول تو ان کی سطر سطر سے پُھوٹ رہا ہے"[۲]۔

---

(۱) "وائس کلپ یوٹیوب"۔

(۲) "سفید وسیاہ" بحوالہ "ارمُغانِ حرم" لکھنؤ، ص۱۱۴۔

منظور الحق (صحافی)

(۱۴) جماعت اسلامی کے مشہور صحافی منظور الحق صاحب لکھتے ہیں کہ "جب ہم امام موصوف (امام احمد رضا) کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص اپنی علمی فضیلت اور عبقریت کی وجہ سے دوسرے علماء پر اکیلا ہی بھاری ہے!"[۱]۔

(۱) "سفید و سیاہ" بحوالہ "ماہنامہ حجاز" نئی دہلی، جنوری ۱۹۸۹، ص ۱۱۷۔

باب پنجم ۵

علمِ کلام میں امام احمد رضا کا اجتہادی مقام

یُوں تو مجدّدِ دین وملّت[۱] امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی تقریبًا ہر تحریر میں اجتہادی رنگ غالب دکھائی دیتا ہے، اور اس کی جھلک صاف ملاحظہ کی جا سکتی ہے، لیکن بعض مسائل، فتاوی اور تحریریں ایسی ہیں جنہیں ملاحظہ کرنے کے بعد، طبقاتِ فقہاء ومجتہدین میں امام اہلِ سنّت کے اجتہادی مقام ومنصب کی تعیین کرکے اسے تسلیم کرنا آسان ہوجاتا ہے، بطور نمونہ ان تحریروں میں سے چند مثالیں حسبِ ذیل ہیں:

بظاہر کلمۂ کفر معلوم ہونے والے جملوں میں تاویل صحیح

(۱) امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی بارگاہ میں بصورتِ استفتاء یہ دریافت کیا گیا کہ "زید نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کے شروع میں عربی عبارت میں اس طرح لکھا ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم، إلهُنا محمِدٌ وهو معبودٌ جلّ شأنُه وعزَّ برهانُه، ورسولُنا محمَدٌ وهو محمودٌ ﷺ. ان الفاظ کی کوئی تاویل ہوسکتی ہے یانہیں؟ اگر نہیں تو ایسے لکھنے والے پر شرعًا کیا حکم ہے؟ اور اس سے میل جول رکھنا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا، اور ایسے اعتقاد والے سے نکاح وغیرہ پڑھوانا شرعًا کیسا ہے؟"۔

اعلی حضرت امام احمد رضا نے اپنے معاصرین علماء کے نزدیک بظاہر کلمۂ کفر

---

(۱) یہ لقب قطبِ مدینہ شیخ ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالٰی نے امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالٰی سے متعلق اپنے تاثرات میں ذکر فرمایا۔ [انظر: "حياة الإمام" ١٩- الشيخ محمد ضياء الدين أحمد مهاجر المدني، صـ٧٤]

معلوم ہونے والے جملے میں، اپنی مجتہدانہ شان سے ایسی بہترین تاویل بیان فرمائی کہ احتمالِ کفر بالکل جاتا رہا، اور شرعاً معنی صحیح ہو گئے!۔

عمدۃ العلماء(۱) امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ "ہمارے ائمہ نے حکم دیا ہے کہ اگر کسی کلام میں ننانوے ۹۹ احتمال کفر کے ہوں اور ایک اسلام کا، تو واجب ہے کہ احتمال اسلام پر کلام محمول کیا جائے(۲)، جب تک اس کا خلاف ثابت نہ ہو، پہلے جملہ میں محمد بفتح میم کیوں پڑھا جائے؟ مُحمِّد بکسر میم کہا جائے، یعنی حضور سیّدِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محمد ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، (یعنی) بار بار بکثرت حمد و ثنا کیے گئے، اور ان کا رَب عزوجل ان کا محمِّد ہے، (یعنی) بار بار بکثرت ان کی مدح و تعریف فرمانے والا، اَب یہ معنی صحیح ہو گئے، اور لفظ بالکل کفر سے نکل گیا۔ اور اگر بفتحِ میم ہی پڑھیں اور معنی لغوی مُراد ہیں یعنی "ہمارا رب عزوجل بار بار بکثرت حمد کیا گیا ہے" جب بھی عند اللہ کفر نہ ہو گا، مگر اَب صرف

---

(۱) یہ لقب شیخ محمد مختار بن عطارد جاوی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ سے متعلق اپنے تاثرات تاثرات میں ذکر فرمایا۔ [انظر: "حياة الإمام" ١٩- الشيخ محمد مختار بن عطارد الجاوي، صـ٧٥]

(٢) انظر: "مرقاة المفاتيح" للقاري، كتاب فضائل القرآن، ٤/ ١٥١٠. وقال السيِّد محمد رشيد رضا في هذا القول: "قالت الحنفيةُ - عليهم الرحمة - ما معناه: (لو أمكن أن يُكفَّر المرء في أمر من تسعة وتسعين وجهاً، ومن وجهٍ واحدٍ لا يكفر، يُرجَّح عدمُ التكفير على التكفير؛ لخطره في الدِّين". [انظر: "مجلّة المنار" لمحمد رشيد رضا، حملة الأعلام المحققين على المتفقهة المكفّرين، ١٦/ ٣٣]. وقال سيد سابق: "حتى نُسب إلى الإمام مالك رضي الله تعالى عنه قال: من صدر عنه (أي: المسلم) ما يحتمل الكفر من تسعة وتسعين وجهاً، ويحتمل الايمان من وجه، حمل أمره على الايمان". [انظر: "فقه السنّة" لسيد سابق، الحدود، الردّة، ٢/ ٤٥٣، ٤٥٤].

نیّت کا فرق ہو گا، بہر حال (اس جملے کے) ناجائز ہونے میں شُبہ نہیں "[۱]۔

(۲) امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ "ایک شخص اپنے پیر کے لڑکے کو نبی زادہ لکھا کرتا ہے، اس کا اور جو لوگ اُسے اچھا سمجھ کر خوش ہوتے ہیں، اُن کا شرع شریف میں کیا حکم ہے؟"۔ سیّدی اعلی حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواباً اس جملے میں اپنے اجتہاد سے تاویلِ شرعی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "اگر اس کا مرشد سیّد ہے بایں معنی اسے نبی زادہ لکھتا ہے تو بجا ہے، اور اگر وہ سیّد نہیں بلکہ مرشد کو نبی ٹھہرا کر اس کے لڑکے کو نبی زادہ لکھتا ہے، تو وہ بھی کافر اور جتنے اس (جملے) پر خوش ہوتے ہیں وہ بھی "[۲]۔

(۳) ایک بار حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ "اگر کوئی شخص اُمورِ شرعی کی بابت یہ الفاظ کہے کہ "شرع کیا چیز ہے؟ آج کل شرع پر کون عمل کرتا ہے! یہ شرع بھی ایک بحث نکال رکھی ہے" وہ شخص عند الشرع کیسا ہے؟"۔ امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی فقہی بصیرت سے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ "اگر اس نے واقعی طور پر یہ الفاظ کہے تو کافر ہو گیا"[۳]۔

پھر بظاہر کلمۂ کفر معلوم ہونے والے اس جملے میں اپنی شانِ اجتہاد سے تاویلِ شرعی بیان کرتے ہوئے، امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا کہ "اگر (یہ جملہ) لوگوں پر طعن کے طَور پر کہا یعنی "آج کل لوگوں نے شرع کو ایسا سمجھ رکھا ہے" تو سخت گنہگار ہوا؛ کہ عام کہا، اور لفظ بھی معنیٔ کفر کو مُوہِم ہیں "[۴]۔

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب السیر، ۱۱/ ۱۴۴، ۱۴۵۔

(۲) "فتاوی رضویہ" کتاب السیر، ۱۱/ ۸۶۔

(۳) "فتاوی رضویہ" کتاب السیر، ۱۱/ ۱۴۴۔

(۴) ایضاً۔

یعنی مذکورہ کلمات بظاہر شریعت کے اِستخفاف اور تحقیر پر مبنی ہیں، لہذا اس کے قائل نے اگر بطورِ استخفاف وتحقیر یہ کلمات کہے تو کافر ہوگیا، اور اگر یہ کلمات بطور طعن ادا کیے تب بھی سخت گنہگار ٹھہرا؛ کیونکہ ان کلمات کے ظاہری معنی کفر کے ہیں۔ نیز "آج کل شرع پر کون عمل کرتا ہے!" یہ جملہ عام ہے، جو علماء، اَولیاء اور صُوفیہ سب کو شامل ہے، یعنی اس جملے میں ضمناً ان پاکیزہ نُفوس کی بھی توہین وتحقیر ہے!!۔

(۴) مجدّدِ اعظم امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک مسئلہ پوچھا گیا کہ "ایک مسلمان شخص نے اپنی زبان سے قصداً کہا کہ "میں خُدا اور رسول کو نہیں جانتا ہوں کہ کون ہیں، اور نہ مسجد کو جانتا ہوں کہ کیا چیز ہے"، اور وہ شخص عمر کا بھی بالغ ہے، پس اس شخص کو کیا کہنا چاہیے؟ اور اس کا نکاح قائم رہا یا نہیں؟ اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟"۔ حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی فقہی بصیرت سے اس جملے میں بھی ممکنہ تاویلِ شرعی بیان کی، اور فرمایا کہ "اگر یہ کلمات بطورِ تحقیر کہے ہیں تو یقیناً کافر ومرتد ہے، عورت اس کے نکاح سے نکل گئی، اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام، اور اگر اپنی حالت پر افسوس اور اپنے جہل کے بیان کے لیے کہا کہ میں ایسا جاہل کہ نہ خدا کی پہچان، نہ رسول کی معرفت، نہ مسجد ہی کی کوئی قدر شناسی مجھے ہوتی ہے، تو اس پر اِلزام نہیں، سوا اس کے کہ طرزِ ادا اچھی نہیں"(۱)۔

(۵) امام احمد رضا علیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک بار عرض کی گئی کہ "کوئی شخص سنّت وجماعت میں سے نماز سے انکار کرے، اور اس سے کہا جائے کہ نماز سے انکار کرنا کفر

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب السیر، ۱۱/ ۱۴۶، ۱۴۷۔

ہے، اس کے جواب میں وہ کہے کہ میں کافر ہی سہی، ایسے شخص کی نسبت کیا حکم ہے؟"۔ امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ اجتہاد سے اس قول کی تاویل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "نماز سے انکار یہ بھی ہے کہ وہ کہے میں نہیں پڑھتا یا نہیں پڑھوں گا، اس قدر سے کافر نہ ہوگا جب تک نماز کی فرضیت سے انکار یا اس کا استخفاف نہ کرے، اگر شخص مذکور کا انکار اس حد کا نہ تھا تو جس نے اس کے انکار پر حکمِ کفر لگایا خاطی ہوا، اور اسی کی زیادتی اس شخص کو ایسے کلمۂ مردودہ کی طرف لے گئی، بہرحال اپنے آپ کو یہ کہنا کہ **"کافر ہی سہی"** اس کا ظاہر (معاذاللہ) قبولِ کفر ہے، اور قبولِ کفر یقیناً کفر ہے، مگر اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ "تمہارے نزدیک کافر ہی سہی" لہٰذا حکم تکفیر نہ کیا جائے گا، البتہ (احتیاطاً) تجدید اسلام و تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا"[1]۔

(٦) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ برِ صغیر کے نامور عالمِ دین، اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے فقیہ تھے، ایک بار امام اہل سنّت کی بارگاہ میں عرض کی گئی کہ "اگر وعظ میں کوئی کہے کہ "بعد خدا کے درجہ عالم کا ہے" فقط، تو اس کا کیا حکم ہے؟" امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس جملے کا حکمِ شرعی اور ممکنہ تاویل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "اگر اس نے عالم سے مُراد یہی عُرفی علماء لیے، جنہیں مولوی کہتے ہیں، تو یہ کلمہ کفر ہوگا؛ کہ اس میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر علماء کی تفضیل لازم آتی ہے، اور اگر مطلق عالم مُراد لیا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی شامل ہے، تمام عالم سے اعلیٰ واعلم تو وہی ہیں، تو ضرور حق ہے، اور جب بات محتمل ہے تو قائل پر کوئی حکم نہیں ہو سکتا، جب

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب السیر، ۱۱/ ۱۵۹۔

تک کہ اس کے قرائنِ کلام سے متعیّن نہ ہوتا ہو"[۱]۔

(۷) ایک بار امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے بظاہر کلمۂ کفر پر مشتمل ایک شعر کے بارے میں حکمِ شرعی معلوم کرنے کے لیے پوچھا گیا کہ "کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ... ؏

ہمارے سرورِ عالَم کا رُتبہ کوئی کیا جانے
خدا سے ملنا چاہے تو محمد کو خدا جانے!

یہ شعر عام طور پر حضور سرورِ عالَم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محفلِ میلاد شریف میں پڑھنا درست ہے یا نہیں؟"۔ امام احمد رضا نے پہلے اس شعر کا ظاہری حکم اور پھر تاویل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "اس شعر کا ظاہر صریح کفر ہے، اور اس کا پڑھنا حرام ہے، اور جو اس کے ظاہر مضمون کا معتقد ہو یقیناً کافر ہے۔ ہاں اگر بقرینۂ مصرعۂ اُولی یہ تاویل کرے کہ "خدا سے ملنا چاہے تو یوں سمجھے کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مرتبہ کو اللہ ہی جانتا ہے "تو یہ معنی صحیح ہے، مگر ایسا مُوہِم لفظ بولنا جائز نہیں"[۲]۔

نیز مذکورہ بالا فتوی اس اَمر کی بیّن دلیل ہے، کہ امام احمد رضا نے ہمیشہ احتیاط کا دامن تھامے رکھا، اور کسی کی تکفیر میں کبھی عجلت سے کام نہ لیا!۔

خلاصۂ کلام: مذکورہ بالا تمام کلمات وہ ہیں جن پر امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالٰی کے مُعاصِر علماء نے حکمِ کفر جاری کیا، لیکن اُن کی تاویل بھی ممکن تھی، جبکہ کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں ملتی، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالٰی نے اکابرِ اُمّت کی عبارتوں کو پیشِ

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب السیر، ۱۱/ ۱۷۲۔
(۲) "فتاوی رضویہ" کتاب السیر، ۱۱/ ۲۶۷، ۲۶۸۔

نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ مسئلہ اس طرح بیان کیا کہ احتمالِ کفر جاتا رہا!۔

اللہ تعالی پر کذب مُحال ہے

اللہ تعالی پر کذب مُحال (ناممکن) ہے، یعنی جھوٹ بولنے کی نسبت کفر ہے، خاتمۃ المحققین[۱] امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اس موضوع پر "سبحان السُبُّوح" کے نام سے ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے، اور اس میں کذبِ باری تعالی کے مُحال ہونے، اور اِمکانِ کذب کے باطل ہونے پر تیس ۳۰ دلیلیں پیش کیں، جن میں سے پانچ ۵ دلیلیں کتبِ فقہاء سے ماخوذ ہیں، جبکہ منطقی وعقلی اِستدلات پر مشتمل مزید پچیس ۲۵ دلیلوں کا اِضافہ خود اپنے اجتہاد سے فرمایا، اور تحدیثِ نعمت کے طَور پر اس کا اِظہار کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ "فقیر -غفر اللہ تعالیٰ- بتوفیقِ مولیٰ سبحانہ وتعالی ان مختصر سطور میں بہ لحاظِ ایجاز کذبِ باری -عزّ اسمہ- کے مُحالِ صریح، اور توہُمِ امکان کے باطل قبیح ہونے پر صرف تیس ۳۰ دلیلیں ذکر کرتا ہے، جن میں سے خمسۂ اُولیٰ کلماتِ طیّبات ائمۂ کرام وعلمائے عظام -علیہم رحمۃ الملک المنعام- میں ارشاد وانعام ہوئیں، اور باقی پچیس ۲۵ ہادیٔ اجلّ عزّوجلّ کے فیضِ ازل سے عبدِ اذل کے قلب پر اِلقاء کی گئیں!"[۲]۔ یہ

---

(۱) یہ لقب شیخ محمد مختار بن عطارد جاوی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق اپنے تاثرات تاثرات میں ذکر فرمایا۔ [انظر: "حياة الإمام" ١٩- الشيخ محمد مختار بن عطارد الجاوي، صـ٧٥]

(۲) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الرد المناظرہ، رسالہ "سبحان السُبُّوح عن عيب كذب مَقبُوح" ۱۰۹/۲۰۔

یہ رسالۂ مبارکہ "فتاوی رضویہ"[۱] کی بیسویں ۲۰ جلد میں کتاب الرّد والمناظرہ[۲] کے تحت ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، البتہ علمائے محققین کے سلطان[۳] امام احمد رضا کی پیش کردہ چند دلیلیں حسبِ ذیل ہیں:

کذبِ باری تعالی کے استحالہ پر چند دلیلیں

(۱) دلیلِ ہفتم۷ وهو أخصَر وأظهَر: **أقول** وبالله التوفيق:

اِمکانِ کذب اس کی فعلیت، بلکہ دَوام، بلکہ ضرورت کو مستلزِم، کہ اگر کلام نفسی اَزَلی اَبَدی واجب للذات مستحیل التجدّد کذب پر مشتمل نہ ہو، تو کلامِ لفظی کا کذب ممکن نہیں، ورنہ وُجودِ دالّ بلا مدلول[۴] یا کذبِ دالّ مع صدق المدلول لازم آئے، اور دونوں بالبداہۃ مُحال۔ اور جب کلامِ لفظی میں کذب ممکن نہ ہو تو نفسی میں ممکن نہیں، ورنہ باری عزّوجلّ کا عجز عن التعبیر لازم آئے، تو لاجَرم اِمکانِ کذب ماننے والا اپنے رب کو واقعی کاذِب مانتا ہے، اور اس کے کلامِ نفسی میں کذب موجود بالفعل جانتا ہے، اور وہاں فعل ودَوام ووُجوب متلازِم!۔

---

(۱) زیرِ نظر کتاب میں شروع سے لے کر آخر تک "فتاوی رضویہ" کی تخاریج کے لیے جو نسخہ استعمال کیا گیا ہے، وہ "ادارۂ اہلِ سنّت" کراچی سے مطبوع ہے۔

(۲) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الرد المناظرہ، رسالہ "سبحان السُبُّوح" ۲۰/۹۱۔

(۳) یہ لقب شیخ محمد مختار بن عطارد جاوی شافعی رحمہ اللہ نے امام احمد رضا رحمہ اللہ سے متعلق اپنے تاثرات میں ذکر فرمایا۔ [انظر: "حياة الإمام" ۱۹- الشيخ محمد مختار بن عطارد الجاوي، صـ۷۵]

(٤) المدلول هو المعنى، فلا نقضَ بالمعدوم. منه [أي: من الإمام أحمد رضا]

کلامِ واحد میں اِمکانِ کذب بے فعلیتِ کذب متصور نہیں

اقول وباللہ التوفیق: تمہارے دعویٰ کا حاصل یہ کہ "بعضُ ما هو كلامُ الله تعالى، فهو ممكنُ الكذب بالضرورة" اور شک نہیں کہ "كلُّ ما هو ممكنُ الكذب كاذبٌ بالضرورة" کہ کلامِ واحد میں اِمکانِ کذب بے فعلیتِ کذب متصور نہیں، اور فعلیتِ کذب امتناعِ صدق، اور امتناعِ صدق ضرورتِ کذب ہے، نتیجہ نکلا: "بعضُ ما هو كلامُ الله تعالى كاذبٌ بالضرورة". اب اس میں وصفِ عنوانی کا صدق خواہ بالفعل -لو كما هو المشهورُ- خواہ بالاِمکان -كما هو عند الفارابي- ہر طرح باری عزّوجلّ کا (معاذاللہ) کاذب بالفعل ہونا لازم۔ بر تقدیرِ اوّل تو لُزوم بدیہی، اور بر تقدیرِ ثانی اس قضیہ یعنی "بعضُ ما هو كلامُ الله بالإمكان العامّ كاذبٌ" کو کبریٰ کیجیے، اور قضیہ: "كلُّ ما هو كلامُ الله بالإمكان العامّ فهو كلامُ الله بالفعل" کو صغریٰ، ثبوتِ صغریٰ یہ کہ باری تعالی کے لیے کوئی حالتِ منتظرہ نہیں، شکلِ ثالث کی ضربِ خامس پھر وہی نتیجہ دے گی کہ "بعضُ ما هو كلامُ الله بالفعل كاذبٌ بالضرورة" والعياذ بالله تعالى. بلکہ حقیقۃً یہ وجہِ دلیل (۱) مستقل ہونے کے قابل، كما لا يخفى على المتأمِّل، والله

---

(۱) **حاصل الوجه الأوّل:** أنّ على قول الإمكان لابدّ من فعليته في الكلام النفسي، وإلّا لامتنعَ في اللفظي؛ لأنّه لا يكون إلّا تعبيراً عن نفسي، ولا إمكانَ هاهنا لنفسي آخَر غير هذا الموجود، المفروض أن لا كذبَ فيه، والتعبيرُ عن الصادق بالكاذب مُحالٌ، وإذا امتنع في اللفظي امتنعَ في النفسي، وإلّا لزم العجزُ عن التعبير، فلولم يوجَد في النفسي بالفعل لامتنعَ =

والله الموفِّق لإبطال الباطل!.

(۲) دلیلِ ہشتم۸: اقول وباللہ التوفیق: صدقِ الٰہی صفتِ قائمہ بذاتِ کریم ہے، ورنہ مخلوق ہو گا؛ کہ ذات وصفات کے سوا سب مخلوق، اور ہر مخلوق عدم سے مسبوق، تولازم کہ غیر متناہی دَورِ اَزَل میں اللہ تعالی سچا نہ ہو، تعالى الله عن ذلك عُلوّاً كبيراً! اور جب صدق صفتِ قائمہ بالذات ہے، اور صفات مقتضائے ذات، اور مقتضائے ذات میں تغیّر مُحال؛ کہ تغیّر مقتضَی تغیّر مقتضِی کو مقتضِی، اور تغیّرِ ذات عموماً مُحال، خصوصاً جنابِ عزّت میں، جہاں تغیّرِ صفت بھی مستحیل، تولاجَرم کذب مُنافئ ذات ہوا، اور مُنافئ ذات کا وُقوع نافئ ذات، اس سے بڑھ کراَور کیا استحالہ متصور؟!

(۳) دلیلِ بست وچہارم۲۴: اقول وباللہ التوفیق: بالفرض اگر کذب کو عیب ومنقصت نہ مانیے، تو اتنا بالضرورۃ ضرور کہ کوئی کمال نہیں، ورنہ مولیٰ تعالی کے لیے واجب الثبوت ہوتا، اور عقلِ سلیم شاہد کہ باری عزّوجلّ کے لیے ایسی شَے کا ثبوت بھی مُحال جو کمال سے خالی ہو، اگرچہ نقص نہ ہو۔ علّامہ سعد الدین تفتازانی مبحثِ

=

أصلاً، لكنّه ممكنٌ عندك، فيجب أن يوجدَ فيدُوم فيجب.

وحاصل الثاني: أن لو أمكن في كلام له لوجدَ ذلك الكلامُ لعدم الانتظار، فيكون بعضُ ما هو كلامُه بالفعل ممكنَ الكذب، ولا يمكن كذبُ كلام إلّا إذا كان كاذِباً، والكاذبُ كاذبٌ بالضرورة، فبعضُ كلامه بالفعل كاذبٌ بالضرورة. وظاهرٌ أنّ بين الوجهَين بَوناً بيِّناً، فهُما دليلانِ مستقلّانِ حقيقةً، والحمد لله وبه التوفيق!. منه [أي: من الإمام أحمد رضا] سلّمه الله تعالى.

رابع، فصل تنزیہات "شرحِ مقاصد" میں فرماتے ہیں: "إن لم يكن مِن صفات الكمال، امتنع اتّصافُ الواجب به، للاتفاق على أنّ كلَّ ما يتّصف هو به، يلزم أن يكونَ صفةَ كمالٍ"[۱]. علّامہ ابنِ ابی شریف "شرح مُسایرہ" میں فرماتے ہیں: "يستحيل عليه -تعالى- كلُّ صفةٍ لا كمالَ فيها ولا نقص؛ لأنّ كُلًّا من صفات الإله صفةُ كمالٍ"[۲].

اگر باری تعالی مطلقًا جھوٹ پر قادر ہو، تولازم آئے گا کہ قرآن مخلوق ہو

(۴) دلیلِ بست وپنجم ۲۵: اقول وباللہ التوفیق: بداہتِ عقل شاہد عدل کہ جو مطلق کذب پر قادر ہوگا، کذب مطلق پر بھی قدرت رکھے گا؛ کہ بعض کلام میں کذب پر قادر، اور بعض میں اس سے عاجز ہونے کے کوئی معنی نہیں! اور قرآن کلام اللہ قطعًا حق، جس کے بعض قضایا مثل قوله تعالى: ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾[۳] وقوله تعالى: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾[٤] وغیرہما کے صدق پر عقل صرف بے توقُّفِ شرع وتوقیفِ سمع خود حکم کرتی ہے، تو واجب کہ قرآنِ عظیم مقتضائے ذات نہ ہو، ورنہ کذب مطلق مقدور نہ رہے گا؛ کہ کلامِ صادق ہرگز کاذب نہیں ہو سکتا، اور جو کچھ ذات نہ مقتضائے ذات، وہ قطعًا حادِث ومخلوق، تو کذبِ الٰہی کا ممکن ماننا قرآنِ عظیم کلام اللہ کے

---

(١) "شرح المقاصد" المقصد ٥، الفصل ٢، المبحث ٤ امتناع اتّصافه بالحادث، الجزء ٤، صـ٦٣.

(٢) "المسامَرة شرح المسايَرة" ختم المصنّف كتابه ببيان عقيدة أهل السُنّة إجمالاً، صـ٣٩٣.

(٣) پ٢٣، الصافّات: ٣٥.

(٤) پ٢٦، الفتح: ٢٩.

حادث ومخلوق ماننے کو مستلزِم۔ اب بعد تنبیہ بھی اِصرار کرو، تو اپنے معتزلی[1]، کرامی[2] گمراہ ہونے سے کیوں انکار کرو؟!

(۵) دلیلِ بست وششم۲۶: اقول وباللہ التوفیق: جب بر تقدیر اِمکانِ کذب، بوجہِ بطلان ترجیح بلا مرجّح، ونیز بحکمِ بداہت غیر مکذوبہ ہر فردِ کذب قدرتِ الٰہی میں ہوا، تو ہر فردِ صدق مقدور ہوگا، ورنہ صدق فی البعض واجب یا مُحال ہوگا، تو کذب فی البعض مُحال یا واجب، حالانکہ ہر فردِ کذب مقدور مانا تھا، هذا خلفٌ! پس صدق وکذب کا ہر ہر فرد مقدور ہوا، اور ہر مقدور حادِث، تو کلامِ الٰہی سے اَزَل میں مطابقت ولا مُطابقت دونوں مرتفع، اور یہ بداہۃً مُحال!۔

---

(۱) **"معتزِلہ"** ایک گمراہ فرقے کا نام ہے، جو شخص اس فرقے سے تعلق رکھتا ہے اُسے **"معتزلی"** کہتے ہیں۔ اس فرقے کی بنیاد صرف عقل (Reason) پر ہے، اس فرقے کے عقائد گمراہ کُن ہیں: ان کے نزدیک قرآن مخلوق ہے، توحید کو عقلاً معلوم کیا جا سکتا ہے، اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے، وغیرہ وغیرہ۔ [انظر: "شمس العلوم ودواء كلام العرب من الكلوم" للحميري، ۷/ ۴۵۲۱، ملخصاً].

(۲) **"کرامیہ"** بھی ایک گمراہ فرقے کا نام ہے، جس سے تعلق رکھنے والے کو **"کرامی"** کہا جاتا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ "اِیمان صرف ظاہری طَور پر اقرار کا نام ہے" اور "اِیمان نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم"۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ "تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قصداً گناہِ کبیرہ وصغیرہ کر سکتے ہیں" اور "منافق مؤمن ہے"۔ نیز "فرقہ کرامیہ" کے لوگ اللہ تعالی کے لیے جسم کے بھی قائل ہیں!۔ [انظر: "شمس العلوم" ۱/ ۳۲۸، ملخصاً. "القاموس المحيط" فصل الكاف، ۱/ ۱۱۵۴، ملخصاً].

رسولِ خدا کا چہرہ دیکھ کر ایمان لانے والوں نے کہا: "یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں"

(٦) دلیلِ بست و ہفتم ٢٧: اقول وباللہ التوفیق: کتبِ حدیث وسیر مطالعہ کیجیے، بہت خوش نصیب ذی عقل لبیب، صرف جمالِ جہاں آرائے حضور پُر نور سیّدِ عالم سرورِ اکرم مولائے اعظم ﷺ دیکھ کر ایمان لائے، کہ لیس ھذا وجہُ الکذّابین "یہ منہ جھوٹ بولنے والے کا نہیں"۔ اے شخص! یہ اس کے حبیب کا پیارا منہ تھا جس پر خوبیِ وبہارِ دو عالم نثار ﷺ، اور پاکی وقدّوسی ہے اُس کے وجہِ کریم کے لیے! واللہ! اگر آج حجاب اُٹھاویں تو ابھی کھلتا ہے کہ اس وجہِ کریم پر اِمکانِ کذب کی تہمت کس قدر جھوٹی تھی! مخالف اسے دلیلِ خطابی کہے کہے، مگر میں اسے حجتِ اِیقانی لقب دیتا، اور مسلمانوں کی ہدایتِ ایمانی سے انصاف لیتا، اور اپنے رب کے پاس اس دن کے لیے ودیعت رکھتا ہوں! یومَ ینفعُ الصادقینَ صدقُھمْ، یومَ لَا ینفعُ مالٌ ولَا بنونَ، إلَّا مَن أتَی اللہَ بقلبٍ سلیم! با ایں ہمہ اگر مُجادِل باز نہ آئے تو دلیلِ ہفتم میں وجہِ دُوم کہ بجائے خود دلیلِ مستقل تھی، اس کے عوض معدود جانے، بہرحال تیس ۳۰ کا عدد کامل مانے!۔

(٧) دلیلِ بست و ہشتم ٢٨: قال ﷻ: ﴿وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا﴾[1] "اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے؟"۔ **اقول** وباللہ التوفیق: آیۂ کریمہ نصِ جلی کہ کذبِ الٰہی مُحال عقلی ہے! وجہِ دلالت سنیے! خادمِ تفسیر وحدیث وواقفِ کلماتِ فقہاء پر روشن، کہ اَمثالِ عبارات اگرچہ بظاہر نفی مزیتِ غیر کرتی ہیں، مگر حقیقۃً تفضیلِ مطلق ونفئ برتر وہمسر کے لیے مسوق ہوتی ہیں، سیّدِ عالَم ﷺ سے افضل

---

(١) پ٥، النساء: ١٢٢.

کوئی نہیں، یعنی سیّدِ عالم ﷺ سب سے افضل ہیں: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾[۱] یعنی "صبغۃ اللہ سب سے احسن ہے" ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ﴾[۲] أي: هو أحسنُ قولاً من كلّ مَن عَداه.

علّامۃ الوُجود سیّدی ابو السعود -علیہ رحمۃ الوَدود- "تفسیر ارشاد" میں زیرِ قولہ تعالیٰ عزّوجلّ: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾[۳] فرماتے ہیں: "هو إنكارٌ واستبعادٌ لأن يكونَ أحدٌ أظلَمَ ممّن فعل ذلك أو مُساوياً له، وإن كان سُبكُ التركيب غيرَ متعرّض لإنكار المُساواة، ونفيُها يشهد به العُرفُ الفاشي، والاستعمالُ المطّرد؛ فإنّه إذا قيل: مَن أكرمُ مِن فُلان؟ أو لا أفضلَ مِن فُلان، فالمرادُ به حتماً أنّه أكرمُ من كلّ كريم، وأفضلُ من كلّ فاضل! ألا يرى إلى قوله ﷻ: ﴿لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ﴾ بعد قوله تعالى: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللهِ كَذِباً﴾ ...إلخ. والسرُّ في ذلك أنّ النسبةَ بين الشيئَين إنّما تتصوّر غالباً -لاسيّما في باب المُغالبة- بالتفاوُت زيادةً ونقصاناً، فإذا لم يكن أحدُهما أزيَدَ يتحقّق النقصانُ لا مُحالة"[٤].

تو لاجَرَم معنیٔ آیت یہ ہیں کہ "مولیٰ عزّوجلّ کی بات سب کی باتوں سے زیادہ

---

(١) پ١، البقرة: ١٣٨.

(٢) پ٢٤، فصّلت: ٣٣.

(٣) پ٧، الأنعام: ٢١.

(٤) "إرشاد العقل السليم" تحت الآية: ٢١، ٣/ ٢٧.

صادق ہے "جس کے صدق کو کسی کلام کا صدق نہیں پہنچتا، اور پُر ظاہر کہ صدقِ کلام[1] فی نفسہٖ اصلاً قابلِ تشکیک نہیں؛ کہ باعتبارِ ذوات قضایا خواہ اختلافِ قِدم وحُدوثِ کلام یا بقا وفنائے سخن، یا کمال ونقصانِ متکلّم، خواہ کسی وجہ سے اس میں تفاوُت مان سکیں، سچی سچی باتیں مطابقت واقع میں سب یکساں، اگر ذرا بھی فرق ہوا تو سرے سے سچ ہی نہ رہا، اصدق وصادق کہاں سے صادق آئے گا؟! یہ معنی اگرچہ فی نفسہٖ بدیہی ہیں مگر کلامِ واحد میں لحاظ کرنے سے ان اغبیاء پر بھی انکشافِ تامّ پائیں گے، جنہیں بدیہیات میں بھی حاجت شانہ جنبانی تنبیہ ہوتی ہے!۔

قرآنِ عظیم نے فرمایا: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ کہ ہم بھی کہتے ہیں: "محمد رسول اللہ ﷺ" کیا وہ جملہ "محمد رسول اللہ" کہ قرآن میں آیا، زیادہ مطابق واقع ہے؟ اور ہم نے جو "محمد رسول اللہ" کہا کم مطابق ہے؟ حاشا! کوئی مجنون بھی اس میں تفاوُت گمان نہ کرے گا!۔

یا متعدّد باتوں میں دیکھیے تو یوں نظر کیجیے: فرقانِ عزیز نے فرمایا: ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾[2] ہم کہتے ہیں: "لا إله إلّا الله الملك الحقّ المبين" کیا وہ ارشاد کہ "بچے کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوٹنا تیس ۳۰ مہینے میں ہے" زیادہ سچا ہے؟ اور اس قول کے صدق میں کہ "اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں" (معاذاللہ) کچھ کمی ہے؟ تو ثابت ہوا کہ اَصدقیت بمعنی أشدّ مطابقةً للواقع غیر معقول ہے۔ ہاں نظرِ سامع

---

(۱) الصدقُ تارةً يُنسَب إلى القول، وأُخرى إلى القائل. والكلامُ هاهنا في المعنى الأوّل، فلا يذهبنَّ هذا عنك!. منه [أي: من الإمام أحمد رضا]

(۲) پ۲٦، الأحقاف: ١٥.

میں ایک تفاوُت متصور، اور اس تشکیکِ اصدق وصادق میں وہی مقصود ومعتبر جسے دو ۲ عبارتوں سے تعبیر کر سکتے ہیں، ایک یہ کہ وقعت وقبول میں زائد ہے، مثلاً رسول کی بات ولی کی بات سے زیادہ سچی ہے، یعنی ایک کلام کہ ولی سے منقول، اگر وہی بعینہٖ رسول سے ثابت ہو جائے، قلوب میں وقعت اور قبول کی قوّت اور دلوں میں سکون وطمانیت ہی اَور پیدا کرے گا، کہ ولی سے ثبوت تک اس کا عُشر نہ تھا، اگرچہ بات حرف بحرف ایک ہے!۔

دوسرے احتمالِ کذب سے اَبعد ہونا، مثلاً مستور کی بات سے عادل کی بات صادق تر ہے، یعنی بنسبت اس کے احتمالِ کذب سے زیادہ دُور ہے، اور حقیقۃً تعبیرِ اوّل اسی تعبیرِ دُوم کی طرف راجع؛ کہ سامع کے نزدیک جس قدر احتمالِ کذب سے دُوری ہوگی، اسی درجہ وقعت ومقبولیت پوری ہوگی!۔

جب یہ امر ممہّد ہو گیا تو آیۂ کریمہ کا مفاد یہ قرار پایا، کہ اللہ عزّوجلّ کی بات ہر بات سے زیادہ احتمالِ کذب سے پاک ومنزّہ ہے! کوئی خبر اور کسی کی خبر اس امر میں اس کے مُساوی نہیں ہو سکتی! اور شاید حضراتِ مخالفین بھی اس سے انکار کرتے کچھ خوفِ خدا دل میں لائیں! اب جو ہم خبرِ اہلِ تواتر کو دیکھتے ہیں تو وہ بالبداہۃ بروَجہِ عادتِ دائمہ اَبدیہ غیر متخلفہ علمِ قطعی یقینی جازم ثابت غیر محتمل النقیض کو مفید ہوتی ہے، جس میں عقل کسی طرح تجویزِ خلاف رَوا نہیں رکھتی، اگرچہ بنظرِ نفسِ ذاتِ خبر ومخبر اِمکانِ ذاتی باقی ہے، کہ ان کا جمع علی الکذب قدرتِ الٰہیہ سے خارج نہیں۔ "تلویح" میں ہے:

"المتواترُ يُوجب علمَ اليقين، بمعنى أنّ العقلَ يحكم حكماً قطعيّاً بأنّهم لم يتواطئُوا على الكذب، وأنّ ما اتّفقوا عليه حقٌّ ثابتٌ في نفس الأمر غير محتمل للنقيض، لا بمعنى سلب الإمكان العقلي عن

تواطئهم على الكذب"[1] اهـ ملخّصاً. مگر ایسا اِمکان مُنافیٔ قطع بالمعنیٰ الاخص بھی نہیں ہوتا، كما حقّقه في "المواقف" و"شرحها" وأشار إليه في "شرح المقاصد" و"شرح العقائد" وغيرهما.

اسے پیشِ نظر رکھ کر کلامِ باری تعالی کی طرف چلیے! اِمکانِ کذب ماننے کے بعد مَباحثِ مذکورۂ دلیل دُوم ۲ وفرق اُمورِ عادیہ وارادۂ غَیبیہ سے قطعِ نظر بھی ہو، توغایت درجہ اس قدر کہ کلامِ ربّانی وخبرِ اہلِ تواتر کانٹے کی تول ہم پلّہ ہوں گے، جیسا احتمالِ کذب یعنی نافی قطع ومُنافیٔ جزم اس کلامِ پاک میں نہیں، اس سے خبرِ تواتر کا بھی دامن پاک! اور بنظرِ امکانِ ذاتی جو احتمال عقلی خبرِ تواتر میں ناشی، وہ بعینہٖ کلامِ الٰہی میں بھی باقی! پھر کلامِ الٰہی کا سب کلاموں سے اصدق ہونا، اور کسی کی بات کا اس سے صدقاً بھی ہمسری نہ کر سکنا کہ مفادِ آیۂ کریمہ تھا (معاذاللہ) کب درست آیا؟ بخلاف عقیدۂ مجیدہ اہلِ سنّت -وقایۃ اللہ لہم دامت- یعنی امتناعِ عقلی کذبِ الٰہی؛ کہ اس تقریر پر کلامِ مولیٰ جَلَّ وَعَلَا میں کسی طرح احتمالِ کذب کا اِمکان نہیں، بخلاف خبرِ تواتر؛ کہ احتمالِ اِمکانی رکھتی ہے، اور یہ بات قطعاً صرف اسی کے کلامِ پاک سے خاص! مُحال ہے کہ کوئی شخص ایسی صورت نکال سکے کہ کسی غیرِ خدا پر کذب مُحال عقلی ہو جائے! عصمت اگر بمعنی امتناعِ صُدور وعدمِ قدرت ہی لیجیے، تاہم امتناعِ ذاتی نہیں؛ کہ سلبِ عصمت خود زیرِ قدرت! اب -بحمد اللہ- شمسِ تابندہ کی طرح روشن درخشندہ صادق آیا کہ ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾[2] اور العزّۃ للہ! کیوں نہ صادق آئے؟ کہ آخر ﴿وَمَنْ

(۱) "التلويح والتوضيح" الركن ۲ في السُنّة، ۲/ ۳.

(۲) پ۵، النساء: ۱۲۲.

اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیۡثًا﴾[۱] دیکھو! یہ منشا تھا علماء کے اس ارشاد کا کہ زیرِ آیتِ کریمہ استدلال میں فرمایا کہ "کوئی اس سے کیونکر اصدق ہو سکے؟ کہ اس پر تو کذب مُحال اَوروں پر ممکن" والحمد لله ربّ العالمين![۲].

خلاصۂ کلام: اللہ تعالی کی طرف جُھوٹ کی نسبت کفر ہے، اکابر علماء نے یہ مسئلہ تو بیان کیا ہے، لیکن اس کی تائید میں جتنے دلائل امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی نے بیان فرمائے، کتبِ اکابر میں اُن کی صراحت نہیں ملتی، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی نے اکابر کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّھاً مزید پچیس ۲۵ دلیلوں کا اِضافہ کیا۔

حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو دافع البلاء کہنا جائز ہے

حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو دافع البلاء کہنا جائز ہے، اس موضوع پر امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالی علیہ نے مجتہدانہ کلام فرماتے ہوئے "الأمن والعُلى لناعتِي المصطفى بدافع البلاء" کے نام سے ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا، یہ رسالہ اس موضوع پر انتہائی جامع، اور اس کے تمام گوشوں پر ایسا حاوی ہے کہ اس کی نظیر ملنا بہت مشکل ہے۔ اس کتاب کو سیّدی اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالی علیہ نے ایک مقدّمہ، دو ۲ باب اور خاتمہ پر مرتَّب کیا ہے، مقدّمہ میں "عائدہ قاہرہ" کے عنوان سے منکِرین پر یہ اِلزامات ہیں، کہ اگر حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو دافع البلاء کہنا شرک ٹھہرے، تو سیکڑوں علمائے اُمّت مُشرک ٹھہریں گے!۔

---

(۱) پ۵، النساء: ۸۷.

(۲) "فتاوی رضویہ" کتاب الرد المناظرہ، رسالہ "سبحان السُبُّوح" ۲۰/۱۱۱- ۱۱۷، ملتقطاً۔

اس کے بعد "فائدہ زاہرہ" کے عنوان سے اس مسئلہ کا حل پیش فرمایا کہ اِسناد کی دو ۲ قسمیں ہیں: (۱) اِسنادِ حقیقی (۲) اِسنادِ مجازی۔ پھر اسنادِ حقیقی کی بھی مزید دو ۲ قسمیں ہیں: (۱) ذاتی (۲) اور عطائی۔ اِسنادِ حقیقی ذاتی ہی شرک ہو سکتی ہے، اگر اِسنادِ مجازی ہو، یا حقیقی عطائی ہو تو شرک نہیں۔

بعد ازاں امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دو ۲ باب قائم فرمائے، اوّل کو اِسنادِ مَجازی کے بیان میں رکھا، اس میں چھیاسٹھ ٦٦ نُصوص (٦ آیات، اور ٦٠ حدیثیں) پیش کر کے ان سے اِستدلال کیا، کہ سرورِ دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "دافع البلاء" کہا گیا ہے۔ پھر باب دُوم ۲ میں اِسنادِ حقیقی عطائی کے طَور پر ۴۴ آیاتِ مبارکہ، اور ۲۴۴ اَحادیثِ مبارکہ پیش کر کے مقصود کو ثابت کیا، اور اس کے علاوہ بہت سی آیات واَحادیث ضمناً بھی ذکر فرمائیں۔ ایک ہی موضوع پر قرآن وحدیث پر مشتمل سینکڑوں نُصوص سے ایسا اِستدلال واِستشہاد ایک مجتہد ہی کی شان ہے!۔

امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ مبارکہ رسالہ "ادارۂ اہلِ سنّت" کراچی سے مطبوع "فتاوی رضویہ" کی اُنیسویں ۱۹ جلد میں کتاب المناقب والفضائل[۱] کے تحت ملاحظہ کیا جاسکتا ہے"[۲] نیز اس کا عربی ترجمہ بھی ادارۂ اہل سنّت کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔

خلاصۂ کلام: حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "دافعُ البلاء" کہنا جائز ہے، کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے براہِ راست نُصوصِ شرعیہ

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب المناقب والفضائل، رسالہ "الأمن والعُلی لناعتِی المصطفی بدافع البلاء" ۱۹/۱۳۳۔

(۲) "ماہنامہ پیغامِ شریعت" (مصنّف اعظم نمبر) نبوّت کا بیان، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دافع البلاء ماننا کیسا ہے؟ ص۳۳۸، ۳۳۹، ملخصًا۔

سے استدلال کیا، اور قرآن وحدیث کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً اس مسئلے کا جواز بیان کیا، اور اس کی تائید میں سو ۱۰۰ آیاتِ کریمہ، اور تین سو ۳۰۰ سے زیادہ احادیثِ مبارکہ بیان کیں۔

اسمِ گرامی "نبیُّ التوبۃ" کی توجیہات میں اِضافہ

رحمتِ عالمیان ﷺ کے اسمِ گرامی "نبیُّ التوبۃ" کی توجیہات میں اِضافہ بھی امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی اجتہادی شان پر دلالت کرتا ہے، توجیہات میں اس اِضافہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے سیّدی اعلی حضرت نے فرمایا کہ "نام مبارک "نبيُّ التوبة" عجب جامع وکثیر المنافع نامِ پاک ہے، اس کی تیرہ ۱۳ توجیہیں فقیر -غفر له المولی القدیر- نے "شرح صحیح مسلم" للامام النوَوی، و"شرح الشفا" للقاری والخفاجی، و"مرقاۃ" و"اشعۃ اللمعات" شُروحِ "مشکاۃ"، و"تیسیر" و"سراجِ منیر" و"حفنی" شُروحِ "جامعِ صغیر"، و"جمع الوسائل شرحِ شمائل" و"مَطالع المسرّات" و"مَواهب" و"شرحِ زرقانی" و"مجمع البحار" سے التقاط کیں، اور چار ۴ -بتوفیق اللہ تعالی- اپنی طرف سے بڑھائیں، سب سترہ ۱۷ ہوئیں"[۱]۔

امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے اجتہاد سے جن توجیہات کا اِضافہ فرمایا وہ حسبِ ذیل ہیں:

(۱) "بلکہ وہ (سرکارِ دوجہاں ﷺ) توبہ عامّہ لائے، ہر نبی صرف اپنی

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الرد والمناظرہ، رسالہ "جزاءُ الله عدُوَّه بإبائه ختمَ النبوّة" ۲۲/۱۰۵۔

قوم کے لیے توبہ لاتا ہے، وہ تمام جہان سے توبہ لینے آئے ﷺ"[1]۔

(۲) وہ نبئ توبہ ہیں، بندوں کو حکم ہے کہ ان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر توبہ واستغفار کریں، اللہ تو ہر جگہ سنتا ہے، اس کا علم اس کا سمع اس کا شہود سب جگہ ایک سا ہے، مگر حکم یہی فرمایا کہ میری طرف توبہ چاہو تو میرے محبوب کے حضور حاضر ہو، قال تعالی: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾[2] "اگر وہ جو اپنی جانوں پر ظلم کریں تیرے پاس حاضر ہو کر خدا سے بخشش چاہیں، اور رسول ان کی مغفرت مانگے، تو ضرور خدا کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں"۔

حضور کے عالمِ حیاتِ ظاہری میں حضور ظاہر تھا، اب حضور مزار پُر انوار ہے، اور جہاں یہ بھی میسّر نہ ہو تو دِل سے حضور پُر نور کی طرف توجّہ حضور سے توسّل، فریاد، استغاثہ، طلبِ شفاعت کہ حضورِ اقدس ﷺ اب بھی ہر مسلمان کے گھر میں جلوہ فرما ہیں، مولانا علی قاری -علیہ رحمۃ الباری- "شرح شفا شریف" میں فرماتے ہیں: "روح النبيّ ﷺ حاضرةٌ في بيوت أهل الإسلام"[3].

(۳) وہ مفیضِ توبہ ہیں، توبہ لیتے بھی یہی ہیں اور دیتے بھی یہی، یہ توبہ نہ دیں تو کوئی توبہ نہ کر سکے، توبہ ایک نعمتِ عظمٰی بلکہ اجلّ نعم ہے، اور نصوصِ متواترہ

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الردوالمناظرہ، رسالہ "جزاءُ الله عدُوَّه" ۱۰۶/۲۲۔

(۲) پ ٤، النساء: ٦٤.

(۳) "شرح الشفا" القسم ٢، الباب ٤، فصل في المواطن التي يستحبّ فيها الصلاة والسلام ...إلخ، ٢/ ١١٨، ملخّصاً.

اولیائے کرام وائمۂ عظام وعلمائے اَعلام سے مبرہَن ہو چکا، کہ ہر نعمت قلیل یا کثیر، صغیر یا کبیر، جسمانی یا رُوحانی، دینی یا دنیوی، ظاہری یا باطنی، روزِ اوّل سے اَب تک، اَب سے قیامت تک، قیامت سے آخرت، آخرت سے اَبد تک، مؤمن یا کافر، مُطیع یا فاجر، مَلک یا انسان، جن یا حیوان، بلکہ تمام ما سوا اللہ میں جسے جو کچھ ملی یا ملتی ہے یا ملے گی، اس کی کَلی انہیں کی صبائے کرم سے کھِلی اور کھِلتی ہے اور کھِلے گی، انہیں کے ہاتھوں پر بٹی اور بٹتی ہے اور بٹے گی، یہ سِرّ الوُجود واصلُ الوجود وخلیفۃُ اللہ الاعظم، وولیُ نعمتِ عالَم ہیں ﷺ، یہ خود فرماتے ہیں ﷺ: «أنا أبو القاسم، الله يُعطي وأنا أقسم»[1] "میں ابو القاسم ہوں، اللہ دیتا ہے اور میں تقسیم فرماتا ہوں" رواه الحاكم في "المستدرك" وصحّحه وأقرّه الناقدون. ان کا رب اللہ عزّوجلّ فرماتا ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾[2] "ہم نے نہ بھیجا تمہیں مگر رحمت سارے جہان کے لیے"۔ فقیر –غفر اللہ تعالیٰ لہ– نے اس جاں فزا وایمان افروز ودشمن گزا وشیطان سوز بحث کی تفصیلِ جلیل، اور اس پر نصوصِ قاہرہ کثیرہ وافرہ کی تکثیرِ جمیل، اپنے رسالۂ مبارکہ "سلطنة المصطفى في ملكوت كلّ الورى" (۱۲۹۷ھ) میں ذکر کی، والحمد لله ربّ العالمين!.

(۴) وہ (حضور نبیٔ کریم ﷺ) نبیٔ توبہ ہیں؛ کہ گناہوں سے ان کی طرف توبہ کی جاتی ہے، توبہ میں ان کا نامِ پاک، نامِ جلالت حضرت –عزّت جلالہ– کے ساتھ

---

(۱) "مستدرَك الحاكم" كتاب تواريخ المتقدّمين، ذكر أخبار سيِّد المرسَلين وخاتم ...إلخ، ر: ٤١٨٧، ٤/ ١٥٦٩.

(۲) پ۱۷، الأنبياء: ١٠٧.

لیا جاتا ہے کہ میں اللہ و رسول کی طرف توبہ کرتا ہوں جل جلالہ و صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، "صحیح بخاری" و"صحیح مسلم شریف" میں ہے، اُمّ المؤمنین صدّیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے عرض کی: «یا رسولَ الله! أتوب إلى الله وإلى رسوله ماذا أذنبتُ؟»[1] "یا رسولَ اللہ! میں اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں مجھ سے کیا خطا ہوئی؟"۔ "معجمِ کبیر" میں حضرت ثوبان رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے: "ابو بکر صدّیق و عمر فاروق و غیرہما چالیس ۴۰ اَجلّہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف کھڑے ہو کر، ہاتھ پھیلا کر لرزتے کانپتے حضور سے عرض کی: «تُبنا إلى الله وإلى رسوله»[2] "ہم اللہ اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرتے ہیں"۔ فقیر نے یہ حدیثیں مع جلیل و نفیس بحثیں، اپنے رسالۂ مبارکہ "الأمن والعلى لناعتي المصطفى بدافع البلاء"[3] (۱۳۱۱ھ) میں ذکر کیں۔

اقول: توبہ کے معنی ہیں نافرمانی سے باز آنا، جس کی معصیت کی ہے اس سے عہدِ اطاعت کی تجدید کر کے اسے راضی کرنا، اور نصِ قطعی قرآن سے ثابت کہ اللہ عزوجل کا ہر گنہگار حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا گنہگار ہے، قال الله تعالى: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾[4] ويلزمه عكسُ النقيض: "مَن لم يطع الله لم يطع

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب البُيوع، باب التجارة فيما يكره لُبسه للرجال والنساء، ر: ٢١٠٥، صـ٣٣٨.

(٢) "المعجم الكبير" باب الثاء، ثوبان مولى رسول الله ﷺ ...إلخ، ر: ١٤٢٣، ٢/ ٩٥.

(٣) انظر: "الفتاوى الرضوية" كتاب المناقب والفضائل، رسالة "الأمن والعُلى" المجلَّد ١٩.

(٤) پ٥، النساء: ٨٠.

الرسول" وهو معنَى قولنا: "مَن عصى الله فقد عصى الرسول".
اور قرآنِ عظیم حکم دیتا ہے کہ اللہ ورسول کو راضی کرو، قال الله تعالى: ﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾[1] "سب سے زیادہ راضی کرنے کے مستحق اللہ ورسول ہیں، اگر یہ لوگ ایمان رکھتے ہیں"۔

نسأل الله الإيمانَ والأمنَ والأمانَ ورضاه ورضَى رسولِه الكريم -عليه وعلى آله الصلاة والتسليم- یہ نفیس فوائد کہ استطراداً زبان پر آ گئے قابلِ حفظ ہیں؛ کہ اس رسالے کے غیر میں نہ ملیں گے ! یوں تو ع

ہر گُلے را رنگ وبُوئے دیگرست[2]

مگر میں اُمید کرتا ہوں کہ فقیر کی یہ تین ۳ توجیہیں اخیر -بحمد اللہ تعالیٰ- چیزے دیگر ہیں، وبالله التوفيق!"[3]۔

خلاصۂ کلام: حضور نبیٔ کریم ﷺ کو "نبیُ التوبة" کہنا جائز ہے، محدثینِ کرام نے اس کی متعدّد توجیہات بیان کی ہیں، لیکن اعلی حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے جن چار ۴ توجیہات کا اِضافہ فرمایا ہے، کتبِ اکابر میں اُن کی صراحت نہیں ملتی، امام اہلِ سنّت نے قرآن وحدیث کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّهاً اِن توجیہات کا اِضافہ کیا۔

---

(۱) پ ۱۰، التوبة: ٦٢.

(۲) دیکھیے: "فرہنگِ اَمثال" صـ۲۰۳۔

(۳) "فتاوی رضویہ" "کتاب الرد والمناظرہ، رسالہ "جزاء الله عدُوَّه" ۱۰۹/۲۲- ۱۱۱۔

قرآن کریم افضل ہے یا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؟

قرآنِ کریم زمین وآسمان اور ان میں موجود ہر شَے سے افضل ہے، جیسا کہ حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «الْقُرْآنُ أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ»[1] "اللہ تعالی کے نزدیک قرآنِ کریم زمین وآسمان اور ان میں موجود ہر شَے سے افضل ہے"۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کلامُ اللہ شریف حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی افضل ہے یا نہیں؟ اس بارے میں بعض علماء اِثبات کے قائل ہیں اور بعض نفی کے، اس پر علّامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "ظاہر حدیثِ پاک سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی افضل ہے، لیکن مسئلہ اختلافی ہے لہذا زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ توقُّف کیا جائے"[2]۔

امامِ ہمام[3] امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے "جدّ الممتار على ردّ المحتار" میں علّامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے قولِ "والأحوطُ الوقفُ"[4] پر اپنی مجتہدانہ استعداد وصلاحیت سے اس کا محقق، منقَّح، مدلّل، مُبرہَن اور رَوشن حکم بیان فرمایا کہ "توقُّف کی

---

(١) "سنن الدارمي" باب فضل كلام الله على سائر الكلام، ر: ٣٤٠١، ٤/ ٢١١٥.

(٢) "ردّ المحتار" كتاب الطهارة، سنن الغسل، ١/ ١٧٨.

(۳) یہ لقب قطبِ مدینہ شیخ ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ سے متعلق اپنے تاثرات میں ذکر فرمایا۔ [انظر: "حياة الإمام" ١٩- الشيخ محمد ضياء الدين أحمد مهاجر المدني، صـ٧٤]

(٤) "ردّ المحتار" كتاب الطهارة، سنن الغسل، ١/ ١٧٨.

کوئی ضرورت نہیں! اللہ تعالی کی توفیق سے میرے نزدیک مسئلہ کا حکم واضح ہے؛ اس لیے کہ قرآنِ کریم سے اگر یہاں مُصحف (یعنی کاغذ اور رَوشنائی) مُراد ہے، تو اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ وہ حادِث ہے، اور ہر حادِث مخلوق ہے، اور جو بھی مخلوق ہے نبئ کریم ﷺ اُس سے افضل ہیں۔ اور اگر قرآن سے مُراد وہ کلامِ باری تعالی ہے جو اللہ تعالی کی صفت ہے، تو اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ صفاتِ باری تعالی جمیع مخلوقات سے افضل ہیں، اور مخلوق جو غیرِ خدا ہے، بھلا اس (صفت) کے برابر کیونکر ہو جو غیرِ ذات نہیں۔ (نیز) ہماری اس توجیہ سے دونوں مختلف قَولوں میں تطبیق بھی ہو جائے گی"[1]۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں قائم کردہ دلائل اور اقوالِ فقہاء میں تطبیق، امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالی علیہ کی اجتہادی شان پر واضح دلیل ہے!۔

خلاصۂ کلام: قرآنِ حکیم حضور نبئ کریم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے افضل ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ فقہاء میں مختلَف فیہ تھا، بعض اِثبات کے قائل ہیں اور بعض نفی کے، اور بعض نے مسئلہ واضح نہ ہونے کے باعث احتیاطاً سُکوت کا حکم دیا ہے۔ امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ مسئلہ بیان کیا، اور ایسی تَوجیہ پیش کی کہ اقوالِ فقہاء میں باہم تطبیق ہو گئی، اور مسئلہ بھی خوب واضح ہو گیا!۔

قضائے مبرَم و مُعلَّق کے بارے میں مجتہدانہ کلام

علّامہ فضلِ رسول بدایونی رحمہ اللہ تعالی علیہ کی کتاب "المعتقَد المنتقد" کے حاشیہ "المعتمَد المستنَد" میں حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالی علیہ نے قضائے مُبرَم و مُعلَّق کی شرح

---

(١) "جدّ الممتار على ردّ المحتار" كتاب الطهارة، أبحاث الغسل، ١/ ٣٩٤.

کرتے ہوئے خالصۃً مجتہدانہ کلام فرمایا ہے، اور ایسے اِفادات پیش فرمائے ہیں جو آپ کا خاص حصہ ہے! آپ فرماتے ہیں کہ "دعا اللہ تعالی کے لشکروں سے ایک لشکر ہے، ساز وسامان والا ہے، جو قضاء (تقدیر) کو مُبرَم ہونے کے بعد ٹال دیتا ہے، اور اس مقام کی تحقیق اس طَور پر جو ملک علّام عزّوجلّ نے اِلہام کی، یہ ہے کہ **اَحکامِ تشریعیہ** دو ۲ وجہوں پر ہیں: **(۱)** پہلا مطلق، جس میں کسی وقت کی قید نہیں، جیسے کہ عام اَحکام، **(۲)** دوسرا وقت کے ساتھ مقیَّد، جیسے کہ اللہ تعالی کا قول: ﴿فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا﴾[1] "پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو عورتوں کو گھر میں بند رکھیں، یہاں تک کہ انہیں موت اٹھا لے، یا اللہ تعالی اُن کی کچھ راہ نکالے"۔ تو جب قرآن میں زِنا کی حد نازل ہوئی حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مجھ سے لو، بے شک اللہ تعالی نے اُن عورتوں کے لیے سبیل مقرّر فرمائی"... الحدیث[2]۔

اس کو روایت کیا امام مسلم وغیرہ نے سیّدنا عُبادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے، اور مطلق علمِ الٰہی میں یا مؤبَّد ہوتا ہے، یعنی ہر زمانے کے لیے، یا مقیَّد یعنی کسی خاص زمانے کے لیے، اور یہی اخیر حکم وہ ہے جس میں نَسخ ہوتا ہے۔ گمان یہ ہوتا ہے کہ حکم بدل گیا؛ اس لیے کہ مطلق (جس میں کسی وقت کی قَید نہ ہو) بظاہر مؤبَّد ہے، یعنی ہمیشہ کے لیے ہونا ہے، یہاں تک کہ کچھ اَذہان کی طرف اس خیال نے سبقت کی، کہ نَسخ حکم کو اٹھا دینے کا نام ہے، اور ہمارے اور محققین کے نزدیک وہ (نَسخ) حکم کی مدّت بیان کرنا ہے۔

---

(۱) پ٤، النساء: ١٥.

(٢) انظر: "صحیح مسلم" کتاب الحدود، باب حدّ الزِنی، ر: ٤٤١٤، صـ٧٤٩.

اور اَحکامِ تکوینیہ بھی اسی طرح برابر (یعنی دو ۲ قسموں پر) ہیں: (۱) ایک وہ جو صراحۃً مقیّد ہو، جیسے ملَکُ الموت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا جائے کہ فُلاں کی رُوح فُلاں وقت میں قبض کر، مگر یہ کہ فُلاں اس کے حق میں دعا کرے تو اس کی رُوح قبض نہ کر۔

(۲) اور دوسرا مطلق علمِ الٰہی میں نافذ ہونے والا، اور یہی حقیقۃً مُبرَم ہے۔

اور قضاء کی ایک قسم وہ ہے جو مثلاً کسی کی دعا سے ٹل جائے، اور وہ "مُعلَّق مُشابہ مُبرَم" ہے، تو (یہ قسم) مخلوق کے گمان میں مُبرَم ہوتی ہے؛ اس لیے کہ اس میں قیدِ وقت کا اشارہ نہیں، اور واقع میں (کسی شرط پر) مُعلَّق ہوتی ہے، اور مُراد حدیث شریف میں یہی ہے۔ رہا "مُبرَم حقیقی" تو (وہ مراد نہیں)؛ اس لیے کہ اللہ تعالی کی قضاء (مُبرَم) کو کوئی ٹالنے والا نہیں، اور کوئی اس کے حکم کو باطل کرنے والا نہیں، ورنہ جہلِ باری تعالی لازم آئے گا (اور) اللہ تعالی اس سے بہت بلند ہے!"[(۱)]۔

اس مجتہدانہ کلام کے آخر میں حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اہلِ علم کو تاکید کرتے ہوئے مزید یہ بھی فرمایا کہ "اس کو یاد رکھو! اس لیے کہ شاید یہ تمہیں ہمارے سِوا کسی اَور سے نہ ملے، اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے!"[(۲)]۔

خلاصۂ کلام: قضاء کی اَقسام اور اُن کی شرح بیان کرتے ہوئے، جو مسائل سیّدی اعلی حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ نے بیان فرمائے ہیں، کتبِ اکابر میں اُن کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت نے قرآن وحدیث کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ مسائل بیان فرمائے ہیں۔

---

(۱) دیکھیے: "المعتمَد المستند" (اردو) باب اوّل، اِلہیات، صـ۹۴، ۹۵۔ "ماہنامہ پیغامِ شریعت شریعت" (مصنّفِ اعظم نمبر) امام احمد رضا اور علمِ کلام، تقدیر کا بیان، صـ۳۲۴، ملخصًا۔

(۲) "المعتمَد المستند" (اردو) باب اوّل، اِلہیات، صـ۹۴، ۹۵۔

مقاماتِ اِجابتِ دعا

حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے والدِ گرامی رئیس المتکلّمین حضرت علّامہ نقی علی خان رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے دعا کے فضائل وآداب پر مشتمل اپنی کتاب "احسن الوِعاء" کی فصلِ چہارُم ۴ میں دعا کی قبولیت کے تیئس ۲۳ مقامات ذکر فرمائے، امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنے اِجتہاد اور تحقیق سے ان میں مزید اکیس ۲۱ مقامات کا اِضافہ فرمایا، جن میں حضرت سیّدنا امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت سیّدنا امام موسیٰ کاظم، حضرت سیّدنا معروف کَرخی، امام ابوبکر مسعود کاشانی، حضرت سیّدنا ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرشی، حضرت سیّدنا ابن ارسلان، حضرت سیّدنا امام اَشہب، حضرت سیّدنا امام ابن قاسم، حضرت سیّدنا امام احمد بن علی ہمدانی، اور حضرت سیّدنا خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہم کے مزاراتِ مقدّسہ کو بھی دعاؤں کی قبولیت کے مقامات میں شمار فرمایا ہے، اور ان پر دلائل وشواہد بھی پیش فرمائے[(۱)]۔

مزاراتِ اولیاء کے علاوہ امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا نے جن مقامات کو اِجابتِ دعا کے لیے مؤثر شمار فرمایا، اُن میں سے چند یہ ہیں: (۱) منبرِ اطہر کے پاس، (۲) مسجدِ اقدس کے سُتونوں کے نزدیک، (۳) مسجدِ قُباء شریف میں، (۴) حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے شرفِ نسبت رکھنے والی مساجد (مثلاً مسجدِ غَمامہ، مسجدِ قبلتَین وغیرہ) میں، (۵) اور جبلِ اُحُد وغیرہ میں[(۲)]۔

---

(۱) دیکھیے: "احسن الوِعاء لآداب الدعا" فصل چہارُم ۴، ص۱۲۸، ۱۳۴- ۱۴۰۔ "ماہنامہ پیغامِ شریعت" (مصنّفِ اَعظم نمبر) امام احمد رضا اور اَذکار و اَدعیہ، مقاماتِ اجابتِ دعا، ص۵۷۸، ملخصًا۔

(۲) دیکھیے: "احسن الوِعاء لآدابِ الدعاء" فصل چہارُم ۴، ص۱۳۵، ۱۳۶۔

اَفلاک پر خرق واِلتیام جائز ہے

فلاسفہ کے نزدیک اَفلاک پر خَرق واِلتیام (پھٹنا، یا پھٹ کر، الگ ہو کر دوبارہ ایک ہو جانا، مل جانا) مُحال (ناممکن) ہے، اور فلاسفہ کے اسی نظریہ کی بنیاد پر نیچری فرقہ[1] "معراج النبی" کا انکار کرتا ہے۔ فلاسفہ کے پاس اپنے مَوقِف کے حق میں

---

(۱) اس فرقہ کا بانی سر سیّد احمد خان تھا، سر سیّد اسلامی عقائد کو انسانی عقل کے تراوزُو میں تولنے، اور مغربی فکر وفلسفہ کے تابع کرنے کا قائل تھا، حجیت سنّت کا انکار کرتا تھا، اور اپنے اس نظریے کو نیچریت قرار دیتا تھا، ذاتِ باری تعالی کے بارے میں سر سیّد احمد خان نے اپنے نیچری عقیدے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ " جو ہمارے خدا کا مذہب ہے وہی ہمارا مذہب ہے، خدا نہ ہندو ہے نہ عُرفی مسلمان، نہ مقلّد نہ لامذہب، نہ یہودی، نہ عیسائی، وہ تو (معاذاللہ) پکا چھٹا ہوا نیچری ہے"۔ ["مقالاتِ سر سیّد" حصّہ۱۵، نیچر، ص۱۴۱]

فرقۂ نیچریت کے بانی سر سیّد احمد خاں کے چند دیگر گمراہ کُن عقائد حسبِ ذیل ہیں:

(۱) اِجماع حجت شرعی نہیں، (۲) قیاس حجت شرعی نہیں، (۳) تقلید واجب نہیں، (۴) قرآنِ پاک کا کوئی حکم کسی دوسری آیت سے منسوخ نہیں ہوا، (۵) قرآن کریم میں شیطان یا ابلیس کا جو لفظ آیا ہے، اس سے مراد کوئی وُجودِ خارج نہیں، بلکہ انسان کا نفسِ اَمّارہ مراد ہے، (۶) وہ پرندے جنہیں نصاریٰ نے گلا گھونٹ کر مار ڈالا ہو، مسلمانوں کو اُن کا کھانا حلال ہے، (۷) جو مسائل قرآن حکیم یا حدیثِ صحیح میں منصوص نہیں، اُن میں ہر شخص آپ اپنا مجتہد ہے، (۸) وضع ولباس میں کفّار کے ساتھ تشبُّہ شرعاً ممنوع نہیں، (۹) معراج اور شقِ صدر دونوں رُؤیا (خواب) میں ہوئے نہ کہ بیداری میں، (۱۰) سیّدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام، ملائکہ، اور ابلیس کا (سجدے سے متعلق) جو قصّہ قرآن میں بیان ہوا، یہ کسی واقعے کی خبر نہیں بلکہ بطورِ تمثیل ہے، (۱۱) معجزہ دلیلِ نبوّت نہیں ہو سکتا، (۱۲) قرآنِ پاک میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا ثابت ہو، (۱۳) اللہ تعالی کی ذات، صفات اور اَسماء واَفعال کے متعلق جو کچھ قرآن یا حدیثوں میں بیان ہوا، وہ سب بطریقِ مجاز، استعارہ اور تمثیل بیان ہوا ہے، اور اسی طرح مَعاد (حشر ونشر) کے متعلق جو کچھ بیان ہوا، وہ سب مَجاز پر محمول ہے نہ کہ حقیقت پر، (۱۴) خدا کا دیدار کیا دنیا میں اور کیا عقبیٰ میں، نہ ان ظاہری آنکھوں سے ممکن ہے اور نہ دل کی =

کوئی دلیل نہیں، سِوائے اس مشہور شُبہ باطلہ کے کہ "خَرق واِلتیام نہ ہو گا مگر حرکت سے، اور حرکتِ اَینیہ نہ ہوگی مگر جہت سے جہت (مثلاً مشرق سے مغرب) کو، تو محدِّد (فلک الاَفلاک) یا اس کے اَجزاء، اگر حرکتِ اَینیہ قبول کریں تو محدِّد کے لیے جہت درکار ہوئی، نہ کہ جہت کی حد بندی محدِّد سے ہوئی"(۱)۔

=

آنکھوں سے، (۱۵) حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بِن باپ کے پیدا ہونا کسی بات سے ثابت نہیں ہوتا۔ ["مشعلِ راہ" باب سوم ۳، بانیٔ نیچریت کے کارنامے، ص ۵۹۳-۵۹۷، ملخصاً]

علّامہ عبد الحکیم اختر شاہ جہانپوری رحمۃ اللہ تعالٰی "نیچری فرقہ" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "اس (نیچری فرقہ) کا سنگِ بنیاد سر سیّد احمد خاں علی گڑھی نے رکھا، موصوف کے مُعاونین میں سر آغا خاں، خواجہ الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، اور مولانا سمیع اللہ خاں دہلوی وغیرہ حضرات تھے، مذہبی مُعاملات میں ان کے مشن (Mission) کو مولوی چراغ علی، سیّد امیر علی چنسوری، وقار الملک (نواب مشتاق حسین) محسن الملک (سیِّد مہدی علی خاں) اور ڈپٹی نذیر احمد وغیرہ نے پروان چڑھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، بلکہ ہمہ وقت نیا مذہب گھڑنے، اور مقدّس اسلام کو ذبح کرنے میں مصروف رہے! یہ فرقہ عقیدۂ رسالت اور احادیثِ مطہَّرہ کے خلاف ایک چیلنج ہے، قرآنی تعلیمات کا علمبردار ہونے کا مدّعی (دعویدار)، لیکن کلامِ الٰہی کے خلاف پُر اَسرار سازش ہے، (ان کا) دعوی مسلمان ہونے کا ہے، لیکن ان کے نظریات اسلامی تعلیمات کو مسخ کرتے ہیں"۔ ["مشعلِ راہ" باب پنجم ۵، نیچری فرقہ، ص ۳۰۷، ملتقطاً]۔

مَوجودہ دَور میں جاوید غامدی اور اُس سے نظریاتی وابستگی رکھنے والے بعض دیگر لوگ بھی "نیچریت" کی راہ پر گامزن ہیں۔ نیچری فرقہ اور اس کے بانی سر سیّد احمد خاں کے عقائد ونظریات سے متعلق مزید آگاہی کے لیے "فتاوی حَرمین"، "مشعلِ راہ" اور "برطانوی مَظالم کی کہانی" کا مطالعہ فرمائیں!۔

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الرد والمناظرہ، رسالہ "الكلمة الملهَمة في الحكمة المحكمة لوهاء فلسفة المشئمة" ۲۲/۴۲۸۔

یعنی خَرق واِلتیام حرکت سے ہوگا، اور حرکتِ اَینیہ جہت سے جہت کو ہوگی، لہذا محدّد یا اس کے اَجزاء حرکتِ اَینیہ قبول کریں، تو اِس (محدّد) کے لیے جہت درکار ہوئی، نہ کہ جہت کی حد بندی محدّد کے سبب ہوئی۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اپنی اجتہادی شان سے فلسفیوں کے اس زعمِ فاسد کا اٹھارہ ۱۸ وُجوہ سے مفصَّل ردّ فرمایا، اور ثابت کیا کہ فلک پر خَرق واِلتیام جائز ہے۔ دلیل نمبر گیارہ ۱۱ میں فلاسفہ پر اعتراض وارِد کرتے ہوئے فرمایا کہ "تحدید کا قصّہ فلکِ اطلس میں تھا، باقی آٹھ ۸ پر خَرق سے کیا مانع؟ اور معراجِ مبارک میں انہی سات آٹھ کا خَرق درکار، نہ کہ تاسع ۹ کا، جسے تم عرشِ اعظم سمجھتے ہو"[۱]۔

امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا کی طرف سے فلاسفہ کے رَدّ میں پیش کی گئی آخری سات ۷ وُجوہ حسبِ ذیل ہیں:

"**اوّلاً اقول:** حرکتِ مستدیرہ کہ مرصاد ہے حرکتِ کواکب ہے، عنقریب آتا ہے کہ کسی فلک کے لیے حرکت درکنار، اس کی صلاحیت [بھی] ثابت نہیں، تو مَبدءِ میل مستدیر کہاں سے آئے گا؟!

ثانیاً اقول: بلکہ ہم ثابت کریں گے کہ اُصولِ فلسفہ پر فلک کی حرکت مستدیرہ بلکہ مطلقاً حرکت مُحال۔

ثالثاً اقول: ہم ثابت کر چکے کہ فلک میں مَبدءِ میل مستقیم ہے۔

رابعاً: اجتماعِ میلین کیا مُحال؟ مثلاً بنگو (Hydrometer)[۲] اور پہیے کی

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الرد والمناظرہ، رسالہ "الكلمة الملهَمة" ۲۲/۴۳۳۔

(۲) ہر مائع چیز (Liquid) کی قوّت کو جس آلہ سے جانچا جاتا ہے، اُسے بنگو (Hydrometer) کہتے ہیں۔

حرکت میں دونوں [یعنی اجتماعِ میلَین] ہیں ("مَواقف"[1]) اس[2] پر عبد الحکیم الحکیم نے کہا کہ حرکتِ مستدیرہ اصطلاح میں وہ ہے کہ حیّز سے باہر نہ کرے، یہ دحرجہ[3] میں کہاں؟ ("حاشیہ شرحِ مَواقف"[4])

(۱) یہ عجیب جواب ہے! جب مستدیرہ کے معنی یہ لے لیے تو اس مستقیمہ سے اِمتناعِ اجتماعِ بدیہی ہو گیا، فلسفی کہ خود مسئلے کو نظری مان رہا، اور جسمِ مرکّب میں اجتماعِ میلَین کے امتناع میں خود فلسفہ مضطرب ہو رہا ہے، اس کا کیا محل رہا؟۔

(۲) کلامِ اجتماع دو ۲ مبدءِ میل میں ہے نہ بالفعل اجتماعِ میلین میں، حرکتِ مستدیرہ محض وضعیہ ہونا کیا اس کے مُنافی کہ اس میں مبدءِ میل مستقیم بھی ہو، حیّز میں حرکتِ مستدیرہ کرے، اور بغرض خُروج مستدعیٔ عَود ہو؟ یہی مبدءِ میل مستقیم ہے، تو سند غیر مُساوی پر کلام کو جواب سمجھنا قانونِ مُناظرہ سے خُروج ہے!۔

فلسفی مقدّمہ ممنوعہ کا ثبوت دیتا ہے کہ میلِ مستقیم خطِ مستقیم پر لے جانا چاہتا ہے، اور

---

(۱) "المواقف" الموقف ٤، المرصد ١، الفصلِ ٣، المقصد ٢، ٢/ ٤٠٦.

(۲) بعض نے حواشی "میبذی" میں اَور اُونچی آن لی کہ "اس کا مبنی الواحد لا يصدر عنه إلّا إلّا الواحد ہے، طبیعتِ واحدہ دو ۲ چیزوں کا اقتضاء کیونکر کرے؟"

اقول: حیّز، شکل، مقدار طبعی، کیفیات جیسے زمین میں بُرودت یَبوست، بس ان میں سے ایک اختیار کر لو کہ وہ طبعی ہے، باقی سب غیر طبعی، فلسفی ایسے بھی ہوتے ہیں!۔ منہ [امام احمد رضا] غفر لہ۔

(۳) یعنی مسلسل گھمانا۔ ("القاموس الوحید" صـ٥٠٤)۔[میمن]

(٤) "حاشية السيالكوتي على المواقف" الموقف ٤، المرصد ١، الفصلِ ٣، المقصد ٢، الجزء ٧، صـ٩٠.

مستدیر اس سے پھیرتا ہے، تو دونوں متنافی ہیں، اور مُحال ہے کہ بسیط میں دو ۲ متنافیوں کا اقتضاء ہو۔ اس پر صریح رد ہے کہ دو ۲ شرط سے دو ۲ متنافی کا اقتضاء کیا مُحال ہے؟ مثلاً حیّز میں ہو تو وضعیہ چاہے اور باہر ہو تو اَینیہ۔ جونپوری نے کہا: دو ۲ متنافی اگر باختلافِ احوال ایک غایتِ طبعیہ تک موصول ہوں، تو دونوں بالعرض مقتضائے طبع ہو سکتے ہیں، جیسے حیّز سے باہر حرکت اور اندر سُکون؛ کہ دونوں سے مطلوب حیّز طبعی ہے، میلِ مستقیم و مستدیر ایسے نہیں، اس کی غایت حیّز ہے اور اس کی نہیں؛ کہ یہ اس تک مُوصل نہیں، مع ہذا اگر اس کی غایت یہی استدارہ نہ رہے، اور جب یہ متنافیون کی دو ۲ غایتیں ہوں تو اگر وہ غایتیں یہی متنافی ہوں، تو طبیعتِ واحدہ مقتضی متنافیین نہیں ہو سکتی، اور نہ ہوں تو طبیعت دونوں کو معًا چاہے گی، تو ان تک مُوصل یعنی دونوں میل متنافی جمع ہو جائیں گے۔

اقول: (۱) جب دونوں اقتضاء مَنوط بشروط اور شرطین متنافی، تو ان کا اجتماع کیونکر ہو سکتا ہے؟ اقتضاء میں دخل شرطِ مقتضی کے طبع ہونے کا مانع نہیں؛ کہ شرط نہ مقتضی ہے نہ جزءِ مقتضی، جیسے خود میل مستقیم کہ بالاتفاق مشروط بخروج عن الحیز ہے، اور بالاتفاق طبعی ہے، اور اگر تم یہ اصطلاح گڑھو کہ طبعی وہی ہے کہ جو نفس طبیعت مِن حیث ھي ھي کا مقتضی ہو، تو یہ مسئلہ جس لیے تم نے اُچھالا ہے کہ فلک پر میل مستقیم اور عناصر پر مستدیر منع کرو، جیسا کہ جونپوری نے اس کے متّصل فصل میں کیا، وہ وہیں باطل ہو جائے گا! فلک وعناصر میں ثابت ہوا تو اتنا کہ میل کا اقتضاء ہے یہ کہ خالص نفسِ طباع سے ہے، جس میں کسی اَمرِ زائد کی اصلاً مداخلت نہیں، اس پر کیا دلیل؟ غایت عدمِ ثبوت ہے نہ کہ ثبوتِ عدم!۔

(۲) ہم وہ غایتیں لیتے ہیں کہ خود متنافی نہیں، اور ان میں ایک کا منوط بشرط ہونا

بدیہی اور تمہیں بھی تسلیم، اور دوسری بلا شرط اور دونوں میں اس تک مُوصل، کیا مُحال ہے کہ طبیعت تبدُلِ وضع چاہے؟ اور حیّز کو تو چاہتی ہی ہے، اب اگر حیّز سے باہر ہو حیّز تک حرکتِ مستقیمہ کرے گی؟ دونوں غایتیں اسی حرکت سے حاصل ہوں گی، حیّز تک وُصول یہی، اور اوضاع کا تبدُل یہی، جب حیّز میں پہنچا میلِ مستقیم ختم ہو جائے گا؛ کہ اس کی غایت حاصل ہو گئی، اب میلِ مستدیر شروع ہو گا؛ کہ یہاں دوسری غایت، یعنی تبدُلِ اَوضاع اسی سے ممکن، تو حیّز سے باہر مستقیمہ کرے گا، اور حیّز کے اندر مستدیرہ، اور دونوں کا مبدءِ طبیعتِ واحدہ۔

خامساً: اوپر کتنے وُجوہ سے روشن ہو چکا کہ خَرق حرکتِ مستقیمہ پر موقوف نہیں، غرض دلیلِ ذلیل کا ایک حرف بھی صحیح نہیں!۔

سادسًا: اَرصاد نے اگر بتایا تو اتنا کہ فلک میں میل مستدیر ہے، نہ یہ کہ ہمیشہ رہے گا، نہ اس کے دوام پر دلیلِ تمام، تو کیا مُحال ہے کہ میلِ مستدیر منقطع ہو کر میلِ مستقیم حادِث ہو؟ اب تو اجتماع متنافیین نہ ہو گا! ("شرحِ مقاصد"[1]) ناتمامی دلیل دوام کا بیان عنقریب آتا ہے، ان شاء اللہ تعالی!۔

سابعًا اقول: سب سے لطیف تر یہ کہ دلیل کے جمیع مقدّمات صحیح مان لیں، جب بھی اُسے مدّعا سے اصلاً مس نہیں نہ آئندہ! بلکہ اس وقت خواہ کسی وقت خَرقِ اَفلاک کی نافی نہیں، متفلسفہ کی نِری عیاری ہے، وجہ سنیے: دلیل اگر بتائے گی تو صرف اتنا کہ دو۲ میل طبعی جمع نہیں ہو سکتے، اور براہِ چالاکی دعوی عام کیا کہ طباعی نہیں ہو سکتے، جس میں طبعی وارادی دونوں آجائیں کہ فلک کی بگڑی بنائیں، مگر یہ ظلمِ شدید یا جہلِ

---

(۱) "شرح المقاصد" المقصد ٤، الفصل ٢، المبحث١، ٣/ ١٣٧.

بعید ہے! ایک طبعی ایک ارادی ہو تو اصلاً تنافی نہ ان کا اجتماع دشوار، خود جونپوری نے میلِ مستقیم طبعی کے ساتھ میلِ مستدیر اِرادی جائز رکھا ہے، جیسے حیوان کہ قصداً گھومے، فلک میں بعینہ یہی صورت ہے؛ کہ اس کا گھومنا قصداً مانتے ہو، طبیعت میں میلِ مستقیم ہونے سے کون مانع؟ یہ ہیں ان کے مُزخرفات جن کو جونپوری دلائلِ حقّہ قطعیہ واجب الاِذعان کہتا ہے! زُيِّن له سوءُ عملِه واتّبعوْا أهواءَهُم!"[۱].

پھر اس بحث کو سمیٹتے ہوئے آخر میں فرمایا کہ "اِن سات ۷ اور اُن گیارہ ۱۱ جملہ اَٹھارہ ۱۸ وُجوہ نے -بحمدہ تعالی- روشن کر دیا کہ خود فلک الافلاک اور جملہ افلاک کا خرق واِلتیام یقیناً جائز، اتنا عقلاً ہے، اور سمعاً تو بالیقین خرقِ سماوات قطعاً واقع جس پر ایمان فرض، ولله الحجّة السامية! وخسرَ هنالك المُبطِلُون، وقِيل بُعدًا لِّلقَومِ الظّالمين، والحمد لله ربّ العالمين!"[۲].

پھر ان دلائل کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے تحدیثِ نعمت کے طَور پر مزید فرمایا کہ "اس ضروری مسئلۂ دینی پر کلام -بحمد اللہ تعالی- ہماری کتاب کے خواص سے ہے، اور ایک یہی کیا -بفضلہ تعالی- اس ساری کتاب میں معدود مباحث کے سوا عام اَبحاث وہی ہیں، کہ فیضِ قدیر سے قلبِ فقیر پر فائز ہوئی ہیں! اور ایک یہی کتاب نہیں -بعونہ عزّوجلّ- فقیر کی عامّہ تصنیفات افکارِ تازہ سے مملو ہوتی ہیں، حتّی کہ فقہ میں جہاں مقلّدین کو اِبدائے اَحکام میں مجالِ دم زدن نہیں "[۳]۔

---

(۱) "فتاوی رضویہ" "کتاب الرد والمناظرہ، رسالہ "الكلمة الملهَمة" ۲۲/۴۳۳- ۴۳۵۔

(۲) ایضاً، ص۴۳۵۔

(۳) ایضاً۔

خلاصۂ کلام: فلاسفہ کے نزدیک اَفلاک پر خَرق وِالتیام (پھٹنا، یا پھٹ کر، الگ ہوکر دوبارہ ایک ہو جانا، مل جانا) مُحال (ناممکن) ہے۔ امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے متعدّد وُجوہ سے فلاسفہ کا رَدّ کیا، اور ثابت کیا کہ جملہ اَفلاک کا خَرق وِالتیام یقیناً جائز ہے۔ نیز اس ضمن میں امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بعض ایسے دلائل کا بھی اِضافہ فرمایا، جن کی کتبِ اکابر میں صراحت نہیں ملتی، امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے علمائے متکلّمین اور فلاسفہ کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّھاً اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی۔

جزءِ لایتجزیٰ باطل نہیں بلکہ ممکن، واقع اور ثابت ہے

فلاسفہ کے نزدیک جُزءِ لا یتجزیٰ باطل ہے، امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی اِجتہادی شان وبصیرت سے فلاسفہ کے اس نظریے کا مفصَّل ردّ کیا، اور اس پر متعدِّد دلائل بیان فرمائے۔ یہ مسئلہ کتنی اہمیت کا حامل ہے اس بارے میں حضرت امام نے بنفسِ نفیس فرمایا کہ "جزءِ لایتجزیٰ باطل نہیں، یہ وہ مسئلہ علمِ کلام ہے جسے نہایت پست حالت میں سمجھا، بلکہ اُس کے بطلان پر یقینِ کلّی کیا جاتا ہے، فلاسفہ اس کے اِبطال پر چہک چہک کر دلائل حتّٰی کہ بکثرت براہینِ ہَندسیہ قائم کرتے ہیں، عقلی تمسُّک میں بیانِ ہَندسی سے زیادہ اَور کیا ہے؟ جس میں شک وتردُد کو اصلاً جگہ ہی نہیں رہتی، اور متکلّمین ان دلائل سے جواب نہیں دیتے، اپنے سکوت سے ان کا لاجواب ہونا بتاتے ہیں، تو گویا فریقین اس کے بطلان پر اتفاق کیے ہیں، مگر -بحمدہ تعالی- ہم واضح کر دیں گے کہ اس کے رد میں فلاسفہ کی تمام حجتیں اور ہَندسی برہانیں پادرِ ہوا ہیں"[1]۔

---

(۱) "فتاوی رضویہ" "کتاب الرد والمناظرہ، رسالہ "الکلمة الملهَمة" ۲۲/۴۸۳۔

یہ ارشاد فرمانے کے بعد امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مسئلہ کو چار ۴ مَوقفوں پر تقسیم کرتے ہوئے، فلاسفہ کے اُنتیس ۲۹ مشہور و معروف شُبہات کا تفصیلی ردّ کیا، اور آخر میں فرمایا کہ "حق یہ کہ فلاسفہ کے پاس اس اِدّعائے باطل پر کوئی دلیل نہیں، صرف جزء سے بھاگنے کے لیے اس کے مدّعی ہوئے ہیں، اور براہِ جہالت اسے ہَندسہ کے سر منڈھتے ہیں، حالانکہ ہَندسہ ان کے افتراء سے بری ہے، اس نے کہیں یہ دعوی نہیں کیا کہ ہر خط یا زاویہ کی تنصیف نامتناہی ہے، بلکہ طریقہ بتایا ہے کہ زاویہ کی تنصیف چاہو تو یوں کرو، خط کی چاہو تو یہ کرو، یہ تو وہیں تک محدود ہے جہاں تک بالفعل ہم کر سکتے ہیں، اس کے لیے اس نے طریقہ بتایا ہے، آگے سب فلاسفہ کی وَہم پرستی و باد بدستی ہے۔

یہ ہے وہ جس پر زمین سَر پر اُٹھا رکھی تھی کہ "جزء کا مسئلہ ایسا باطل! اس کے بطلان پر اتنے برہان قاطع!" -بحمدہ تعالی- کھل گیا کہ وہ خاک بھی براہینِ قاطعہ نہیں بلکہ خود شُبہاتِ مقطوعہ ہیں۔ یہ ۲۹ ہی شبہے کتابوں میں ہماری نظر سے گزرے، اور ان میں بھی بہت متداخل ہیں، ایک ایک کو کئی کئی کر کے دکھایا ہے جس کا اشارہ ہر جگہ گزرا، اور ان پر -بحمد اللہ تعالی- رد وہ ہوئے کہ اگر ہزار شبہات اَور ہوں تو ہر طالبِ علم جو ہمارے طریقے کو سمجھ گیا ہے، ان کو ھباءً منثوراً کر سکتا ہے، وللہ الحمد!!"[1]۔

علاوہ اَزیں جدید سائنسی تحقیق بھی اس مسئلہ میں علمائے اہلِ سنّت کی رائے کی تائید کرتی ہے، بلکہ طبیعیات (Physics) کا ایک شُعبہ ہے، جس کا نام "ذرّاتی طبیعیات" (Particle Physics) ہے، اور جزء لایتجزی کو سائنسی اِصطلاح میں اَساسی ذرّہ (Fundamental Particle) کہتے ہیں۔

---

(۱) "فتاوی رضویہ" "کتاب الرد والمناظرہ، رسالہ "الکلمة الملهَمة" ۵۰۹/۲۲، ۵۱۰۔

خلاصۂ کلام: فلاسفہ کے نزدیک جُزءِ لایتجزیٰ باطل ہے، یہ مسئلہ قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے، اور متکلّمینِ اہلِ سنّت نے اس مسئلہ کے رَدّ پر بہت کچھ لکھا ہے، جبکہ امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی طرف سے اس میں کچھ اِضافہ فرمایا، اور اس مسئلہ کا رَدّ کرتے ہوئے ضمناً بعض ایسے دلائل و مسائل بھی بیان فرمائے، جن کی کتبِ اکابر میں صراحت نہیں۔ امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے علمائے متکلّمین کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی۔

اتصالِ اجزاء سے متعلق مذہبِ متکلّمین کی توضیح

متکلّمین کے نزدیک اتصالِ اَجزاء ممکن ہے، جبکہ ہمارے نزدیک اتصالِ اَجزاء مُحال ہے، اس مسئلہ میں امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اجتہادی بصیرت سے مذہبِ متکلّمین کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ "ہمارے نزدیک جزءِ لا یتجزی باطل نہیں، خلافاً للحکماء، لیکن دو ۲ جزءوں کا اِتصال مُحال ہے، خلافاً لظاھر ما عن جُمھور المتکلّمین. ظاہر ہے کہ اتصالِ غیر تداخُل ہے، تو وہ یونہی ممکن [کہ] ہر ایک میں شَے دُون شَے یعنی جُدا اَطراف ہوں، دونوں ایک ایک طرف سے باہم ملیں اور دوسری طرف سے جُدا رہیں، ورنہ تداخُل ہو جائے گا، اور جزء میں شَے دُون شَے مُحال، تو وہ اپنی نفسِ ذات سے آبیٔ اتصال [مانعِ اتصال]، فلسفی کی تمام براہینِ ہَندسیہ اور اکثر دیگر دلائل اس اتصال ہی کو باطل کرتی ہیں، وہ خود ہمارے نزدیک نفس ملاحظہ معنی اتصال و جزء سے باطل ہے، ان تطویلات کی کیا حاجت؟ اُمید کہ اتصالِ اجزاء ماننے سے ہمارے متکلّمین کی مُراد اتصالِ حسّی ہو، جیسا انہوں نے نفیٔ دائرہ وغیرہ میں

فرمایا ہے کہ یہ اتصال مرئی حسّی کی غلطی ہے، ان سے مماست جزء پر جو تفریعات منقول ہیں اسی پر محمول ہیں، ورنہ اتصالِ حقیقی کا بطلان محتاج بیان نہیں "[1]۔

خلاصۂ کلام: متکلّمین کے نزدیک اِتصالِ اَجزاء ممکن ہے، جبکہ ہمارے نزدیک اِتصالِ اَجزاء مُحال ہے، امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے ضمناً مذہبِ متکلّمین کی جو توضیح فرمائی، کتبِ اکابر میں اُس کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت نے متکلّمین کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ مسئلہ واضح کیا۔

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الردوالمناظرہ، رسالہ "الكلمة الملهَمة" ۲۲/۴۸۳۔

باب ششم ٦
علمِ فقہ میں امامِ احمد رضا کے اجتہاد کی چند مثالیں
وضو کے فرضِ اعتقادی و عملی

امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک استفتاء کیا گیا کہ "وضو میں کتنے فرضِ اعتقادی و عملی ہیں؟" جواب میں امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی خداداد اجتہاد صلاحیت کی بنا پر، ایک مبسوط رسالہ "الجود الحُلو في أركان الوضو" تحریر فرمایا، اور اس میں وضو کے چار ۴ فرضِ اعتقادی اور بارہ ۱۲ فرضِ عملی بیان فرمائے، ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہیں:

فرضِ اعتقادی:

(۱) منہ دھونا، (۲) دونوں ہاتھ ناخنوں سے کہنیوں تک دھونا، (۳) سَر کا مسح کرنا، (۴) پاؤں دھونا، کہ بشرائطِ شرعیہ موزۂ شرعی کے اندر نہ ہوں۔

فرضِ عملی:

(۱) دونوں لَب، حق یہ ہے کہ اِن کا دھونا فرض ہے۔ (۲، ۳، ۴) بَھوؤں، مُونچھوں، بُچّی کے نیچے کی کھال، جبکہ بال چھدرے ہوں، کھال نظر آتی ہو، وضو میں بھی دھونا فرض ہے۔ (۵) داڑھی چھدری ہو تو اُس کے نیچے کی کھال دُھلنا فرض، اور گھنی ہو تو جس قدر بال دائرۂ رُخ میں داخل ہیں، اُن سب کا دھونا فرض ہے۔ (٦) کنپٹیاں، کان اور رُخسار کے بیچ میں جو حصہ ہے اُس کا دھونا فرض ہے۔ (۷) دونوں کہنیاں تمام و کمال۔ (۸) انگوٹھی چھلّے وغیرہا، جائز ناجائز ہر قسم کے گہنے، مرد عورت سب کے لیے، جبکہ تنگ ہوں – کہ بے اُتارے اُن کے نیچے پانی نہ بہے

گا-اُتار کر دھونا فرض ہے۔(۹) مسح کی نَم سر کی کھال یا خاص سر پر جو بال ہیں-نہ وہ کہ سر سے نیچے لٹکتے ہیں-اُن پر پہنچنا فرض ہے۔(۱۰) نَم کم اَز کم چَوتھائی سر کو استیعاب کر لے۔(۱۱) کعبَین گٹوں یعنی ٹخنوں کا نام ہے، اُن کے بالائی کناروں سے ناخنوں کے منتہیٰ تک ہر حصے پُرزے ذرّے ذرّے کا دُھلنا فرض ہے۔(۱۲) منہ، ہاتھ، پاؤں تینوں عضوؤں کے تمام مذکور ذرّوں پر پانی کا بہنا فرض ہے[1]۔

یہاں یہ مسئلہ انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، تفصیل کے طلبگار حضرات رسالہ "الجود الحُلو في أركان الوضو" کا مطالعہ فرمائیں۔ یہ رسالہ "ادارۂ اہلِ سنّت" کراچی سے مطبوع "فتاوی رضویہ" جلد اوّل، کتاب الطہارۃ کے باب الوضوء میں ملاحظہ فرمائیں!۔

خلاصۂ کلام: امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے جس تفصیل کے ساتھ وضو کے اعتقادی و عملی فرائض بیان فرمائے ہیں، کتبِ اکابر میں اس قدر صراحت نہیں ملتی، امام اہلِ سنّت نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے، تفقُّھاً یہ مسئلہ بیان کیا۔

اَحکامِ شرعیہ کی تقسیم میں اضافہ

اَحکامِ شرعیہ کی تقسیم مجتہد کا کام ہے، امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اجتہادی کارناموں میں ایک اہم کارنامہ اَحکامِ شرعیہ کی تقسیم سے متعلق تحقیق بھی ہے۔ اَحکامِ شرعیہ کی تقسیم میں علمائے اُصولیین اور فقہائے معتمَدین کے چار۴ اَقوال ملتے ہیں:

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الطہارۃ، باب الوضوء، رسالہ "الجود الحُلو في أركان الوضو" ۱/ ۳۷۰- ۳۸۲، ملتقطاً۔

قولِ اوّل: اَحکامِ شرعیہ کی پانچ ۵ قسمیں ہیں: (۱) واجب (۲) مندوب (۳) مکروہ (۴) حرام (۵) مباح۔

قولِ ثانی: اَحکامِ شرعیہ کی سات ۷ قسمیں ہیں: (۱) فرض (۲) واجب (۳) مندوب (۴) مباح (۵) حرام (۶) مکروہِ تحریمی (۷) مکروہِ تنزیہی۔

قولِ ثالث: بعض حضرات نے اَحکامِ شرعیہ کی سات ۷ قسموں کو یوں بیان فرمایا: (۱) فرض (۲) واجب (۳) سنّت (۴) نفل (۵) حرام (۶) مکروہ (۷) مباح۔

قولِ رابع: اَحکامِ شرعیہ کی نو ۹ قسمیں ہیں: (۱) فرض (۲) واجب (۳) سنّتِ ہُدیٰ (سنّتِ مؤکَّدہ) (۴) سنّتِ زائدہ (غیر مؤکَّدہ) (۵) نفل (۶) حرام (۷) مکروہِ تحریمی (۸) مکروہِ تنزیہی (۹) مُباح"[1]۔

امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنے اجتہاد سے پانچویں نئی تقسیم بیان فرمائی، اور اَحکامِ شرعیہ کو گیارہ ۱۱ قسموں پر منقسم فرمایا:

فرض		حرام
واجب		مکروہِ تحریمی
سنّتِ مؤکَّدہ		اِساءَت
سنّتِ غیر مؤکَّدہ		مکروہِ تنزیہی
مستحب		خلافِ اَولیٰ
مُباح		

(۱) "ماہنامہ پیغامِ شریعت "مصنّفِ اعظم نمبر ۲۰۱۸ء، ضمیمہ امام احمد رضا اور اُصولِ فقہ، ص۳۶۴۔

علاوہ ازیں اَحکامِ شرعیہ کی گزشتہ چاروں تقسیمات میں موجود کمی پر نشاندہی کرتے ہوئے، امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ "تقسیمِ اوّل میں کمالِ اِجمال اور مذہبِ شافعی سے اَلیَق ہونے کے علاوہ، صحتِ مقابلہ اس پر مبنی کہ ہر مندوب کا ترک مکروہ ہو، وقد علمتَ أنّه خلافُ التحقيق، نیز سنّت ومندوب میں فرق نہ کرنا مذہبِ حنفی وشافعی کسی کے مطابق نہیں، یہی دونوں (جانبِ فعل اور جانبِ ترک) کی تقسیمِ دُوم ۲ میں بھی ہیں، سوم ۳ وچہارُم ۴ میں عدمِ مقابلہ بدیہی؛ کہ سوم ۳ میں جانبِ فعل چار ۴ چیزیں ہیں، اور جانبِ ترک دو ۲، چہارُم ۴ میں جانبِ فعل پانچ ۵ ہیں اور جانبِ ترک تین ۳۔

پھر جانبِ ترک بسطِ اَقسام کرکے تصحیحِ مقابلہ کیجیے تو اُسی مقابلۂ نفل وکراہت سے چارہ نہیں، مگر -بتوفیق اللہ تعالیٰ- تحقیقِ فقیر سب خَللوں سے پاک ہے! اُس نے ظاہر کیا کہ اَحکام گیارہ ۱۱ ہیں، پانچ ۵ جانبِ فعل میں متنازِلاً: (۵) فرض، (۴) واجب، (۳) سنّتِ مؤکّدہ، (۲) غیر مؤکّدہ، (۱) مستحب۔ اور پانچ ۵ جانبِ ترک میں متصاعداً: (۱) خلافِ اَولی، (۲) مکروہِ تنزیہی، (۳) اِساءَت، (۴) مکروہِ تحریمی، (۵) حرام، جن میں میزانِ مقابلہ اپنے کمالِ اعتدال پر ہے؛ کہ ہر ایک اپنے نظیر کا مقابل ہے، اور سب کے بیچ میں گیارہواں مباحِ خالص"[1]۔

سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس مجتہدانہ تقسیم کے بعد تحدیثِ نعمت کے طَور پر فرمایا کہ "اس تقریرِ منیر کو حفظ کرلیجیے؛ کہ اِن سُطور کے غیر میں نہ ملے گی؛

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الطہارۃ، باب الغسل، رسالہ "بَركات السّماء في حكم إسراف الماء" ۱/ ۷۰۵۔ "پیغامِ شریعت" مصنّفِ اَعظم نمبر ۲۰۱۸ء، ضمیمہ امام احمد رضا اور اُصولِ فقہ، ص۳۶۴، ۳۶۵۔

اور ہزارہا مسائل میں کام دے گی؛ اور صدہا عُقدوں کو حل کرے گی، کلمات اس کے مُوافق مخالف سب طرح کے ملیں گے، مگر -بحمد اللہ تعالیٰ- حق اس سے متجاوِز نہیں، فقیر طمع رکھتا ہے کہ اگر حضور سیّدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور یہ تقریر عرض کی جاتی، ضرور ارشاد فرماتے کہ "یہ عطرِ مذہب وطرازِ مُذہّب ہے"[1]۔

قارئین اس تحقیقِ اَنیق میں تعمُّق نظر کریں، کہ اس میں امام احمد رضا کی مجتہدانہ شان اظہر من الشمس ہو جاتی ہے، اور حق روزِ رَوشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے، کَم تركَ الأوّلون للآخِرين!.

خلاصۂ کلام: اَحکامِ شرعیہ کی تقسیم کے حوالے سے علمائے اُصولیین اور فقہائے معتمَدین کے مختلف اقوال ملتے ہیں، جن میں سے بعض نے اَحکامِ شرعیہ کی تعداد پانچ ۵، بعض نے سات ۷، اور بعض نے نو ۹ بیان فرمائی، جبکہ فقیہِ اعظم امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اَحکامِ شرعیہ کی تعداد گیارہ ۱۱ بیان فرمائی، اَحکامِ شرعیہ کی تعداد گیارہ ۱۱ ہے، کتبِ اکابر میں اس کی صراحت نہیں، امامِ اہلِ سنّت نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً اَحکامِ شرعیہ کی نئی تقسیم بیان فرمائی۔

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الطہارۃ، باب الغسل، رسالہ "برَكات السّماء في حكم إسراف الماء" ۱/ ۷۰۵۔ "پیغامِ شریعت" مصنّفِ اعظم نمبر ۲۰۱۸ء، ضمیمہ امام احمد رضا اور اُصولِ فقہ، ص۳۶۴، ۳۶۵۔

وضو میں اِسراف سے متعلق اقوالِ فقہاء میں تطبیق

وضو میں بلاسبب پانی خرچ کرنے کے بارے میں فقہائے کرام کے چار ۴ مختلف اَقوال ہیں: (۱) علّامہ حلَبی اور علّامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک بلاسبب پانی خرچ کرنا اِسراف فی الوضوء ہے جو کہ حرام ہے۔

(۲) علّامہ مدقِّق عَلائی قدس سرہٗ کے نزدیک مکروہِ تحریمی ہے۔

(۳) علّامہ ابن نُجَیم مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ (صاحبِ "البحر الرائق") کے نزدیک وضو میں بلاسبب پانی خرچ کرنا مکروہِ تنزیہی ہے۔

(۴) محقِق علی الاِطلاق امام ابن ہُمام (صاحبِ "فتح القدیر") کے نزدیک ایسا کرنا خلافِ اَولی ہے۔

ایک ہی مسئلہ میں فقہاء کے چار ۴ مختلف اَقوال وفتاوی، فقہی ذَوق رکھنے والے صاحبانِ علم اور طالبانِ فقہ کے لیے پریشانی کا باعث تھے، اور کوئی بنیادی ضابطہ نہ ہونے کے باعث وہ ان اقوال میں تطبیق دینے سے قاصر تھے۔ امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی خداداد شانِ اجتہاد سے اس مسئلہ سے متعلق چاروں اقوال میں تطبیق دے کر، ان کے چار جُدا جُدا محل بیان فرمائے، اور بظاہر نظر آنے والے تضاد وتعارُض کو رفع فرمادیا، وہ یوں کہ:

(۱) اگر وضو میں اِسراف باعتقادِ سنّت ہو تو حرام ہے۔

(۲) اور اگر اِسراف بلا اعتقادِ سنّت ہے تو مکروہِ تحریمی ہے۔

(۳) اور اگر وضو میں اِسراف سنّت سمجھ کر نہ ہو، اور پانی بھی ضائع نہ ہو، لیکن پانی ضرورت سے زیادہ خرچ ہو جائے تو مکروہِ تنزیہی ہے۔

(۴) اور اگر اِسراف بلا اعتقادِ سنّت ہو، اور پانی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کی عادت نہ ہو، مگر کبھی اتفاقاً خرچ ہو جائے تو یہ خلافِ اَولی ہے۔

امام احمد رضا کی پیش کردہ یہ تطبیق عین حق وصواب اور دُرِّ نایاب ہے، جسے آپ نے خداداد اجتہادی صلاحیتوں سے روشن فرمایا، کہ کسی کے لیے مجالِ دم زدن نہیں! اس مسئلہ کی تفصیل "فتاوی رضویہ" کتاب الطہارۃ، رسالہ "برکات السماء في حکم إسراف الماء"[1] میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

خلاصۂ کلام: وضو میں بلاسبب پانی خرچ کرنے کے بارے میں فقہائے کرام کے چار ۴ مختلف اقوال ہیں، لیکن کوئی بنیادی ضابطہ نہ ہونے کے سبب ان اقوال میں باہم تطبیق کی صورت نظر نہ آتی تھی، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے مختلف صورتیں بیان کرتے ہوئے ان اقوال میں اس طرح تطبیق دی، کہ مسئلہ میں نظر آنے والا بظاہر تضاد وتعارُض رفع ہو گیا۔ اس سلسلے میں امام اہلِ سنّت نے تطبیق کے لیے مسئلے کی جو صورتیں بیان کیں، کتبِ اکابر میں اس کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً مسئلہ بیان کیا اور اقوالِ فقہاء میں تطبیق دی۔

دَہ دَر دَہ تالاب یا حوض کے عُمق سے متعلق قولِ راجح کی تعیین

دہ دَر دہ (10x10) سائز کے حوض یا تالاب میں جمع شدہ پانی، پاک ہوتا ہے اور بہتے پانی (Flowing Water) کے حکم میں ہوتا ہے، کہ نَجاست گرنے

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الطہارۃ، باب الغسل، رسالہ "برَکات السّماء في حکم إسراف الماء" ۱/ ۶۸۷۔

سے نجس وناپاک نہیں ہوتا۔ اس میں کتنا عُمق وگہرائی (Depth) چاہیے؟ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ "ہاتھ سے پانی لینے میں زمین نہ کھلے" اس سے مراد لَپ (دو ہاتھ) ہے یا چُلّو (ایک ہاتھ)؟ اس بارے میں امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں ایک استفتاء پیش کیا گیا، آپ نے اس کا مبسوط و مفصَّل اور محقق و مدلّل جواب اِرقام کرتے ہوئے فرمایا کہ "اُس کے عُمق میں گیارہ ۱۱ قول ہیں:

(۱) کچھ درکار نہیں، صرف اتنا ہو کہ اُتنی مساحت (Area) میں زمین کہیں کھلی نہ ہو۔ (۲) بڑا درہم کہ ۴۰ ماشے[۱] ہوتا ہے، اُس کے عرض (Breadth) سے کچھ زیادہ گہرا ہو۔ (۳) اُس میں سے پانی ہاتھ سے اُٹھائیں تو زمین کھل نہ جائے۔ (۴) پانی لینے میں ہاتھ زمین کو نہ لگے۔ **اقول:** یہ اپنے سابق سے زائد ہے کما لا یخفی.

(۵) ٹخنوں تک ہو۔ (٦) چار ۴ اُنگل کشادہ۔ **اقول:** یہ تقریباً نو ۹ اُنگل یعنی تین گرہ[۲] ہوا۔

(٧) ایک بالشت۔ (٨) ایک ہاتھ۔ (۹) دو ۲ ہاتھ۔ (۱۰) سفید سکّہ اُس میں ڈال کر مَرد کھڑے سے دیکھے تو روپیہ نظر نہ آئے۔ **اقول:** یعنی پانی کی کثرت سے، نہ کہ اُس کی کُدرت سے۔

(۱۱) اپنی طرف سے کوئی تعیین نہیں، ناظر کی رائے پر موقوف ہے۔ **اقول:** یعنی جو جتنے گہراؤ پر سمجھے کہ آبِ کثیر ہو گیا، اُس کے حق میں وہ کثیر ہے، دوسرا نہ سمجھے تو اُس کے لیے قلیل ہے"[۳]۔

---

(۱) 4 گرام، اور 147.2 ملی گرام۔[میمن]

(۲) 6.75 انچ۔

(۳) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الطہارۃ، باب المیاہ، رسالہ "هبة الحبير في عُمق ماءٍ =

امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے یہ تمام تفصیلی اَقوال نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ "اِن میں صرف دو۲ قول مصحّح ہیں: اوّل وسوم ۳ وبَس،... قولِ اوّل کی تصحیح امام زَیلعی نے فرمائی... (جبکہ) قولِ سوم کی ترجیح عامۂ کتب میں ہے، (۱) "وِقایہ"[۱] (۲) و"نقایہ"[۲] (۳) و"اِصلاح"[۳] (۴) و"غرر"[۴] (۵) و"ملتقی"[۵] متون، (٦) و"وَجیز کَردری"[٦] وغیرہا[۷] میں اِسی پر جزم فرمایا، (۷) امامِ اجَل قاضی خانؒ نے اِسی کو مقدَّم رکھا، اور امامِ اَعظم سے امام ابو یوسف کی روایت بتایا، (۸) "ہدایہ"[۸] (۹) و"دُرر"[۹] (۱۰) و"مجمع الاَنہُر"[۱۰] (۱۱) و"مسکین"[۱۱] (۱۲) و"مراقی الفلاح"[۱۲] (۱۳) و"ہندیہ"[۱۳] میں اِسی کو صحیح، اور

=

كثير" ٢/ ٢٩٨، ٢٩٩۔

(١) "الوقاية" كتاب الطهارة، قـ٤.

(٢) "النقاية" كتاب الطهارة، صـ٤.

(٣) "الإصلاح" كتاب الطهارات، ١/ ٣٨.

(٤) "الغرر" كتاب الطهارة، فرض الغسل، ١/ ٢٢.

(٥) "الملتقى" كتاب الطهارة، فصل، صـ٢٩، ٣٠.

(٦) أي: "البزّازية" كتاب الطهارة، الفصل ١ في الآلة، نوع في الحياض، ٤/ ٥.

(٧) انظر: "التبيين" كتاب الطهارة، الجزء ١، صـ٢٢.

(٨) "الهداية" كتاب الطهارات، باب الماء الذي يجوز به الوضوء، الجزء ١، صـ٢٤.

(٩) "الدرر" كتاب الطهارة، فرض الغسل، ١/ ٢٢.

(١٠) "مجمع الأنهُر" كتاب الطهارة، فصل، ١/ ٤٧.

(١١) أي: "شرح الكنز" كتاب الطهارة، مطلب يحرم أكل الطعام المتغيّر، ١/ ٦٥.

(١٢) "المراقي" كتاب الطهارة، صـ١٠.

(١٣) "الهندية" كتاب الطهارة، الباب ٣ في المياه، الفصل ١ فيما يجوز به التوضّؤ، ١/ ١٨.

(۱۴) "ذخیرۃ العُقبی" میں اَصَح، اور (۱۵) "غیاثیہ" (۱۶) و"غنیہ"[1] (۱۷) و"خزانۃ المفتین" میں مختار کہا، (۱۸) "معراج الدِرایہ" (۱۹) و"فتاویٰ ظہیریہ"[2] (۲۰) و"فتاویٰ خلاصہ"[3] (۲۱) و"جَوہرہ نیّرہ" (۲۲) و"شَلبیّہ"[4] وغیرہا[5] میں:"علیہ الفتوی"فرمایا"[6]۔

"ہاتھ سے پانی لینے میں زمین نہ کھل جائے" اس قول سے مُراد ایک ہاتھ سے پانی لینا مراد ہے یا دونوں ہاتھ سے؟ اس سلسلے میں کلامِ علماء تین ۳ طرح کے ہیں: (۱) مطلقاً اِغتراف یعنی ہاتھ سے پانی لینا، خواہ ایک ہاتھ سے پانی لینا ہو یا دونوں سے، یہ دونوں صورتوں کو شامل ہے، (۲) ایک ہاتھ سے پانی لینا مراد ہے، (۳) دونوں ہاتھوں سے پانی لینا مراد ہے۔

امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اس پر فقہی بحث فرماتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے پانی لینے والے قول کو ترجیح دی، اور درج ذَیل وُجوہِ ترجیح بیان فرمائے کہ "راجح یہی ہے کہ دونوں ہاتھوں سے پانی لینا مراد ہے، **اوّلاً:** یہی مُتون کا مفاد۔

ثانیاً: یہی عامّۂ کتب سے مستفاد۔

---

(۱) "الغنية" فصل في الحياض، صـ۹۷، ۹۸.

(۲) "الظهيرية" كتاب الطهارة، الباب ۱، الفصل ۲، النوع ۲، قـ۳.

(۳) "الخلاصة" كتاب الطهارات، الفصل ۱، الجنس ۱، الجزء ۱، صـ۳.

(٤) أي: "حاشية الشَّلبي" كتاب الطهارة، الجزء ۱، صـ۲۲.

(٥) انظر: "البحر" كتاب الطهارة، ۱/ ۱٤۰، ۱٤۱.

(٦) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الطہارۃ، باب المیاہ، رسالہ "هبة الحبير في عمق ماءٍ كثير" ۲ / ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۰۶، ملخصًا۔

ثالثاً: کتبِ متعدّدہ میں اس پر تنصیص اور کفِ واحد پر کوئی نص نہیں۔

رابعًا: کف سے کفین مراد لے سکتے ہیں نہ بالعکس، تو اس میں توفیق ہے، اور وہ نصبِ خلاف سے اَولیٰ۔

خامساً: زمین نہ کھلنے سے مقصود یہ ہے کہ مَساحت برقرار رہے، ورنہ دو ۲ پانی جُدا ہو جائیں گے"[۱]۔

خلاصۂ کلام: دہ دَر دہ (10x10) سائز کے حوض یا تالاب میں کتنی گہرائی درکار ہے؟ اس سلسلے میں فقہائے کرام کے گیارہ ۱۱ مختلف اقوال ہیں، جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ "ہاتھ سے پانی لینے میں زمین نہ کھل جائے" اس قول سے مُراد ایک ہاتھ سے پانی لینا مراد ہے یا دونوں ہاتھ سے؟ اس بارے میں بھی فقہاء کی تین ۳ مختلف آراء ہیں: (۱) مطلقًا ہاتھ سے پانی لینا مراد ہے، چاہے خواہ ایک ہاتھ سے ہو یا دونوں سے، (۲) ایک ہاتھ سے پانی لینا مراد ہے، (۳) دونوں ہاتھوں سے پانی لینا مراد ہے۔

امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اوّلاً گیارہ ۱۱ اَقوال میں سے دو ۲ مصحَّح قولوں کی نشاندہی فرمائی، پھر دونوں ہاتھوں سے پانی لینے والے قول کی پانچ ۵ وُجوہ سے ترجیح بیان کی۔ قولِ راجح کونسا ہے؟ کتبِ اکابر میں اس کی صراحت نہیں ملتی، امام اہلِ سنّت نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً قولِ راجح اور اس کی وُجوہِ ترجیح بیان کیں۔

---

(۱) ایضًا، ص۳۰۹، ۳۱۰۔

وضو کے لیے پانی کی اقسام

سیّدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجتہدانہ شان کا اندازہ اس بات سے بھی خوب لگایا جاسکتا ہے، کہ آپ نے وضو کے لیے ایسے پانی کی ایک سو ساٹھ ۱۶۰ اَقسام بیان فرمائی ہیں جن سے وضو جائز ہے، اسی طرح آپ نے پانی کی ایک سو چھیالیس ۱۴۶ ایسی اَقسام بھی بیان فرمائیں جن سے وضو جائز نہیں، صرف یہی نہیں بلکہ فقیہِ اعظم امام احمد رضا نے پانی کے استعمال سے عاجز آنے کی ایک سو پچھتر ۱۷۵ صورتیں بھی بیان فرمائیں، وضو کے لیے قابلِ استعمال اور ناقابلِ استعمال پانی کی اتنی اَقسام آپ کو دیگر کتبِ فقہ میں کہیں نہیں ملیں گی!۔

اس کی مزید تفصیل اور مطالعہ کے لیے "فتاوی رضویہ" جلد ۳، کتاب الطہارۃ، باب التیمم میں رسالہ "حُسن التعمّم لبیان حدِّ التیمُم"[۱] مُلاحظہ فرمائیں، اس مقام پر امام احمد رضا نے جو عطرِ تحقیق پیش فرمایا ہے وہ آپ ہی کا خاص حصہ ہے، اَربابِ فقہ واِفتاء نگاہِ تحقیق سے اس تحقیقِ نایاب کا مطالعہ فرمائیں، تو امام احمد رضا کی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کا بَرملا اعتراف کریں گے، اور اِن گراں قدر تحقیقات کے اعتراف میں اپنی جبینِ نیاز خم کریں گے! نیز فقہ واِفتاء کی کتابیں کھنگال ڈالیے، امام احمد رضا نے جو عطرِ تحقیق پیش فرمایا ہے، وہ آپ کے سوا کہیں نہیں ملے گا، وللہ الحمدُ علی ذلك!.

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الطہارۃ، باب التیمم، سالہ "حُسن التعمُّم لبیان حدّ التیمّم" ۳ / ۳۵۔

خلاصۂ کلام: کس پانی سے وضو جائز اور کس سے ناجائز ہے؟ اور پانی کے استعمال سے عاجز آنے کی کتنی صورتیں ہیں؟ امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کی سینکڑوں ایسی اقسام اور صورتیں بیان کی ہیں، جن کی کتبِ اکابر میں صراحت نہیں ملتی، امام اہلِ سنّت نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّهاً پانی کی اتنی اقسام، اور اس کے استعمال سے عجز کی صورتیں بیان فرمائیں۔

جن اشیاء سے تیمم جائز ہے ان میں اضافہ

جن اشیاء سے تیمم جائز ہے، کتبِ فقہ میں ان کی تعداد ۷۴ شمار کی گئی ہے، جبکہ امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "فتاوی رضویہ" میں ان اشیاء کی تعداد ایک سو اکیاسی ۱۸۱ بیان فرمائی، اور تنِ تنہاء ان میں ایک سو سات ۱۰۷ اشیاء کا اِضافہ فرمایا[1]۔

خلاصۂ کلام: جن اشیاء سے تیمم جائز ہے، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سینکڑوں ایسی اشیاء کا اِضافہ کیا ہے، جن کی کتبِ اکابر میں صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّهاً یہ اِضافہ فرمایا۔

جن اشیاء سے تیمم جائز نہیں ان میں اِضافہ

اسی طرح جن اشیاء سے تیمم جائز نہیں، کتبِ فقہ میں عام طور پر اُن کی تعداد ۵۸ بیان کی گئی ہے، جبکہ فقیہِ اعظم امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان میں بھی بہتّر ۷۲ اشیاء کا اِضافہ فرمایا، اور ان کی کُل تعداد ۱۳۰ بیان فرمائی[2]۔

---

(۱) ایضاً، باب التیمم، رسالہ "المطر السعيد على نبت حسن السعيد" ۳/ ۲۲۱-۲۳۷۔

(۲) ایضاً، ص۲۳۸- ۲۴۵۔

خلاصۂ کلام: جن اشیاء سے تیمم جائز نہیں، امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ان میں سینکڑوں ایسی اشیاء کا اِضافہ کیا ہے، جن کی کتبِ اکابر میں صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّھاً یہ اضافہ فرمایا ہے۔

مسئلۂ تیمم اور قانونِ رضوی

اگر کسی شخص نے تیمم کر کے نماز ادا کی یا کرنے والا ہو، اور قبلِ نماز یا بعدِ نماز وہ اس امر پر مطلع ہوا کہ کسی دوسرے کے پاس پانی ہے، ایسی صورت میں تیمم والے کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اس مسئلہ میں علمائے متقدمین ومتاخرین نے عدمِ جوازِ تیمم اور بُطلانِ نماز کا حکم کرتے ہوئے، منتشر اَبحاث فرمائیں اور دلائل ذکر کیے، لیکن کسی نے کوئی واضح ضابطہ مرتَّب نہیں فرمایا، امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں جب یہ مسئلہ پیش ہوا، تو آپ نے اپنے اجتہاد سے اس پر ایک نیا "قانونِ رضوی" مرتَّب کیا، اور صرف اس ایک جزئیہ پر ۴۲۶ اَقسام بیان کیں، اور ان اَقسام کو ۱۹ قاعدوں کے تحت مرتَّب فرمایا[۱]۔ اس کی نظیر دنیا کی کسی اَور کتاب میں نہیں ملے گی!۔

امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے (۱) "زیادات" (۲) "جامعِ کرخی" (۳) "محیطِ سرخسی" (۴) "خلاصہ" (۵) "وجیز" (۶) "شرحِ وِقایہ" (۷) "حلبہ" (۸) "عالمگیریہ" (۹) "بحر" (۱۰) اور "غنیہ" کی عبارتوں سے اس مسئلہ کا صحیح ومعتمَد حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "سِرے سے بُطلانِ نماز کا حکم صحیح نہیں، صحیح

---

(۱) ایضًا، صـ۳۸۰- ۳۹۰۔

ومعتمد وظاہر الروایہ یہی ہے کہ صِرف غلبۂ ظنِّ عطا سے نہ تیمم باطل ہو نہ نماز، اگر ظنِّ عطا کی خطا ظاہر ہو دونوں صحیح و تامّ ہیں، کتبِ حاضرہ میں اس صاف تعارُض کی طرف کوئی توجّہ مبذول نہ ہوئی "[1]۔

صرف یہی نہیں بلکہ امام احمد رضا نے اس مسئلہ پر کتبِ فقہ میں سابقہ اَبحاث اور دلائل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، انہیں تین ۳ قوانین میں منضبط کرکے ان پر کلام فرمایا، (۱) پہلا قانون صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ (صاحبِ "توضیح") کا بیان فرمایا، اور اس پر تین ۳ اِعتبارات سے کلام کیا، (۲) دوسرا قانون امام زَین الدین ابن نُجَیم مصری رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا بیان کیا، اور اس پر گیارہ ۱۱ اِعتبارات سے کلام کیا، (۳) تیسرا قانون امام حَلَبی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا بیان فرمایا، اور اس پر نو ۹ اِعتبارات سے کلام کیا، نیز ان میں پائی جانے والی کمزوریوں اور سقم کو بھی بیان فرمایا۔

مذکورہ بالا مسئلے میں امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے صریح تعارُض کی نشاندہی فرمائی، اور مؤخّر الذکر حکم کو دلائل کے ساتھ ترجیح دی، حضرتِ امام کی یہی خوبی آپ کو دیگر فقہاء سے ممتاز کرتی ہے، اور اس اَمر پر واضح دلالت کرتی ہے کہ وہ مقامِ اجتہاد پر فائز المرام ہیں! ع

وادی رضا کی کوہِ ہمالہ رضا کا ہے جس سَمت دیکھیے وہ عَلاقہ رضا کا ہے![2]

خلاصۂ کلام: تیمم کرنے والا اگر قبلِ نماز یا بعدِ نماز اس امر پر مطلع ہو کہ کسی دوسرے کے پاس پانی ہے، تو ایسی صورت میں تیمم والے کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اس

---

(۱) ایضاً، ص۳۶۱۔

(۲) دیکھیے: "امام احمد رضا بحیثیت مجتہد" امام احمد رضا کا وصفِ اجتہاد، ص۶۱۸۔

بارے میں فقہاء نے عدم جوازِ تیمم اور بُطلانِ نماز کا حکم کرتے ہوئے منتشر اَبحاث ذکر کی ہیں۔ امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں ایک نیا "قانونِ رضوی" مرتّب کیا، اور صرف اس ایک جزئیہ پر ۴۲۶ اَقسام بیان کیں، نیز اس مسئلہ پر کتبِ فقہ میں سابقہ اَبحاث اور دلائل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، انہیں تین ۳ قوانین میں منضبط کیا، اور اُن پر کلام کرتے ہوئے قولِ راجح کی تعیین فرمائی۔ کتبِ اکابر میں یہ مسئلہ اتنی تفصیل اور صراحت سے مذکور نہیں، امامِ اہلِ سنّت نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُھاً یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔

مسئلۂ لُمعہ

جُنبی (جس پر غسل فرض ہو) نے تیممِ جَنابت کیا، پھر پانی میسر آنے پر اپنے بدن کا کچھ حصہ دھویا، اور کچھ دھونا باقی تھا کہ پانی ختم ہوگیا، اس کے بعد حدَث لاحق ہو گیا جو مُوجبِ وضو ہے، اب جو پانی میسّر آئے اسے وضو اور رفعِ حدَث میں صَرف کرے؟ یا بقیہ جَنابت کے دھونے میں؟ یہ "مسئلۂ لمعہ" ہے۔ گزشتہ کتبِ فقہ میں مسئلۂ لمعہ کی مختلف صورتیں مع اَحکام بیان ہوئی ہیں، البتہ "شرحِ وِقایہ" میں مسئلۂ لمعہ کی سب سے زیادہ صورتیں بیان کی گئی ہیں، جن کی کُل تعداد پندرہ ۱۵ ہے۔ امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مسئلہ میں بھی خوب تحقیق، تنقیح اور اجتہاد فرمایا، اور مسئلۂ لمعہ کی علیحدہ علیحدہ گِن کر اَٹھانوے ۹۸ صورتیں مع اَحکام بیان فرمائیں۔

کسی مسئلہ میں اس قدر تفصیل بیان کرنا سیّدی اعلیٰ حضرت کا خاصّہ ہے، اگر فقیہِ اعظم امام احمد رضا کی مسئلۂ لمعہ سے متعلق اس تفصیلی تحقیق کو سامنے رکھا جائے، تو دیگر کتبِ فقہ میں اس کا چوتھائی حصہ بھی نہیں ملتا![1]۔

(۱) "امام احمد رضا کا فقہی مقام" "مسئلہ لمعہ، ص۱۵۸، ملخصاً۔

خلاصۂ کلام: جس شخص پر غسل فرض ہو، اُس نے پانی کی عدم دستیابی کے باعث تیمم جَنابت کیا، پھر پانی میسر آنے پر اپنے جسم کا کچھ حصہ دھویا، اور کچھ دھونا ابھی باقی تھا کہ پانی ختم ہو گیا، اور اسے حدَث لاحق ہو گیا (یعنی ریح وغیرہ خارج ہو گئی)، لہذا پانی میسّر آنے پر اَب وہ شخص بقیہ جَنابت دُور کرے یا وضو کرے؟ یا پھر پانی کی قلّت کے باعث جَنابت دُور کرنے کے لیے تیمم کرے، اور دستیاب پانی سے وضو کرلے؟ فقہاء کی اصطلاح میں اسے "مسئلہ لُمعہ" کہتے ہیں، کتبِ فقہ میں زیادہ سے زیادہ اس مسئلہ کی پندرہ ۱۵ صورتیں بیان کی گئی ہیں، جبکہ سیّدی اعلی حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی اٹھانوے ۹۸ مختلف صورتیں بیان کی ہیں۔ کتبِ اکابر میں یہ مسئلہ اتنی تفصیل سے مذکور نہیں، امام اہلِ سنّت نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً "مسئلہ لُمعہ" کی صورتوں میں اِضافہ فرمایا۔

مسئلۂ رُوسَر اور مقدّماتِ عشرہ

رام پور اتر پردیش میں انگریزوں کی ایک کمپنی "رُوسَر" کے نام سے شکر تیار کرتی تھی، عوامی سطح پر اس کے بارے میں یہ بات مشہور تھی، کہ کمپنی والے شکر کو صاف وشفّاف کرنے کے لیے جانوروں کی ہڈیاں استعمال کرتے ہیں، اور اس بات کا لحاظ نہیں کرتے کہ ہڈیاں پاک ہیں یا ناپاک، حلال جانوروں کی ہیں یا حرام جانوروں کی، نیز لوگوں میں یہ بات بھی مشہور تھی کہ اس کے اَجزائے ترکیبیہ میں شراب بھی استعمال کی جاتی ہے۔ امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں یہ مسئلہ بصورتِ استفتاء پیش کیا گیا، اور اس کا شرعی حکم بیان کرنے کی گزارش کی گئی۔

مذکورہ شکر کا مسئلہ ایک غیر منصوص مسئلہ تھا، لہذا ائمۂ مذہب سے بھی اس بارے میں کوئی صریح روایت موجود نہیں تھی، سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالی علیہ چاہتے تو اس مسئلہ کا مختصر اور اِجمالی جواب دے کر سائل کو مطمئن کر دیتے، مگر آپ نے اپنی دُور اندیشی سے اس مسئلہ کی اہمیت کو جانا، اور مستقبل قریب میں پیش آنے والے اس جیسے مزید مسائل کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس کا تفصیلی جواب تحریر کیا، اور اس موضوع پر باقاعدہ ایک رسالہ "الأحلی من السُکّر لطلبة سُکّر رُوسر"[1] تحریر فرمایا، نیز اس رسالے میں مقدّماتِ عشرہ کے نام سے دَس ۱۰ ایسے رَہنما فقہی اُصول وضوابط مرتَّب کیے، کہ قیامت تک ان اُصول وضوابط کی رَوشنی میں، علمائے امّت ہزارہا مسائل کے اَحکامِ شرعیہ بیان کرتے رہیں گے! ان مقدّماتِ عشرہ کو تفصیلاً ذکر کرنا خوفِ طوالت کے باعث فی الحال ممکن نہیں، البتہ ان کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے:

پہلا مقدّمہ: ہر جانور کی ہڈی پاک ہے، چاہے اس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو، اسی طرح ذَبح کیا گیا ہو یا ذَبح نہ کیا گیا ہو، البتہ شرط یہ ہے کہ ان ہڈیوں پر کسی بھی طرح کی ناپاک چکنائی نہ ہو۔ جہاں تک خنزیر کی بات ہے تو اس کے جسم کا ہر ایک جز نجس ُالعین اور ایسا ناپاک ہے کہ کسی بھی طرح وہ طہارت کے لائق ہی نہیں۔

دوسرا مقدّمہ: شریعتِ مطہَّرہ میں طہارت وحلّت ہی اصل ہیں، اور یہ خود اپنے آپ میں دلیلِ اِثبات ہیں، جو کسی صورت محتاجِ دلیل نہیں، جبکہ حرمت ونَجاست عارضی ہیں، لہذا کسی خاص دلیل کے محتاج ہوا کرتے ہیں۔

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الطهارة، باب الأنجاس، رسالہ "الأحلی من السُّکر لطلبة سُکر رُوسر" ۳/ ۵۶۳- ۶۰۹۔

تیسرا مقدّمہ: احتیاط اس میں نہیں کہ کسی چیز کو کسی ثبوت اور بالغ تحقیق کے بغیر حرام اور مکروہ کہہ دیا جائے، بلکہ احتیاط اس بات میں ہے کہ کسی چیز کو مُباح (جائز) ہی کہا جائے، جب تک اس کے حرام یا مکروہ ہونے کی کوئی خاص دلیل نہ ملے؛ کیونکہ مُباح ماننا ہی اصل ہے، اور اسی مُباح کے ماننے میں احتیاط ہے۔

چوتھا مقدّمہ: بازاری اَفواہ نہ قابلِ اعتبار ہے، نہ ان پر شرعی مسائل کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے؛ کیونکہ بازاری اَفواہیں بے سروپا ہوتی ہیں، اور تحقیق کی جائے تو عموماً غلط اور سُنی سنائی ثابت ہوتی ہیں، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ خبر یا اَفواہ کسی کافر وغیر مسلم یا فاسقِ مُعلِن کی اُڑائی ہوئی ہوتی ہے۔

پانچواں مقدّمہ: کسی چیز کا حرام یا مکروہ ہونا اَحکامِ دِینیہ سے ہے، اور کسی بھی کافر کی خبر دینی اَحکام میں محض نامقبول ہے، اس بارے میں کسی مسلمان فاسق، بلکہ کسی مستورُ الحال مسلمان (جس کے نیک یا بد ہونے کا حال معلوم نہ ہو) کی خبر بھی لائقِ التفات نہیں، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اگر کوئی فاسق یا مستورُ الحال مسلمان خبر دے، تو اس پر تحرّی (غور وفکر) کی جا سکتی ہے، اگر خبر سچ ہونے پر دل جمے تو اس کا لحاظ کیا جائے، جب تک اس خبر کے غلط ہونے پر راجح ثبوت نہ مل جائے۔

"اور کافر میں اس کی بھی حاجت نہیں، مثلاً پانی رکھا ہو، کافر کہے: "ناپاک ہے"، تو مسلمان کو رَوا کہ اُس سے وضو کر لے، یا گوشت خریدا ہو، کافر کہے: "اس میں لحمِ خنزیر ملا ہے"، مسلمان کو اُس کا کھانا حلال، اگرچہ اس کا صِدق ہی غالب ہو، اگرچہ اُس کی یہ بات دل پر کچھ[1] جمتی ہوئی ہو؛ کہ جو خُدا کو جھٹلاتا ہے، اس سے

(۱) کچھ اس لیے کہ مجرّد خبرِ کافر کا بے ملاحظۂ اُمورِ دیگر (جو اس کے مؤیّدات وقرائن ہوں) قلبِ مؤمن پر ٹھیک جمنا کالمحال ہے۔ منہ [امام احمد رضا]۔

بڑھ کر جُھوٹا کون! پھر اَیسے کی بات محض واہیات، البتہ احتیاط کرے تو بہتر، وہ بھی وہاں جب کچھ حرج نہ ہو"(۱)۔

چھٹا مقدّمہ: "کسی شَے کا محلِ احتیاط سے دُور، یا کسی قَوم کا بے احتیاط وشعور، اور پروائے نَجاست وحُرمت سے مہجور ہونا، اسے مستلزم نہیں کہ وہ شَے، یا اُس قَوم کی استعمالی خواہ بنائی ہوئی چیزیں مطلقًا ناپاک یا حرام وممنوع قرار پائیں؛ کہ اس سے اگر یقین ہوا تو اُن کی بے احتیاطی پر، اور بے احتیاطی مقتضی وُقوعِ دائم نہیں، پھر نفسِ شَے میں سِوا ظنون وخیالات کے کیا باقی رہا؟ جنہیں اَمثالِ مقام میں شرعِ مطہّر لحاظ سے ساقط فرما چکی!"(۲)۔

ساتواں مقدّمہ: ہاں جہاں کہیں بے احتیاطی شدّت کے ساتھ پائی جائے، کہ اکثر اَحوال میں نَجاست وآلودگی کا غلبۂ وُقوع اور کثرتِ شُیوع ہو، تو بے شک باعثِ غلبۂ ظن ہوگا، جو شریعت میں معتبر اور فقہ میں بِنائے اَحکام ہے۔

آٹھواں مقدّمہ: کسی چیز میں حرام ونجس کے ملانے، یا اس کے اختلاط سے کسی چیز کے حرام ونجس ہونے کا یقین، اس چیز کے ہر ہر فرد سے منع واحتراز کا مُوجب اسی وقت ہو سکتا ہے، جب یہ معلوم ومتحقق ہو کہ یہ ملانا اور نَجاست کا اختلاط بروَجہِ شُمول وعموم ہو، مثلاً جس چیز کی نسبت ثابت ہو جائے کہ اس میں شراب یا خنزیر کی چربی وغیرہ پڑتی ہے، اور بنانے والوں کو اس کا التزام ہے، تو اس کا استعمال کلیۃً ناجائز وحرام ہے، اور اگر حرام شَے ملانے کا عمومی طَور پر التزام نہیں کیا جاتا، تو وہاں حرام یا نجس ہونے کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الطہارۃ، باب الأنجاس، رسالہ "الأحلی من السُّکر لطلبة سُکر رُوسر" ۳/ ۵۶۷، ۵۶۸۔

(۲) ایضاً، ص۵۶۸۔

نواں مقدّمہ: "جب بازار میں حلال وحرام مطلقاً، یا کسی جنسِ خاص میں مختلط ہوں، اور کوئی ممیّز وعلامتِ فارقہ نہ ملے، تو شریعتِ مطہّرہ خریداری سے اجتناب کا حکم نہیں دیتی؛ کہ آخر اِن میں حلال بھی ہے، تو ہر شَے میں احتمالِ حلّت قائم، اور رُخصت واِباحت کو اسی قدر کافی"(۱)۔ یعنی ایسی چیز کو خریدنے اور استعمال کرنے میں کوئی قباحت نہیں!۔

دسواں مقدّمہ: دینِ اسلام آسانی کا نام ہے دُشواری کا نہیں، اور اللہ تعالی نے ہمیں اس بات کا مکلَّف نہیں کیا کہ ہم بازار سے صرف وہی چیز خریدیں جسے ہم اپنے علم ویقین کی رُو سے طیّب وطاہر جانتے ہیں، یہ انتہائی دُشوار امر ہے جو حرجِ عظیم کا باعث ہے(۲)۔

یہ دس ۱۰ مقدّمات کس قدر اہمیت کے حامل ہیں، اس کا اندازہ امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی علیہ کے ایک اَور فتویٰ سے لگایا جاسکتا ہے، جس میں "رُوسر" کی شکر کا حکم بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ "حلال ہے جب تک تحقیق نہ ہو کہ اس خاص شکر میں جو ہمارے سامنے رکھی ہے، کوئی نَجس یا حرام چیز ملی ہے۔ محرِّر مذہب سیّدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: "به نأخذ مالم نعرف شيئاً حراماً بعَينه"(۳). فقیر نے اس شکر کی تحقیق میں -بحمد اللہ تعالی- ایک کافی ووافی رسالہ مسمّی بنام تاریخی

---

(۱) ایضاً، ص۵۸۳۔

(۲) "فتاوی رضویہ" کتاب الطهارة، باب الأنجاس، رسالہ "الأحلى من السُّكر لطلبة سُكر رُوسر" ۳/ ۵۶۴- ۵۸۵، ملخصًا۔ "پیغامِ شریعت" مصنّفِ اعظم نمبر ۲۰۱۸ء، امام احمد رضا اور علمِ اُصولِ فقہ، ص۳۶۰- ۳۶۲، ملخصًا۔

(۳) انظر: "الهندية" كتاب الكراهية، الباب ١٢ في الهدايا والضيافات، ٥/ ٣٤٢.

"الأحلى من السُكَّر لطلبة سُكّر رُوسر" ۱۳۰۳ھ لکھا، جس میں نہ صرف اس شکر، بلکہ اس قسم کی تمام چیزوں اور انگریزی دواؤں شَربتوں وغیرہا کا حکم منقّح کر دیا، اس باب میں -بفضلہ تعالی- وہ نفیس ضوابط لکھے جن سے ہر جُزئیہ کا حکم بہ نہایت اِنجلاء منکشِف ہو سکے، مَن شاء فلْیرجع إلیها! واللہ سبحانہ وتعالی اعلم"[1]۔

آج ہم ایک ایسے جدید دَور میں ہیں جہاں مسلم وغیر مسلم ممالک، درآمدات وبرآمدات کی صورت میں باہم تجارتی لین دَین کرتے ہیں، ان میں الیکٹرانک اشیاء سے لے کر کھانے پینے اور پہننے تک کی اشیاء ہوتی ہیں، چنانچہ ضروریاتِ زندگی کی ایسی سینکڑوں اشیاء اب ہمارے زیرِ استعمال ہیں، جن کے بارے میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ ان اشیاء کی تیاری میں خنزیر کی چربی استعمال کی جاتی ہے، ایسی صورت میں صرف سُنی سنائی باتوں اور اَفواہوں پر یقین کر کے ان اشیاء کا استعمال ترک کرنا، نہ صرف انتہائی مشکل ہے، بلکہ متعدّد مسائل اور دُشواریوں کا باعث ہے، لہذا ایسی صورت میں مجدِّدِ دین وملّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے تحریر کردہ مقدّماتِ عشرہ کی اہمیت میں مزید اِضافہ ہو جاتا ہے!۔

خلاصۂ کلام: شکر کو صاف وشفّاف کرنے کے لیے جانوروں کی ہڈیوں کا استعمال، غیر منصوص اور نَو پید مسائل میں سے ایک ہے، کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّهاً مسئلہ بیان کیا، اور اس

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الطہارۃ، باب الأنجاس، ۳/ ۵۰۴، ۵۰۵۔

کے ضمن میں دس ۱۰ ایسے مقدّمات بیان فرمائے، جن کے ذریعے مستقبل میں دَر پیش ہزار ہا مسائل کا حکم معلوم کیا جاسکتا ہے!۔

قعدۂ اُولی میں تاخیر پر امام کو لقمہ دینے سے فسادِ نماز کا حکم

قَعدۂ اُولیٰ میں تاخیر کے صحیح گمان اور غلط محل پر امام کو لقمہ دینے سے فسادِ نماز کے حکم کا اِستخراج بھی، امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ کے اجتہاد کی ایک مثال ہے، جیسا کہ آپ کی بارگاہ میں سوال ہوا کہ "اگر امام کو قعدۂ اُولیٰ میں اپنی عادت سے دیر لگی، اور مقتدی نے بخیال اس امر کے کہ امام کو سَہو ہوا ہوگا، تکبیر بآوازِ بلند بنا بر اطلاعِ امام کہی، تو نماز مقتدی کی فاسد ہوئی یا نہیں؟"[۱]۔

اس پر امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا علیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی مجتہدانہ رائے پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ "جب امام کو قعدۂ اُولیٰ میں دیر ہوئی، اور مقتدی نے اس گمان سے کہ یہ قعدۂ اخیرہ سمجھا ہے تنبیہ کی، تو دو ۲ حال سے خالی نہیں: **(ا)** یا تو واقع میں اس کا گمان غلط ہوگا یعنی امام قعدۂ اُولیٰ ہی سمجھا ہے، اور دیر اس وجہ سے ہوئی کہ اس نے اس بار "التحیات" زیادہ ترتیل سے ادا کی، جب تو ظاہر ہے کہ مقتدی کا بتانا نہ صرف بے ضرورت، بلکہ محض غلط واقع ہوا، تو یقیناً کلام ٹھہرا، اور مفسدِ نماز ہوا؛ لقول "الحلبة": "إنّ ما وراء ذلك يعمل فيه بقضية القياس"؛ ولقوله: "المعدول به عن القياس لا يقاس عليه"؛ ولقول "الفتح": "يبقى ما وراءه على المنع"؛ ولقول "التبيين": "لا يقاس عليه غيرُه"[۲] وهذا واضحٌ جدّاً.

---

(۱) ایضًا، کتاب الصلاۃ، باب مُفسداتِ نماز، ۵/ ۵٦٦۔

(۲) "التبيين" كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الجزء ۱، صـ۱۵۷.

(۲) یا اس کا گمان صحیح تھا، غور کیجیے تو اس صورت میں بھی اس بتانے کا محض لَغو و بے حاجت واقع ہونا، اور اصلاحِ نماز سے اصلاً تعلق نہ رکھنا ثابت؛ کہ جب امام قعدۂ اُولیٰ میں اتنی تاخیر کر چکا جس سے مقتدی اس کے سہو پر مطلع ہوا، تو لاجَرم یہ تاخیر بقدرِ کثیر ہوئی، اور جو کچھ ہونا تھا یعنی ترکِ واجب ولُزومِ سجدۂ سہو وہ ہوچکا، اب اس کے بتانے سے مرتفع نہیں ہوسکتا، اور اس سے زیادہ کسی دوسرے خلل کا اندیشہ نہیں، جس سے بچنے کو یہ فعل کیا جائے؛ کہ غایت درجہ وہ بھول کر سلام پھیر دے گا، پھر اس سے نماز تو نہیں جاتی، وہی سہو کا سہو رہے گا، ہاں جس وقت سلام شروع کرتا، اُس وقت حاجت متحقق ہوتی اور مقتدی کو بتانا چاہیے تھا؛ کہ اب نہ بتانے میں خلل وفسادِ نماز کا اندیشہ ہے؛ کہ یہ تو اپنے گمان میں نماز تمام کرچکا، عجب نہیں کہ کلام وغیرہ کوئی قاطعِ نماز اس سے واقع ہو جائے، اس سے پہلے نہ خللِ واقع کا اِزالہ تھا، نہ خللِ آئندہ کا اندیشہ، توسوا فُضول وبے فائدہ کے کیا باقی رہا؟!

لہٰذا مقتضائے نظرِ فقہی پر اس صورت میں بھی فسادِ نماز ہے، نظیر اس کی یہ ہے کہ جب امام قعدۂ اُولیٰ چھوڑ کر پورا کھڑا ہو جائے، تو اب مقتدی بیٹھنے کا اشارہ نہ کرے، ورنہ ہمارے امام کے مذہب پر مقتدی کی نماز جاتی رہے گی؛ کہ پورا کھڑے ہونے کے بعد امام کو قعدۂ اُولیٰ کی طرف عَود ناجائز تھا، تو اس کا بتانا محض بے فائدہ رہا، اور اپنے اصلی حکم کی رُو سے کلام ٹھہر کر مفسدِ نماز ہوا"[1]۔

خلاصۂ کلام: قعدۂ اُولیٰ میں تاخیر کے صحیح گمان اور غلط محل پر امام کو لقمہ دینا فسادِ نماز کا باعث ہے، کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت

(۱) "فتاویٰ رضویہ" کتاب الصلاۃ، باب مُفسداتِ نماز، ۵/ ۵۶۹۔

رحمۃ اللہ تعالٰی نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ مسئلہ بیان کیا۔

مالِ حرام صدقہ کرکے ثواب کی امید رکھنا

حرام مال فقیر کو دے کر ثواب کی اُمید رکھنا فقہائے کرام کے نزدیک کفر ہے، جیساکہ "فتاوی ظہیریہ" میں ہے: "رجلٌ دفع إلى فقير من المال الحرام شيئاً يرجو به الثوابَ، يكفر"[1] "ایک شخص نے فقیر کو حرام مال دیااور اس پر اس نے ثواب کی امید رکھی، تو کافر ہوجائے گا"۔

فقیہِ مجتہد امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنے اجتہاد سے اس مسئلہ کی بعض دیگر صورتیں اور اُن کا حکم بھی استخراج فرمایا، آپ نے اس مسئلہ میں اپنے اجتہاد کو فقہاء کے ادب کے پیشِ نظر تحقیق کا نام دیتے ہوئے فرمایا کہ "تحقیق مقام یہ ہے کہ اگر اس نے اس مال حرام کو اپنی ملک خاص جان کر بطورِ تبرُّع تصدّق کیا، جیسے مسلمان اپنے پاکیزہ مال کو بنیّت نفل وتطوُّع تقرُّباً اِلی اللہ صدقہ کرتا، اور اس پر اپنے رب کریم سے امیدِ ثواب رکھتا ہے، کہ بے ایجاب شرع اس نے اپنی خوشی سے اپنے پاک مال کا حصّہ اپنے رب کی رضا کے لیے صرف کیا، جب تو یہ تصرُّف حکم شرع سے جدا، اور یہ خیال شرعِ مطہر کے خلاف ہے۔ اور اس پر ہرگز اس کے لیے ثواب نہیں، اسی کی بعض صورتوں میں فقہاء نے حکمِ تکفیر کیا، اور اگر یوں نہ تھا بلکہ اس مال کو خبیث وناپاک ہی جانا اور اپنے گناہ پر نادِم ہو کر تائب ہوا، اور بحکمِ شرع اپنے تصرُّف میں لانا ناجائز سمجھا، اور اپنے نفس کو اس میں تصرُّف سے روکا اور ازانجا کہ اس کے ارباب معلوم نہ رہے،

---

(١) انظر: "ردّ المحتار" كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، ٢/ ٢٦، نقلاً عن "الظهيرية".

بجاآوری حکم شرع کے لیے اسے تصدّق کیا، اور اسی بجاآوری فرمان پر امیدوار ثواب ہوا، تو بے شک اس میں اصلاً حرج نہیں، بلکہ اسی کا اسے شرعاً حکم تھا، اور اس تصدُق پر اگرچہ ثواب صدقہ نہیں، مگر اس امتثال حکم کا ثواب بے شک ہے، بلکہ یہ فعل اس کی توبہ کا تتمہ ہے، اور توبہ قطعاً مُوجبِ رضائے الٰہی وثوابِ اُخروی ہے۔ پھر جس عمل پر آدمی خود ثواب پائے اس ثواب کو دوسرے مسلمانوں کو بھی پہنچا سکتا ہے؛ لعموم قولهم: إنّ للانسان أن يجعلَ ثواب عمله لغيره. تو اس توبہ وبجاآوری حکم کا ثواب اگر نذر بزرگاں کریں کچھ مضائقہ نہیں، هذا هو التحقيق، والله وليُّ التوفيق! أتقِنْ هذا فلعلّكَ لا تجده في غير هذه السطور!"[1]۔

خلاصۂ کلام: فقیر کو مالِ حرام دے کر اس پر ثواب کی اُمید رکھنا فقہائے کرام کے نزدیک کفر ہے، لیکن اگر اُس مال کے اصل مالک یا اُس کے وُرثاء کا کوئی اَتاپَتا نہ ہو، تو ایسی صورت میں اُس مال کو خبیث وناپاک جانتے ہوئے، اور اپنے گناہ پر نادِم ہو کر، حکمِ شریعت کی بجاآوری کی نیّت سے صدقہ کر دیا، تو حکمِ شرع کی اس بجاآوری پر ثواب کی امید رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ مسئلہ بیان کیا۔

آبِ زمزم پر تفضیلِ کوثر

امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے جن مسائل میں اجتہاد فرمایا، اُن میں سے ایک مسئلہ تفضیلِ آبِ کوثر بھی ہے، اس بارے میں فقہائے شافعیہ کا مَوقف یہ

---

(۱) "فتاوی رضویہ" "کتاب الغصب"، ۱۴/ ۳۲۴۔

ہے کہ آبِ کوثر کے مقابلے میں آبِ زمزم افضل ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام سراج الدین بلقینی شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا: "ماءُ زمزم أفضلُ من الكوثر؛ لأنّ به غسلَ صدرُ النّبي ﷺ ولم يكن يغسل إلّا بأفضل المياه"[1] یعنی "زمزم کا پانی کوثر سے افضل ہے؛ کیونکہ اس سے حضور ﷺ کا سینہ مبارک دھویا گیا، اور اُس کا دھونا افضل پانی سے ہی ہو سکتا تھا"۔

اس پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ زَمزم تو حضرت سیّدنا اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوا، اور کوثر ہمارے حضور انور ﷺ کو، تو چاہیے کہ کوثر ہی افضل ہو! امام ابن حجر مکّی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے امام بلقینی رحمہ اللہ تعالٰی کے مَوقف کی تائید اور دفاع میں فرمایا: "الكلامُ في عالم الدنيا لا الآخرة، ولا مريةَ أنّ الكوثرَ في الآخرة من أعظَم مَزايا نبيِّنا ﷺ"[2] "کلام دنیا میں فضیلت سے متعلق ہے، آخرت کے لحاظ سے بلاشبہ کوثر کو بہت بڑا اِعزاز ہے، جو ہمارے نبیٔ کریم ﷺ کو عطا کردہ عظیم نعمتوں میں سے ایک ہے"۔

جب یہ مسئلہ امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے پوچھا گیا تو آپ نے مجتہدانہ انداز میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ "اس وقت اس مسئلہ پر کلام اپنے علماء سے نظرِ فقیر میں نہیں، اور وہ کہ فقیر کو ظاہر ہوا تفضیلِ کوثر (یعنی آبِ کوثر آبِ زمزم سے افضل) ہے"[3]۔

پھر اس مسئلہ کی تفصیل اور وجہِ تفضیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "افضل کے دو ۲ معنی ہیں: **ایک** ثواب کے لحاظ کثرت ہے، یہ معنی انسانوں میں جس کو ثواب

---

(۱) "أسنَى المطالب في شرح روض الطالب" كتاب الطهارة، فصل الماء المتغير، ۱/ ۹.

(۲) "الفتاوى الفقهية الكبرى" كتاب الطهارة، ۱/ ۲۵.

(۳) "فتاویٰ رضویہ" کتاب الطھارۃ، باب المیاہ، کوثر افضل ہے یا زمزم؟ ۲/ ۶۰۳۔

حاصل ہو، اور اعمال میں وہ عمل جس پر ثواب زیادہ مرتّب ہو، اس معنی کی دونوں مذکورہ صورتیں زمزم اور کوثر میں نہیں پائی جاسکتیں، اور اگر اس معنی کی یہاں یہ تاویل کی جائے کہ ان کے لین دین میں زیادہ ثواب ہے، تو پھر کوثر میں یہ معنی نہیں ہوسکتا؛ کیونکہ وہ ہماری قدرت سے باہر ہے، اس لیے دونوں میں افضلیت کا تقابُل نہیں پایا جاسکتا، اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ فرشتوں کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب مبارک کو دھونا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے زیادہ ثواب کا مُوجب ہے! اب صرف افضل کے دوسرے معنی میں بات ہوسکتی ہے، اور وہ عنداللہ عظمتِ شان اور رفعتِ مقام ہے، اور اس معنی پر امام بلقینی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا استدلال تب ہی صحیح ہوسکتا ہے جب ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلبِ مبارک دھونے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو پیشِ نظر رکھیں، اور یہ معلوم کرلیں کہ ان کے حاصل کرنے میں دونوں پانی زمزم اور کوثر مُساوی ہیں، لیکن امام ابنِ حجر کا جواب فضیلت کی توجیہ میں بہت واضح ہے کہ "زمزم دنیا میں افضل ہے؛ کیونکہ وہ ہمارے زیرِ تصرُف ہے، اور ہمیں اس پر ثواب ملتا ہے جس سے ہمیں فضیلت میسّر ہوتی ہے، اور کوثر کا مُعاملہ اس کے خلاف ہے"۔

میں (امام احمد رضا) کہتا ہوں کہ "اگر امام ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کی دلیل درست ہو تو اس سے لازم آئے گا، کہ دنیا کے تمام پانی کوثر سے افضل ہوجائیں؛ کیونکہ وہی دلیل یہاں پائی جاتی ہے، حالانکہ یہ درست نہیں ہے بلکہ یہاں فضیلت سے قدر وفخر کی عظمت اور بلندی مُراد ہے، اور فضیلت کا یہ معنی دنیا یا آخرت کے لحاظ سے نہیں بدلتا، کہ دنیا میں ایک چیز دوسری کے مقابلہ میں عنداللہ بڑی قدر والی ہو، اور جب آخرت برپا ہو تو مُعاملہ اُلٹ

ہو جائے! ایسا ہرگز نہیں بلکہ آخرت میں عند اللہ وہی چیز قدر و منزلت والی ظاہر ہوگی، جو یہاں دنیا میں بھی ایسی ہوگی، اور جو چیز آخرت میں افضل ہوگی وہ ہر جگہ افضل ہوگی، اور جب آپ نے آخرت میں کوثر کے افضل ہونے کا اعتراف کر لیا، تو ضروری ہے کہ وہ دنیا وآخرت دونوں میں افضل ہو، اور کیوں نہ ہو کہ زمزم دنیا کا پانی ہے اور کوثر آخرت کا پانی ہے، اور آخرت کا درجہ اور فضیلت بڑی ہے، نیز کوثر کا پانی جنّت سے نکلتا ہے۔

"صحیح مسلم" میں حضرت سیّدنا ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «يَغُتُّ فِيهِ مِيزَابَانِ يَمُدَّانِهِ مِنَ الْجَنَّةِ، أَحَدُهُمَا مِنْ ذَهَبٍ، وَالْآخَرُ مِنْ وَرِقٍ»[1] "کوثر میں جنت سے دو پَرنالے گر رہے ہیں، ایک سونے کا اور ایک چاندی کا ہے"۔

حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، سرورِ دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَلاَ إِنَّ سِلْعَةَ اللهِ غَالِيَةٌ! أَلاَ إِنَّ سِلْعَةَ اللهِ الجَنَّةُ!»[2] "سُن لو اللہ کا مال بیش بہا ہے! سُن لو اللہ کا مال جنّت ہے!"۔ پھر کوثر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت کے لیے وہاں زیادہ نفع مند ہے، جو بھی اُسے نوش کرے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا، اور نہ ہی اس کا چہرہ کبھی سیاہ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ نے کوثر حضور افضل الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر احسان فرمایا ہے، لہذا کوثر ہی سب سے افضل ہے"[3]۔

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبيّنا صلى الله عليه وسلم وصفاته، ر: ٥٩٩٠، صـ١٠١٧.

(٢) "سنن الترمذي" باب في ثواب الإطعام ...إلخ، ر: ٢٤٥٠، صـ٥٥٨.

(۳) "فتاوی رضویہ" "کتاب الطهارة، باب المياه، کوثر افضل ہے یا زمزم، ۲/ ۶۰۳- ۶۰۵، ملخصًا۔

خلاصۂ کلام: آبِ کوثر آبِ زَمزم سے افضل ہے، کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ مسئلہ بیان کیا۔

پانی کی رنگت

پانی کی رنگت کے بارے میں فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کا باہم اختلاف ہے، بعض علماء و محققین کے مطابق پانی بے رنگ، بعض کے نزدیک سیاہ اور بعض کے نزدیک اس کی رنگت سفید ہے، جبکہ ماضِی قریب کی سائنسی تحقیق کے مطابق یہ طے ہوا ہے کہ پانی کا رنگ ہلکا سا نیلا (Bluish Hue) ہے[1]۔

امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مجتہدانہ بصیرت کی بِناء پر پانی کا رنگ ہلکا سیاہی مائل قرار دیا ہے۔

امامِ اہلِ سنّت نے اوّلاً دونوں طرف کے اَقوال کا رَد کرتے ہوئے فرمایا کہ "(ا) مشاہدہ شاہد کہ وہ (پانی)سپید نہیں، ولہذا آبی اُس رنگ کو کہتے ہیں کہ نیلگونی کی طرف مائل ہو۔ (۲) سپید کپڑے کا کوئی حصہ دھویا جائے، جب تک خشک نہ ہو اس کا رنگ سیاہی مائل رہے گا، یہ پانی کا رنگ نہیں تو کیا ہے؟ (۳) دودھ جس میں پانی زیادہ ملا ہو سپید نہیں رہتا ، نیلاہٹ لے آتا ہے"[2]۔

پھر اجتہادی غور و فکر کے نتیجہ میں پانی کی اصل رنگت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "حقیقتِ اَمر یہ ہے کہ پانی خالص سیاہ نہیں مگر اُس کا رنگ سپید نہیں، مَیلا

(1)https://www.webexhibits.org/causesofcolor/5B.html
(۲) ایضًا، پانی کا رنگ سفید ہے یا سیاہ، ۲/ ۵۹۸۔

مائل بیک گُونہ سوادِ خفیف (ہلکا سیاہی مائل) ہے، اور وہ صاف سپید چیزوں کے بمقابل آکر کھل جاتا ہے، جیسا کہ ہم نے سفید کپڑے کا ایک حصہ دھونے، اور دودھ میں پانی ملانے کی حالت بیان کی"[۱]۔

پانی کا رنگ "ہلکا سیاہی مائل ہے" یہ قول امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے قبل نہ تو کسی فقیہِ مجتہد نے بیان فرمایا، نہ ہی کسی سائنسدان (Scientist) نے، یہ امامِ اہلِ سنّت کا اپنا قول ہے جو آپ کی مجتہدانہ شان پر ایک روشن و بیّن دلیل ہے!۔

خلاصۂ کلام: پانی کی رنگت کے بارے میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، بعض کے نزدیک پانی کی رنگت سیاہ، بعض کے نزدیک سفید، اور بعض کے نزدیک بے رنگ ہے، امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالٰی کے نزدیک پانی کا رنگ "ہلکا سیاہی مائل ہے"۔ سیّدی اعلیٰ حضرت کے علاوہ کسی اَور نے بھی یہ قول بیان کیا ہو، کتبِ اکابر میں اس کی صراحت نہیں ملتی، امام اہلِ سنّت نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّهاً پانی کی رنگت کا قول بیان کیا۔

ہندوستان دار الاسلام ہے

ہندوستان دار الاسلام ہے یا نہیں ؟ اس مسئلہ کا تعلق نَو پید مسائل سے ہے، امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنی مجتہدانہ شان سے قواعدِ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی روشنی میں، اس مسئلہ کا حکم اِستخراج کیا اور فرمایا کہ "ہندوستان دار الاسلام ہے، دار الاسلام وہ ملک ہے کہ فی الحال اس میں اسلامی سلطنت ہو، یا اب نہیں تو پہلے تھی، اور غیر مسلم بادشاہ نے اس میں شعائرِ اسلام مثلِ جمعہ وعیدَین واذان واِقامت وجماعت باقی

---

(۱) "فتاویٰ رضویہ" کتاب الطہارۃ، باب المیاہ، ۲/ ۶۰۳۔

رکھے، اور اگر شعائرِ کفر جاری کیے، اور شعائرِ اسلام یک لخت اُٹھا دیے، اور اس میں کوئی شخص امانِ اوّل پر باقی نہ رہا، اور وہ جگہ چاروں طرف سے دار الاسلام سے گھری ہوئی نہیں، تو دار الحرب ہوجائے گا، جب تک یہ تینوں شرطیں جمع نہ ہوں کوئی دار الاسلام دار الحرب نہیں ہو سکتا"[۱]۔

ایک اَور مقام پر مزید فرمایا کہ "ہمارے امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ علمائے ثلاثہ -رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین- کے مذہب پر ہندوستان دار الاسلام ہے، ہرگز دار الحرب نہیں؛ کہ دار الاسلام کے دار الحرب ہوجانے میں جو تین ۳ باتیں ہمارے امام اعظم امام الائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک درکار ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں اَحکامِ شرک علانیہ جاری ہوں، اور شریعتِ اسلام کے اَحکام وشعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں اور صاحبین کے نزدیک اسی قدر کافی ہے، مگر یہ بات -بحمد اللہ- یہاں قطعاً موجود نہیں، اہل اسلام جمعہ وعیدَین واذان واِقامت ونماز باجماعت وغیرہا شعائر شریعت بغیر مُزاحمت علی الاعلان ادا کرتے ہیں، فرائض، نکاح، رضاع، طلاق، عدّت، رجعت، مہر، خُلع، نفقات، حَضانت، نسَب، ہبہ، وقف، وصیت، شُفعہ وغیرہا، بہت مُعاملات مسلمین ہماری شریعت غرّاء بیضاء کی بناپر فَیصل ہوتے ہیں کہ ان اُمور میں حضرات علماء سے فتویٰ لینا اور اسی پر عمل وحکم کرنا حکّام انگریزی کو بھی ضرور ہوتا ہے، اگرچہ ہُنود ومجوس ونصاری ہوں، اور -بحمد اللہ- یہ بھی شوکت وجبروتِ شریعت علیہ عالیہ اسلامیہ -أعلى الله تعالى حكمَها السامية- ہے، کہ مخالفین کو بھی اپنی تسلیم اِتبّاع پر مجبور فرماتی ہے!"[۲]۔

---

(۱) ایضًا، کتاب البیوع، باب الربا، ہندوستان دار الاسلام ہے، ۱۲/ ۶۱۰۔

(۲) "فتاوی رضویہ" "کتاب السِیر، رسالہ "إعلام الأعلام بأنّ هندوستان دار الإسلام" ۱۱/ ۳۷۱، ۳۷۲۔

ہندوستان دار الاسلام ہے، اس موضوع پر علمائے مشاہیر کے سردار [1] امام احمد رضا نے باقاعدہ ایک رسالہ "إعلام الأعلام بأنّ ہندوستان دار الإسلام" تحریر فرمایا، اور اپنے مَوقِف کو متعدّد دلائل سے ثابت کیا، یہ رسالہ اعلیٰ حضرت کے وصال کے تقریباً سات ۷ سال بعد ۱۳۴۷ھ میں پہلی بار شائع ہوا!

اس رسالے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے، کہ اگر اُس وقت ہندوستان کو دار الحرب قرار دے دیا جاتا تو اس کا واضح طَور پر مطلب یہ تھا، کہ ہندوستان پر انگریزوں کا غاصبانہ قبضہ اور اقتدار دُرست ہے، اور ایسی صورت میں سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا کہ انگریزوں کے قبضے سے اپنے وطن کو آزاد کرانے کی خاطر، بعد میں جو بھی تحریک چلائی جاتی اس کا جواز ثابت کرنا مشکل ہوجاتا!۔

نیز ہندوستانی مسلمانوں کو اس جگہ (ہندوستان میں) شعائرِ اسلام کے اظہار پر پابندی کو قبول کرنا پڑتا، اَحکامِ شرعیّہ کو مرفوع ماننا پڑتا، اور یہاں سے ہجرت کرنا ضروری ہوجاتا! لہٰذا امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کو دار الاسلام قرار دیا، اور اپنے فتویٰ کے ذریعے مسلمانوں کو گویا یہ پیغام دیا، کہ ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ غاصبانہ ہے، لہذا ہندوستانی مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے وطن کی آزادی کے لیے جدوجہد کریں!۔

خلاصۂ کلام: ہندوستان دار الاسلام ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کا تعلق نَو پید مسائل سے ہے، لہذا کتبِ اکابر میں اس کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ لقب مفتیٔ مالکیہ شیخ عابد حسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام کی فقہی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے دیا۔ ["حُسام الحرمین علی منحر الکفر والمَین" تقریظات، تقریظ ۹، ص۷۸]

فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے، تفقُّھاً اس مسئلہ کا حکم اِستخراج کیا اور فرمایا کہ "ہندوستان دار الاسلام ہے"۔

طلاقِ کنایہ کی ایک صورت میں ممکنہ احتمال کا بیان

"یہ عورت میرے مطلب کی نہیں" کہنے سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ ایک ایسا کِنایہ لفظ ہے جس میں ممکنہ احتمال گزشتہ کتبِ فقہ میں مذکور نہیں، امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ سے جب اس بارے میں استفتاء کیا گیا کہ "ایک شخص مُلازِمِ فَوج ہوکر پردیس جانے کے وقت اپنے والدَین سے یہ کہہ کر رخصت ہوا کہ "میری یہ عورت میرے مطلب کی نہیں ہے، میری واپسی سے قبل نہایت اِیذاء کے ساتھ اس کو نکال دینا، میں واپس آکر دوسری شادی کرلُوں گا"۔ چنانچہ اس شخص کی عورت کو مطابق اِستدعاء کے اس کے والدَین نے اندر دو ۲ ماہ نکال دیا، اور اس عورت نے اندر ایک ماہ دوسرے شخص کے ساتھ اپنا نکاح کرلیا، عورت مذکورہ دوسرے شَوہر کے یہاں سے بھی بلا طلاق کے بوجہ حمل ہونے کے نکال دی گئی۔ اب اس عورت کو اپنے پہلے شَوہر کے مکان سے نکلے ہوئے تقریبًا ایک سال گزر گیا، اور اس کا شَوہر بھی ملازمتِ فَوج سے واپس آگیا، اور پانچ چھ ماہ ہوئے وقت واپسی کے آج تک عورت مذکور کا خبرگیراں نہیں ہوا، اور قبل جانے پردیس کے ایک دن اس کے شَوہر نے طلاق نامہ لکھنے کا بندوبست کیا تھا اور کچھ لوگوں کو جمع کیا تھا، مگر اس کو کسی خیال نے تکمیلِ طلاق نامہ سے روک دیا تھا۔ عورت مذکور کو اس کے ماں باپ بھی اپنے پاس رکھنے کے رَوادار نہیں ہیں، اور اس کی گود میں ایک لڑکا سات ۷ سال کا پہلے شَوہر کا موجود ہے، کیا عورت مذکور اپنا نکاح کسی اَور شخص سے کرسکتی ہے؟""[1]۔

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الطلاق، باب الکنایہ، ۱۰/ ۲۲۵۔

امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے اجتہاد سے اس میں ممکنہ احتمال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "یہ لفظ کہ **"یہ عورت میرے مطلب کی نہیں"** کنایات سے ہے، اور محتملِ سَبّ ہے، اور حالت حالتِ غضب ہے، تو حکم طلاق نیّت پر موقوف ہے، کہ پہلا شَوہر اگر یہ اقرار کرے کہ بنیّت طلاق یہ لفظ کہے تھے تو طلاق ثابت ہو جائے گی، اور بعد وضعِ حمل عدّت گزر گئی، دوسرے سے نکاح کا اسے اختیار ہوگا، اگر وہ نیّتِ طلاق کا انکار کرے تو اس سے حلف لیا جائے، اگر حلف کرے گا کہ اس کی نیّت طلاق کی نہ تھی تو طلاق ثابت نہ ہوگی، اور عورت کو دوسری جگہ نکاح حرام ہوگا"[1]۔

خلاصۂ کلام: **"یہ عورت میرے مطلب کی نہیں"** یہ جملہ طلاق کے الفاظِ کنایہ کے ساتھ ساتھ گالی کا بھی احتمال رکھتا ہے، کتبِ اکابر میں اس کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ احتمال بیان کیا۔

طلاقِ بائن کے لیے مستعمل کلمات میں اِضافہ واِلحاق

رسالہ "رحيق الإحقاق في كلمات الطلاق" بھی امام اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اجتہاد کی ایک بہترین نظیر ہے۔ اس رسالہ میں حضرت امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طلاقِ بائن کے لیے فقہائے کرام کے بیان کیے گئے کلمات کا حوالہ دیتے ہوئے، اپنے زمانہ اور زبان کے، اس سے قریب ترین ایک سوچھبیس ۱۲۶ الفاظ کو مُلحق کیا، جو کہ تخریج کی ایک بہترین مثال ہے۔

---

(۱) ایضاً، ص۲۲۵، ۲۲۶، ملتقطاً۔

طلاقِ بائن کے لیے بیان کیے گئے الفاظ میں فقیہِ مجتہد امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اضافہ یہ ہے: (۱) جا، (۲) نکل، (۳) چل، (۴) روانہ ہو، (۵) اُٹھ، (۶) کھڑی ہو، (۷) پردہ کر، (۸) دوپٹہ اوڑھ، (۹) نِقاب ڈال، (۱۰) ہَٹ، (۱۱) سَرک، (۱۲) جگہ چھوڑ، (۱۳) گھر خالی کر، (۱۴) دُور ہو، (۱۵) چل دُور، (۱۶) اے خالی، (۱۷) اے بَری (بفتح با)، (۱۸) اے جُدا، (۱۹) تُو مجھ سے جدا ہے، (۲۰) میں نے تجھے بے قید کیا، (۲۱) میں نے تجھ سے مُفارَقت کی، (۲۲) تو جُدا ہے، (۲۳) رستہ ناپ، (۲۴) اپنی راہ لے، (۲۵) کالا منہ کر، (۲۶) چال دِکھا، (۲۷) چلتی بن، (۲۸) چلتی نظر آ، (۲۹) دفع ہو، (۳۰) دال فے عین ہو، (۳۱) رَفو چکّر ہو، (۳۲) پنجرا خالی کر، (۳۳) ہٹ کے سَڑ، (۳۴) اپنی صورت گُما، (۳۵) بستر اُٹھا، (۳۶) اپنا سُوجھتا دیکھ، (۳۷) اپنی گُٹھری باندھ، (۳۸) اپنی نَجاست الگ پھیلا، (۳۹) تشریف لے جائیے، (۴۰) تشریف کا ٹوکرا لے جائیے، (۴۱) جہاں سینگ سمائے جا، (۴۲) اپنا مانگ کھا، (۴۳) بہت ہو چکی اب مہربانی فرمائیے، (۴۴) اے بے علاقہ ہو، (۴۵) منہ چھپاؤ، (۴۶) جہنم میں جا، (۴۷) چُولہے میں جا، (۴۸) بھاڑ میں جا پڑ، (۴۹) میرے پاس سے چل، (۵۰) اپنی مراد پر فتح مند ہو، (۵۱) میں نے نکاح فسخ کیا، (۵۲) تُو مجھ پر مثل مُردار (۵۳) یا سُوئر (۵۴) یا شراب کے ہے، (۵۵) تُو مثل میری ماں، (۵۶) یا بہن، (۵۷) یا بیٹی کے ہے، (۵۸) تُو خلاص ہے، (۵۹) تیری گلوخلاصی ہوئی، (۶۰) تُو خالص ہوئی، (۶۱) حلالِ خدا، (۶۲) یا حلالِ مسلمانان، (۶۳) یا ہر حلال مجھ پر حرام، (۶۴) یا تُو میرے ساتھ حرام میں ہے، (۶۵) میں نے تجھے تیرے ہاتھ بیچا (اگرچہ کسی عِوَض کا ذکر نہ کرے)، (۶۶) میں تجھ سے باز آیا، (۶۷) میں تجھ سے دَر

گزرا، (۶۸) تُومیرے کام کی نہیں، (۶۹) میرے مطلب کی نہیں، (۷۰) میرے مصرف کی نہیں، (۷۱) مجھے تجھ پر کوئی راہ نہیں، (۷۲) کچھ قابو نہیں، (۷۳) مِلک نہیں، (۷۴) میں نے تیری راہ خالی کردی، (۷۵) تُو میری مِلک سے نکل گئی، (۷۶) میں نے تجھ سے خُلع کیا، (۷۷) اپنے میکے بیٹھ، (۷۸) تیری باگ ڈھیلی کی، (۷۹) تیری رَسّی چھوڑ دی، (۸۰) تیری لگام اُتار لی، (۸۱) اپنے رفیقوں سے جا مِل، (۸۲) مجھے تجھ پر کچھ اختیار نہیں، (۸۳) خاوَند تلاش کر، (۸۴) مجھے تیری حاجت نہیں، (۸۵) میں تجھ سے جُدا ہوں یا ہوا (فقط "میں جُدا ہوں یا ہوا" کافی نہیں، اگرچہ بنیّت طلاق کہے) (۸۶) میں نے تجھے جدا کردیا، (۸۷) میں نے تجھ سے جدائی کی، (۸۸) تُو خود مختار ہے، (۸۹) تُو آزاد ہے، (۹۰) مجھ میں تجھ میں نکاح نہیں، (۹۱) مجھ میں تجھ میں نکاح باقی نہ رہا، (۹۲) میں نے تجھے تیرے گھر والوں، (۹۳) یا باپ، (۹۴) یا ماں، (۹۵) یا خاوَندوں کو دیا، (۹۶) یا خود تجھ کو دے ڈالا، (اور تیرے بھائی یا ماموں یا چچا یا کسی اجنبی کو کہا تو کچھ نہیں)، (۹۷) مجھ میں تجھ میں کچھ مُعاملہ نہ رہا۔ اور "کچھ نہ رہا" سے کچھ نہیں اگرچہ نیّت کرے، (۹۸) میں تیرے نکاح سے بَری ہوں، (۹۹) بیزار ہوں، (۱۰۰) مجھ سے دُور ہو، (۱۰۱) مجھے صورت نہ دکھا، (۱۰۲) کنارے ہو، (۱۰۳) تُونے مجھ سے نَجات پائی، (۱۰۴) الگ ہو، (۱۰۵) میں نے تیرا پاؤں کھول دیا، (۱۰۶) میں نے تجھے آزاد کیا، (۱۰۷) آزاد ہو جا، (۱۰۸) تیری بَندکٹی، (۱۰۹) تُو بے قَید ہے، (۱۱۰) میں تجھ سے بَری ہوں، (۱۱۱) اپنا نکاح کر، (۱۱۲) جس سے چاہے نکاح کرلے، (۱۱۳) میں تجھ سے بیزار ہوا، (۱۱۴) میرے لیے تجھ پر نکاح نہیں، (۱۱۵) میں نے تیرا نکاح فسخ کیا، (۱۱۶) تجھ

پر چاروں راہیں کھول دیں (اور اگر یُوں کہا کہ "تجھ پر چاروں کھلی ہیں" تو کچھ نہیں جب تک یہ بھی نہ کہے: (۱۱۷) جو راستہ چاہے اختیار کر۔(۱۱۸) میں تجھ سے دست بردار ہوا، (۱۱۹) میں نے تجھے تیرے گھر والوں (۱۲۰) یا باپ (۱۲۱) یا ماں کو واپس دیا، (۱۲۲) تُو میری عِصمت سے نکل گئی، (۱۲۳) میں نے تیری مِلک سے شرعی طَور پر اپنا نام اُتار دیا، (۱۲۴) تو میرے لائق نہیں قیامت تک (۱۲۵) یا عمر بھر، (۱۲۶) تُو مجھ سے ایسی دُور ہے جیسے مکّہ معظّمہ مدینہ طیبہ سے، یا دِلّی لکھنؤ سے۔ ان سب صورتوں میں اگر طلاق کی نیّت ہو طلاق بائن پڑ جائے گی[1]۔

خلاصۂ کلام: امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے طلاقِ بائن کے لیے فقہائے کرام کے بیان کیے گئے کلمات سے ملتے جُلتے اُردو زبان کے، ایک سو چھبیس ۱۲۶ الفاظ کو مُلحَق کیا ہے، جو تخریج کی ایک بہترین مثال ہے۔ امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّهاً طلاقِ بائن کے یہ الفاظ مُلحَق کیے۔

اِضافتِ طلاق کی مختلف صورتوں اور ظاہری تضاد میں تطبیق و مُوافقت

اِضافتِ طلاق کی مختلف صورتوں اور ظاہری تضاد میں باہم تطبیق و مُوافقت، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ کی اجتہادی صلاحیت کا منہ بولتا ثبوت ہے، اس مسئلہ سے متعلق حضرت امام کی بارگاہ میں ایک استفتاء پیش کیا گیا، امام اہلِ سنّت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

"وذلك لأنّ الطلاقَ لا وقوعَ له إلّا بالإيقاع، ولا إيقاعَ إلّا

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الطلاق، رسالہ "رحيق الإحقاق في كلمات الطلاق" ۱۰/۱۶۰- ۱۶۶، ملتقطاً۔

بإحداثِ تعلّق الطلاق بالمرأة، ولا يتأتّى ذلك إلّا بالإضافة، ولو في النيّة، فإذا خُلّيا عنه[1] لم يكن إحداثُ تعلُق؛ إذ لا تعلّقَ إلّا بمتعلّق، فلم يكن إيقاعاً، فلم يُورث وُقوعاً، وهذا ضروريٌّ لا يرتابُ فيه!"[2].

"طلاق کا وُقوع بغیر اِیقاع (واقع کرنے) کے نہیں ہوتا، اور اِیقاع (واقع کرنا) اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک طلاق کی نسبت زَوجہ کی طرف نہ کی جائے، اور یہ اِضافت کے بغیر ممکن نہیں، لہذا (وُقوعِ طلاق کے لیے) اِضافت ضروری ہے، چاہے (لفظی طَور پر ہویا) نیّت میں ہو، لہذا جب اضافت لفظی یا قلبی نہ ہو، تو طلاق کا تعلق پیدا نہ ہوگا؛ کیونکہ تعلق بغیر متعلق نہیں ہوسکتا، لہذا اِیقاع (واقع کرنا) نہ ہوگا، تو وُقوعِ (واقع ہونا) طلاق بھی نہ ہوگا، اتنی بات واضح ہے، اوراس میں کوئی شک وشُبہ نہیں!"۔

طلاق میں اِضافت کے مسئلہ کو واضح کرتے ہوئے امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایاکہ "اگر لفظ ہر طرح کی اِضافت سے خالی ہو تو وہاں دیکھا جائے گا، کہ یہاں کوئی ایسا قرینہ موجود ہے جس سے اِضافت کا ارادہ راجح طَور پر معلوم ہوتا ہو؟ تو قضاءً ظاہر قرینہ کی بناء پر طلاق کا حکم کردیا جائے گا، (جبکہ) باطنی اُمور اللہ تعالی کے سپرد ہیں۔ لہذا اگر شَوہر ارادۂ طلاق کا انکار کرتا ہو تو اُس کی بات مان لی جائے گی، اور اس کی بیوی مطلّقہ نہ ہوگی؛ کیونکہ وہ اپنے

---

(۱) أي: خُلّيَا الإضافةُ اللفظيّةُ والقصديّةُ عن الطلاق، والله تعالى أعلم. [المفتي فيضان المصطفى القادري الأعظمي]

(۲) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الطلاق، بغیر اضافت طلاق نہیں ہوتی، ۱۰/ ۳۵۔

بارے میں خبر دینے میں امین متصور ہوگا، جبکہ اُس کے کلام میں بھی اس بات (طلاق نہ دینے) کا احتمال موجود ہے"[1]۔

اس تمہید کے بعد امام اہلِ سنّت امام احمد رضا نے اِضافتِ لفظی کو مختلف صورتوں میں منقسم کیا، اور اس کی حسبِ ذیل تین ۳ صورتیں بیان فرمائیں:

اِضافتِ لفظی کی تین مختلف صورتیں

(۱) شَوہر کے کلام سے اس (اضافتِ لفظی) کا تحقُق ہو۔

(۲) طلاق کے الفاظ کسی ایسے کلام کے جواب میں ذکر کیے جائیں جس میں اِضافت مذکور تھی، تو اس وجہ سے وہ اِضافت جواباً طلاق کے الفاظ میں بھی متحقق ہوگی؛ کیونکہ جواب میں سوال کا اِعادہ ہوتا ہے۔

(۳) خاوَند کے کلام میں (ظاہری طَور پر) اِضافت مذکور نہ ہو، اور نہ ہی اس کا کلام جواب کے طَور پر ہو، لیکن عُرف میں وہ لفظ بیوی کو طلاق دینے کے لیے مختص کر دیا گیا ہو، اور اُس لفظ سے بیوی کو طلاق دینا ہی مُراد لیا جاتا ہو، مثلاً کوئی کہے: "طلاق مجھ پر لازم ہو" یا "حرام مجھ پر لازم ہو" یا "مجھ پر طلاق ہے" یا "مجھ پر حرام ہے۔

یہاں پر اگرچہ لفظوں میں اِضافت مذکور نہیں، لیکن عُرفاً اِضافت ثابت ہے، اور عُرفاً جو چیز معلوم ہو وہ ایسے ہی معتبر ہے، جیسے لفظوں میں مذکور چیز ہوتی ہے، لہذا اگر عُرفی طَور پر اِضافت پائی گئی تو وُقوعِ طلاق کا حکم نیّت کے بغیر بھی کر دیا جائے گا[2]۔

---

(۱) ایضًا۔

(۲) ایضاً، ص ۳۷- ۴۰، ملخصاً۔

وُقوعِ طلاق کے لیے اِضافتِ لفظی یا قلبی کا پایا جانا ضروری ہے

اس کے بعد امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِضافتِ قلبی (یعنی نیّت میں اِضافت) کا حکم، اور اس (اِضافتِ قلبی) کی دو ۲ صورتیں بیان کیں، اور فرمایا کہ "مذکورہ بالا تینوں صورتیں لفظی اِضافت کی ہیں، لیکن جب کوئی کلام ان تینوں صورتوں کی اِضافت سے خالی ہو، تو پھر وُقوعِ طلاق کے لیے نیّت میں اِضافت کا پایا جانا ضروری ہے، اگر شَوہر نیّت کرے تو طلاق واقع ہوگی، اور اگر اس کی نیّت طلاق دینے کی نہ ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

نیّت میں اِضافت کے قضاءً حکم کی دو صورتیں

نیّت میں اِضافت کا قضاءً حکم دو ۲ صورتوں پر مشتمل ہے":

(۱) جہاں کوئی ایسا قرینہ مَوجود ہو، جس سے محسوس کیا جائے کہ خاوَند نے اِضافت کی نیّت کی ہے، اور یہ چیز موقع محل سے بھی واضح ہو۔ تو ایسی صورت میں جب تک خاوَند یہ نہ کہہ دے کہ "میں نے بیوی کا اِرادہ نہیں کیا" طلاق کے وُقوع کا حکم کیا جائے گا۔ اور اگر اس نے ایسا کہہ دیا تو اس سے قسم لی جائے گی، اور قسم کے بغیر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، اگر اس نے قسم دے دی تو پھر اس کی تصدیق کر دی جائے گی (اور طلاق نہیں ہوگی)؛ کیونکہ اپنی نیّت کے متعلق خبر دینے میں اُسے امین تصور کیا جائے گا، جبکہ اس نے کلام بھی ایسا کیا ہے جس میں (طلاق نہ ہونے کی) گنجائش ہے۔

(۲) وہاں کوئی قرینہ نہ پایا جائے۔ ایسی صورت میں طلاق کا واقع ہونا خاوَند کے بیان پر مَوقوف ہوگا، اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کا اقرار کرے، تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں؛ کیونکہ محض شک کی بنا پر طلاق کا حکم جاری نہیں کیا جا سکتا!""[1]۔

---

(۱) ایضاً، ص۴۰،۴۱، ملخصاً۔

آخر میں امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحدیثِ نعمت کے طَور پر فرمایا: "هذا كلُّه ما فاضَ على قلب العبد الذليل، من بِحار فُيوض الربّ الجليل! فقد التأمتْ الفروعُ جميعاً وارتفع الاضطراب، ونزلَ كلُّ فرع منزلَه من الصَواب، والحمد لله ربّ العالمين!"(۱)۔ "یہ تمام بحث بندۂ ناچیز کے دل پر ربّ جلیل کے فُیوض کے سمندروں سے وارِد ہوئی ہے، تواِس سے تمام صورتیں باہم مُوافَق ہوگئیں، اور اِضطراب ختم ہوگیا، اور ہر مسئلہ اپنے صحیح مقام پر مُنطبِق بھی ہوگیا ہے، اور سب خُوبیاں اللہ کو ہیں جو سارے جہاں والوں کا مالک ہے!"۔

خلاصۂ کلام: اِضافتِ طلاق کے مَوضوع پر امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جو بحث فرمائی، اور متعارُض صورتوں میں باہم تطبیق و مُوافقت دی ہے، کتبِ اکابر میں مکمل طَور پر اس کی صراحت نہیں ملتی، امام اہلِ سنّت نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ بحث فرمائی، اور مختلف صورتوں کو اُن کے صحیح مقام پر مُنطبِق کیا۔

مذبوحہ جانور کے حرام اَجزاء کا بیان

مَذبوحہ جانور کے کون کونسے اَجزاء کا کھانا حرام ومکروہ ہے، اس بارے میں فقہائے کرام کے مختلف اقوال ہیں، بعض کے نزدیک سات ۷، بعض کے نزدیک نو۹، اور بعض کے نزدیک ذبح کیے ہوئے جانور کے بارہ ۱۲ اَجزاء ایسے ہیں جن کا کھانا حرام ومکروہ ہے، لیکن امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی فقہی بصیرت سے غَور وفکر کرکے ایسے اَجزاء کی تعداد بائیس ۲۲ بیان فرمائی ہے۔

---

(۱) ایضاً، صـ۱۴۱۔

ایک استفتاء کے جواب میں حضرت امامِ اہلِ سنّت نے فرمایا کہ "حلال جانور کے سب اَجزاء حلال ہیں مگر بعض، کہ حرام یا ممنوع یا مکروہ ہیں: (۱) رگوں کا خون (۲) پتّہ (۳) پھکنا (۴) و (۵) علاماتِ مادہ و نر (۶) بیضے (۷) غدود (۸) حرام مغز (۹) گردن کے دو ۲ پٹھے کہ شانوں تک کھنچے ہوتے ہیں (۱۰) جگر کا خون (۱۱) تلی کا خون (۱۲) گوشت کا خون کہ بعد ذبح گوشت میں سے نکلتا ہے (۱۳) دل کا خون (۱۴) پت یعنی وہ زرد پانی کہ پتّے میں ہوتا ہے (۱۵) ناک کی رُطوبت کہ بھیڑ میں اکثر ہوتی ہے (۱۶) پاخانہ کا مقام (۱۷) اوجھڑی (۱۸) آنتیں (۱۹) نطفہ (۲۰) وہ نطفہ کہ خون ہو گیا (۲۱) وہ کہ گوشت کا لوتھڑا ہو گیا (۲۲) وہ کہ پورا جانور بن گیا اور مُردہ نکلا یا بے ذبح مر گیا"[1]۔

خلاصۂ کلام: مذبوح جانور کے کتنے اجزاء کھانا حرام و مکروہ ہیں، فقہائے کرام کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، بعض کے نزدیک سات ۷، بعض کے نزدیک نو ۹، اور بعض کے نزدیک بارہ ۱۲ ہیں، جبکہ سیّدی اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے حرام و مکروہ اجزاء کی تعداد بائیس ۲۲ بیان فرمائی ہے، کتبِ اکابر میں ان بائیس ۲۲ اَجزاء کی حُرمت و کراہت کی صراحت نہیں، امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً مسئلہ بیان کرتے ہوئے، مذبوح جانور کے حرام و مکروہ اجزاء کی تعداد بائیس ۲۲ بیان فرمائی۔

اوجھڑی سے متعلق حکمِ کراہت کا اِستخراج

بعض فقہاء نے اوجھڑی کھانا مباح قرار دیا ہے، لیکن امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی اجتہادی بصیرت سے اس کا حکم اِستخراج فرمایا، اور اس کا کھانا مکروہِ تحریمی قرار

(۱) "فتاویٰ رضویہ" کتاب الذبائح، حلال جانور کی ۲۲ چیزیں مکروہ ہیں، ۲۰/ ۲۴۷، ۲۴۸۔

دیتے ہوئے فرمایا کہ "اب فقیر -متوکّلاً علی اللہ تعالی- کوئی محل شک نہیں جانتا کہ دُبر یعنی پاخانے کا مقام، کرش یعنی اوجھڑی، اَمعاء یعنی آنتیں بھی اس حکمِ کراہت میں داخل ہیں! بے شک دُبر فَرْج وذَکَر سے، اور کرش واَمعاء مَثانہ سے، اگر خباثت میں زائد نہیں تو کسی طرح کم بھی نہیں! فرْج وذَکر اگر گزر گاہِ بَول ومَنی ہیں، دُبر گزر گاہِ سرگین (گوبر) ہے! مثانہ اگر مَعدنِ بَول ہے، شِکَنْبہ ورُودَہ (اوجھڑی اور آنتیں) مخزنِ فرث ہے! اب چاہے اسے دلالۃُ النص سمجھیے، خواہ اِجرائے علّت منصوصہ!۔

الحمد للہ بعد اس کے فقیر نے "ینابیع" سے تصریح پائی کہ امام رضی اللہ تعالی عنہ نے دُبر کی کراہت پر تنصیص فرمائی، "رحمانیہ" میں ہے: "في "الينابيع": كرهَ النبيُّ ﷺ من الشاة سبعةَ أشياء: (١) الذَكَر (٢) والأنثيَين (٣) والقُبُل (٤) والدُبُر (٥) والغُدّة (٦) والمَثانة (٧) والدم. قال أبو حنيفة: الدمُ حرامٌ بالنص، والستّةُ نكرهُها؛ لأنّها تُكرهها الطبائعُ"[1].

خلاصۂ کلام: بعض فقہاء نے اوجھڑی کھانا مباح (جائز) قرار دیا ہے، لیکن امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی نے اوجھڑی کا کھانا مکروہِ تحریمی بتایا ہے، کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے، تفقُّھاً یہ مسئلہ بیان کیا۔

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الذبائح، بدنِ حیوان ماکول اللحم میں سات چیزیں مکروہ تو حدیث میں شمار ہوئیں، ص۴۴۶۔

اعضائے ستر عورت میں اضافہ

اعضائے سترِ عورت میں اِضافہ بھی، فقیہ اَعظم امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کی اجتہادی بصیرت پر دلالت کرتا ہے، مرد اور عورت کے کُل اعضائے سترِ عورت کتنے ہیں؟ اس بارے میں فقہائے کرام کے مختلف اَقوال ہیں، اگر سب کو جمع کر لیا جائے تو ان کی کُل تعداد آٹھ ۸ بنتی ہے، مگر امامِ اہلِ سنّت کے نزدیک مرد میں اعضائے عورت نو ۹ ہیں۔

چالیس ۴۰ معتمَد کتبِ فقہ کے نام تحریر کرنے کے بعد امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "کتبِ فقہیّہ مُتون و شُروح وفتاویٰ جس قدر فقیر کے پاس ہیں، سب کی مُراجعت کی، سِوا دو ۲ "حاشیۂ طحطاوی" و "شامی" کے اس تعدادِ ہشت ۸ میں حصر کا نشان کہیں نہ پایا، علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ہدایت ونہایتِ عَورت کی حدیں بتا گئے، اور بعض بعض اَعضاء کو جُدا جُدا بھی ذکر فرما گئے، پھر کسی کتاب میں صرف دو ۲ تین ۳ عضو ذِکر کیے، کسی میں چار ۴ پانچ ۵، کسی میں کوئی عضو کسی میں کوئی، مگر استیعاب نہ فرمایا، نہ پورا شمار بتایا، ہاں اس قدر ضرور ہے کہ متفرق کتابوں سے سب کو جمع کیجیے تو بیان میں یہی آٹھ ۸ آئے ہیں، غالباً اسی پر نظر فرما کر علّامہ حلَبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ۸ میں حصر فرما دیا، اور سیّدَین فاضلَین نے اُن کا اتّباع کیا، خود عبارتِ علّامہ شامی -قدّس سرّہ السامی- دلیل ہے کہ یہ تعداد علّامہ حلَبی کی استخراج کی ہوئی ہے، یعنی اُن سے پہلے علماء نے ذِکر نہ فرمائی، حیث قال بعد تمام الكلام بتعداد أعضاء العَورة في الأمة والحُرّة: "كذا حرّره ح"[1] اهـ.

---

(۱) "ردّ المحتار" كتاب الصلاة، باب شُروط الصّلاة، تتمّة، ۳/ ۳۰.

مگر فقیر -غفر اللہ تعالی لہ- کو اس شمار میں کلام ہے، کہ وہ بدن جو دُبر واُنثیین کے درمیان ہے اِس گنتی میں نہ آیا، نہ اُسے عورتِ ہشتم ۸ کے توابع سے قرار دے سکتے ہیں؛ کہ بیچ میں دو ۲ مستقل عَورتیں یعنی ذَکر واُنثیین فاصل ہیں، "ہدایہ" میں فرمایا: "لا وجهَ إلى أن يكونَ (يعني السّاعد) تبعاً للأصابع؛ لأنّ بينَهما عضواً كاملاً"(۱)۔ امام نَسفی نے "کافی شرحِ وافی" میں فرمایا: "أمّا السّاعد فلا يتبعها (يعني الأصابع)؛ لأنّه غير متّصلٍ بها"(۲).

نہ یہ صحیح کہ اسے دو ۲ حصّے کرکے دُبر واُنثیین میں شامل مانیے؛ کہ مذہبِ صحیح پر تنہا اُنثیین عضوِ کامل ہیں، یونہی صرف حلقۂ دُبر عضوِ مستقل ہے، کہ ان کے گرد سے کوئی جسم ان کے ساتھ نہ ملایا جائے گا"(۳)۔

"اور جب ثابت ہو لیا کہ یہ جسم یعنی ما بين الدُّبر والأنثيَين اُن آٹھوں ۸ عَورتوں میں سے کسی میں شامل اور کسی کا تابع نہیں ہوسکتا، اور وہ بھی قطعاً سترِ عورت میں داخل، تو واجب کہ اُسے عضوِ جُداگانہ شمار کیا جائے، مَرد میں عددِ اَعضائے عَورت نو۹ قرار دیا جائے۔ اور کتبِ مذکورہ میں اُس کا عدمِ ذِکر ذکرِ عدم نہیں؛ کہ آخر اُن میں نہ استیعاب کی طرف اِیماء، نہ کسی تعداد کا ذِکر، وہ سترِ عورت کی دونوں حدیں ذِکر فرماچکے، اور اتنے اَعضاء کے استقلال واِنفراد پر بھی تصریحیں کرگئے، تو جو باقی رہا لاجَرَم عضوِ مستقل قرار پائے گا، فليفهم وليتأمّل! لعلّ اللهَ يُحدِث بعد

(۱) "الهداية" كتاب الدِيات، فصل، الجزء ٤، صـ٤٦٩.

(۲) "الكافي" كتاب الدِيات، فصل، ۳/ ق١٧٦.

(۳) "فتاوی رضویہ" کتاب الصلاۃ، باب شُروط الصلاۃ، ۴/ ۵۳۷، ۵۳۸۔

ذلك أمراً، هذا ما عندي، والعلمُ بالحقّ عند ربّي!"[۱].

خلاصۂ کلام: فقہائے کرام کے بیان کردہ مختلف اقوال کی رَوشنی میں مرد اور عورت کے اعضائے سترِ عورت کی مجموعی تعداد آٹھ ۸ بنتی ہے، جبکہ امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرد میں اعضائے سترِ عورت نو۹ ہیں، کتبِ اکابر میں نو۹ اَعضائے سترِ عَورت کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُہاً مسئلہ بیان کیا، اور مرد کے اعضائے سترِ عورت میں اِضافہ کیا۔

تاڑی کی حِلّت وحُرمت کا استخراجِ حکم

تاڑی کی حِلّت وحُرمت ایک نَوپید مسئلہ تھا، گزشتہ فقہائے کرام سے اس بارے میں کوئی قولِ صریح منقول نہیں، جب یہ مسئلہ حضرت امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوا، توآپ نے اپنی خداداد فقہی بصیرت سے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ "تاڑی فی نفسہٖ ایک درخت (Asian Palmyra Palm) کا عرق ہے، جب تک اس میں جوش وسُکر نہ آئے طیّب وحلال ہے جیسے شیرۂ انگور، لوگوں کا بیان ہے کہ اگر کورا[۲] گھڑا وقت مغرب باندھیں، اور وقت طلوع اتار کر اسی وقت استعمال کریں، تواس میں جوش نہیں آتا، اگر یہ امر ثابت ہو تواس وقت تک وہ حلال وطاہر ہوتی ہے، جب جوش لائے ناپاک وحرام ہوئی، مگر اس میں تنقیح طلب یہ امر ہے کہ آیا حرارت ہوا بھی چند گھنٹے، یا چند پہر ٹھہرنے کے بعد اس عرق میں جوش وتغیر لاتی ہے

(۱) ایضاً، ص۵۳۹۔
(۲) بالکل نیا، غیر استعمال شدہ۔

یا نہیں، اگر ثابت ہو تو شام کے وقت تاڑی چند پیڑوں سے بقدر معتد بہ نکال کر، کسی ظرف میں بند کر کے صبح تک رکھ چھوڑیں تو ہر گز متغیّر نہ ہوگی، جب تک آفتاب نکل کر دیر تک دھوپ سے اس میں فعل نہ کرے جوش نہیں لاتی، تو اس صورت میں وہ بیان مذکور ضرور پایۂ ثبوت کو پہنچے گا، ورنہ صراحۃً معلوم ہے کہ شام کو جو گھڑا لگایا جائے گا، تاڑی اس میں صبح تک بتدریج آیا کرے گی، تو وہ اجزاء کہ اوّل شام آئے تھے، طولِ مدّت کے سبب حرارت ہوا سے اُن کا تغیر مظنون ہے، اور جوش و تغیر محسوس نہ ہونا اس وجہ سے ہے، کہ وہ اجزاء جنہیں مدّت اس قدر نہ گزرے کہ ہنوز تغیر کی حد تک نہ پہنچے کثیر و غالب ہیں، اس تقدیر پر اس سے احتراز میں سلامتی ہے"[1]۔

خلاصۂ کلام: تاڑی پینا جائز ہے یا نہیں؟ یہ ایک غیر منصوص مسئلہ ہے، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے جوش و سُکر نہ ہونے کی قید لگا کر اسے طیّب و حلال بتایا، اور اس کا پینا جائز قرار دیا، کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ مسئلہ بیان کیا۔

کرنسی نوٹ کی فقہی حیثیت

امام اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانے میں کرنسی نوٹ کی فقہی حیثیت ایک نیا مسئلہ تھا، عرب و عجم کے علماء، فقہاء اور مفتیانِ کرام اس میں پریشان تھے، ان میں سے بعض اسے قرض کی رسید قرار دیتے، اور بعض ثمنِ اصطلاحی

---

(۱) "فتاویٰ رضویہ" کتاب الحظر والإباحۃ، تاڑی کیا ہے؟ وہ کب حلال و طاہر اور کب حرام و نجس ہوتی ہے؟ ۱۵/ ۱۲۳، ۱۲۴۔

(Conventional Currency) کہتے (اور یہی نوٹ کی حقیقت ہے)۔ کرنسی نوٹ کی فقہی حیثیت مختلَف فیہ ہونے کے باعث اس کے ذریعے خرید و فروخت، مُعاملات اور زکات کی ادائیگی وغیرہ میں بھی علماء کا اختلاف رُونما ہوا۔

رشید احمد گنگوہی اور علّامہ عبد الحی لکھنوی فرنگی محلّی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہما نے، کرنسی نوٹ کو مال یا سونے چاندی کا بدل ماننے سے انکار کیا، بلکہ اسے محض قرض کی رسید قرار دیا۔ رشید احمد گنگوہی کا مَوقف تھا کہ "نوٹ وثیقہ(Agreement) اس روپے کا ہے جو خزانۂ حاکم میں داخل کیا گیا ہے مثلِ تمسّک کے، اس واسطے کہ اگر نوٹ میں نقصان آجائے تو سرکار (Government) سے بدلا سکتے ہیں، اور اگر گم ہو جائے تو بشرطِ ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں، اگر نوٹ مبیع (مالِ تجارت) ہوتا تو ہرگز مُبادَلہ (Exchange) نہیں ہو سکتا تھا، دنیا میں کوئی مبیع بھی ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری (Buyer) کے اگر نقصان یا فنا ہو جائے، تو بائع (Seller) سے بدل لے سکیں؟! پس اس تقریر سے آپ کو واضح ہو جائے گا کہ نوٹ مثل فُلوس (Coins) کے نہیں ہے، فُلوس مبیع ہے، اور نوٹ نقدیں، ان میں زکات نہیں اگر بنیّت تجارت نہ ہوں، اور نوٹ تمسُّک ہے، اس پر زکات ہوگی، اکثر لوگوں کو شبہ ہو رہا ہے کہ نوٹ کو مبیع سمجھ کر زکات نہیں دیتے، کاغذ کو مبیع (بِکنے کی چیز) سمجھ رہے ہیں، (یہ) سخت غلطی ہے"[۱]۔

علّامہ عبد الحی لکھنوی صاحب نے بھی اس مسئلہ پر ایک فتویٰ لکھا کہ "نوٹ ہر چند کہ خلقۃً ثمن (مال) نہیں، مگر عُرفاً حکمِ ثمن میں ہے"[۲]۔

---

(۱) "فتاویٰ رشیدیہ" کتاب الزکاۃ، نوٹ پر زکاۃ کا حکم، ۲/ ۱۴۰۔

(۲) "مجموعۃ الفتاویٰ" کتاب البیوع، استفتاء: ۱۲۶، ۱/ ۲۷۷۔

اس سلسلے میں جب مکّہ مکرّمہ کے مفتیِٔ حنفیہ حضرت علّامہ جمال بن عبداللہ بن عمر مکّی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے رُجوع کیا گیا، توانہوں نے اپنا عذر پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ "علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے، مجھے اس کے جزئیہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کچھ حکم دُوں"[1]۔

فقیہِ اعظم امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حجِ بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے جب مکّہ مکرّمہ حاضر ہوئے، تو علمائے مکّہ مکرّمہ نے کرنسی نوٹ کے بارے میں بارہ ۱۲ سوالات آپ کے سامنے پیش کرکے، جواب عطا فرمانے کی درخواست کی، وہ بارہ ۱۲ سوالات یہ ہیں:

(۱) کرنسی نوٹ مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سَنَد؟

(۲) جب کرنسی نوٹ بقدرِ نصاب ہو اور اس پر سال گزر جائے، تو اس پر زکات واجب ہوگی یا نہیں؟

(۳) کیا اسے مَہر میں مقرّر کر سکتے ہیں؟

(۴) اگر کوئی کرنسی نوٹ کو محفوظ جگہ سے چُرائے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا یا نہیں؟

(۵) اگر کوئی اسے تلف کردے تو عوض میں اسے نوٹ ہی دینا ٹھہرے گا یا درا ہم؟

(۶) کیا روپوں یا اشرفیوں یا پیسوں کے عوَض اس کی خرید و فروخت جائز ہے؟

(۷) اگر اس نوٹ کے بدلے کپڑا خریدیں تو یہ بیع مطلق ہوگی یا مُقایَضہ؟

(۸) کیا کرنسی نوٹ کو قرض کے طَور پر دینا جائز ہے؟ اور اگر جائز ہے تو ادا کرتے وقت نوٹ ہی دیا جائے گا یا درا ہم؟

---

(۱) "سوانح اعلیٰ حضرت" مولانا عبداللہ بن صدیق مفتی حنفیہ، ص۳۰۶۔

(۹) دراہم کے بدلے اُدھار میں نوٹ کا بیچنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۱۰) کیا کرنسی نوٹ میں بیع سَلم جائز ہے، یوں کہ روپے پیشگی دیے جائیں کہ ایک مہینے بعد اس قسم کا اَور ایسا نوٹ لیا جائے گا؟

(۱۱) کیا یہ جائز ہے کہ جتنی رقم اس میں لکھی ہے اس سے زائد کو بیچا جائے، مثلاً دس ۱۰ کا نوٹ بارہ ۱۲ یا بیس ۲۰ کو؟ یا اسی طرح اس سے کم؟

(۱۲) اگر یہ جائز ہے تو کیا یہ بھی جائز ہو گا کہ جب زَید عَمرو سے دس ۱۰ روپے قرض لینا چاہے، تو عَمرو کہے کہ دراہم تو میرے پاس نہیں ہیں، ہاں میں دس ۱۰ کا نوٹ بارہ ۱۲ میں، سال بھر کی قسط بندی پر تیرے ہاتھ بیچتا ہوں، اس طرح کہ تُو ہر مہینے ایک روپیہ دیا کرے؟ کیا اس کو منع کیا جائے گا کہ یہ سُود کا حیلہ ہے؟ اور اگر اس کو منع نہ کیا جائے تو اس میں اور سُود میں کیا فرق ہے؟ کہ یہ حلال ہو اور وہ حرام! حالانکہ مآل (نتیجہ) دونوں کا ایک ہے، یعنی زیادتی کا ملنا[1]۔

امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ نے سفرِ حج کے دَوران ہی ان تمام سوالات کے محققانہ جوابات پر مشتمل ایک رسالہ "كِفل الفقيه الفاهِم في أحكام قرطاس الدراهِم"[2] تحریر فرمایا، اور سارے عالَمِ اسلام کو درپیش مشکل سے نَجات دلائی۔ جب اس رسالہ کی پروف ریڈنگ (Proof Reading) کے لیے امام اہلِ سنّت

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب البیوع، باب الرِبا، رسالہ "كِفل الفقيه الفاهِم في أحكام قرطاس الدراهِم" ۱۲/ ۶۳۳، ۶۳۴۔

(۲) ایضاً، ص۶۳۱۔

رحمہ اللہ تعالیٰ کتب خانۂ حرمِ مکّی پہنچے، تو وہاں موجود مفتئ حنفیہ سیّد عبد اللہ بن صدیق رحمہ اللہ تعالیٰ کو "کفل الفقیہ" کے مُسودّہ (First Copy) (کی ایک اَور نقل) کا مطالعہ کرتے پایا، جب وہ امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ کے نقل کردہ امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول پر پہنچے کہ "لو باع كاغذةً بألفٍ، يجوز ولا يُكرَه"[1] "اگر کوئی شخص کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو بلا کراہت جائز ہے" تب وہ بے ساختہ پکار اٹھے، اور اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے بولے: "أين جمالُ بن عبد الله مِن هذا النص الصريح؟!"[2] یعنی "جمال بن عبد اللہ اس واضح دلیل سے کہاں غافل رہ گئے؟!"۔

امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے کرنسی نوٹ کو "ثمنِ اِصطلاحی" (Conventional Currency) قرار دیتے ہوئے جب اس کی فقہی حیثیت متعیّن فرمائی، اور اس پر اپنی تحقیقِ انیق کو اہلِ علم کے سامنے پیش کیا، تو عالَمِ اسلام کے تمام متبحر اور جیّد علمائے دین نے اسے بشرحِ صدر قبول کیا، اور اس کی اہمیت وعظمت کا اعتراف کیا۔ مکّہ مکرّمہ کے فاضلِ جلیل مُحافظ کتبِ حرم سیّد اسماعیل ابن سیّد خلیل رحمۃ اللہ علیہما نے تو یہاں تک فرمایا کہ "میں اللہ تعالی کی قسم کھا کر کہتا ہوں! کہ اگر اس فتویٰ (کرنسی نوٹ سے متعلق تحقیق) کو امامِ اعظم ابو حنیفہ نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے، تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں، اور اس مؤلِّف (امام احمد رضا) کو اپنے اصحاب (امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہما) کے زُمرے میں شامل فرماتے"[3] ع

---

(١) "فتح القدير" كتاب الكفالة، ٧/ ٢١٢.

(۲) "سوانحِ اعلیٰ حضرت" "مولانا عبد اللہ بن صدیق مفتی حنفیہ، ص۳۰۶۔

(۳) "امام احمد رضا کا فقہی مقام" "فقیہ کا مقام، ص۱۳۸۔

حرم والوں نے مانا تم کو اپنا قبلہ وکعبہ
جو قبلہ اہلِ قبلہ کا ہے وہ قبلہ نما تم ہو![1]

امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے صرف نوٹ کی فقہی حیثیت ہی متعیّن نہیں فرمائی، بلکہ اسے نوٹ کی رسید یا ثمنِ عُرفی (Currency in Common Parlance) کہنے والے رشید احمد گنگوہی اور علّامہ عبد الحی لکھنوی فرنگی محلّی رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی شرح وبسط کے ساتھ رَدّ بھی فرمایا، اور اس سلسلہ میں "كاسِر السفيه الواهِم في إبدال قرطاس الدراهم"[2] کے نام سے بطور تتمہ "كفل الفقيه" ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا۔ اس رسالہ میں رشید احمد گنگوہی کا رَدّ کرتے ہوئے سیّدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسُّک ایک معیّن مثلاً زَید کی طرف سے، دوسرے معیّن مثلاً عَمرو کے لیے ہوتا ہے، کہ اگر زَید عَمرو کے دَین سے منکِر ہو تو عَمرو بذریعہ تمسُّک اس سے وصول کرسکے، تمسُّک اس لیے نہیں ہوتا کہ عَمرو جہاں چاہے، جس ملک میں چاہے، جس شخص سے چاہے اس کے دام وصول کر لے، زَید کے پاس عَمرو، بکر، خالد، ولید دنیا بھر کا کوئی شخص اسے لے کر آئے، یہ اسے دام تھما دے، بلکہ زَید وعَمرو ودائن ومدیون دونوں بالائے طاق رہیں، تیسرا شخص محض اجنبی، چوتھے شخص نرے بے گانے کو دے کر اس سے دام لے لے، دنیا میں کوئی تمسُّک بھی ایسا سنا ہے، اور نوٹ کی حالت

---

(۱) کلام سفیرِ اسلام مولانا شاہ محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی۔

(۲) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب البیوع، باب الرِبا، رسالہ "كاسر السفِيه الواهِم في إبدال قرطاس الدراهم" ۱۲/ ۳۷۷۔

یقیناً یہی ہے کہ جو چاہے جہاں چاہے، اگرچہ غیر ملک غیر سلطنت ہو۔ جبکہ یہاں کا سکہ اس سلطنت میں چلتا ہو۔ جس شخص سے چاہے اس کے دام لے لے گا، یہ حالت یقیناً مال کی ہے نہ کہ تمسُّک کی، تو اسے تمسُّک کہنا کیسا اندھا پن ہے! بلکہ وہ بالیقین مال ہے سکہ ہے، ولکن العمیان لا یُبصرون!"[۱]۔

اسی طرح نوٹ کو عُرفاً حکمِ ثمن (مال) میں شمار کرنے والے علّامہ عبد الحی لکھنوی کے مَوقف کا رَد کرتے ہوئے فرمایا کہ "اگر یہ مراد کہ اہلِ عُرف اس کے لیے ثمن کے جملہ اَحکامِ شرعیہ ثابت کرتے ہیں، تو صریح غلط ہے! بلکہ عامّہ اہلِ عُرف ان اَحکام سے آگاہ بھی نہیں، بلکہ یہ عُرف مؤمنین و کافرین میں مشترک ہے۔ اور اگر یہ مقصود کہ ثمن سے جو اَغراض اہلِ عُرف متعلق ہیں، ان سب میں نوٹ کو اس کا قائم مقام سمجھتے ہیں، جب بھی غلط ہے۔ ثمن کے مقاصد سے ایک عمدہ مقصد لباس میں تزیُن، ظروف وغیرہا میں تجمُّل ہے، اور نوٹ ہرگز اس میں قائم مقام ثمن نہیں۔ اور اگر یہ مطلب کہ ثمن کے بعض اَغراض، یعنی تموُّل اور حوائج تک اس کے ذریعہ سے توسُّل میں نائب مُناب جانتے ہیں، تو ثمن اِصطلاحی کے معنی ہی یہ ہیں کہ اہلِ عُرف اپنی اصطلاح سے ان اَغراض میں اسے مثل ثمن کام میں لائیں، پھر اس سے جملہ اَحکامِ شرعیہ ثمن کا ثبوت کیونکر ہوگیا؟ کیا ثمن خلقی واِصطلاحی میں شرعاً فرق اَحکام نہیں؟!"[۲]۔

اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لیے مذکورہ بالا رسالہ "فتاوی رضویہ" جلد ۱۲، کتاب البیوع کے باب الرِبا میں ملاحظہ فرمائیں[۳]۔

---

(۱) ایضاً، ص۴۰ے، ۱ے۴۔
(۲) ایضاً، ص۴۸ے۔
(۳) ایضاً، ص۳ے- ۴ے۔

خلاصۂ کلام: کرنسی نوٹ ثمنِ اصطلاحی (Conventional Currency) ہے، اس بات کی تعیین امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمائی، کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ مسئلہ بیان کیا۔

نوٹ: امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا دونوں رسالے: "كِفل الفقيه الفاهِم في أحكام قرطاس الدراهِم" اور "كاسِر السفيه الواهِم في إبدال قرطاس الدراهم" آج بھی پاکستان کی مختلف یونیورسٹیوں (Universities) میں اسلامی بینکاری نظام (Islamic Banking System)، اور اسلامی نظامِ معشیت (Islamic Economic System) کے حوالے سے شاملِ نصاب ہیں۔

عُرف، تعامُل اور توارُث سے متعلق فقہی ضوابط

دلائلِ فقہ بنیادی طَور پر چار ۴ ہیں: (۱) قرآن (۲) سنّت (۳) اِجماع (۴) قیاس۔ البتہ بعض اَحوال میں (۵) عُرف (۶) تعامُل (۷) اور توارُث بھی دلائلِ فقہ سے شمار ہوتے ہیں۔ امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے اجتہاد کی بناء پر مؤخَّر الذکر تینوں دلائلِ فقہ، یعنی عُرف، تعامُل اور توارُث سے متعلق بھی فقہی ضابطے مرتَّب فرمائے، عُرف وتعامُل سے متعلق امام اہلِ سنّت کو فقہی ضوابط وضع کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے خود سیّدی اعلیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

"وقد كنتُ أرَى في الباب مَباحثَ "الأشباه" وكلماتِ "ردّ المحتار" من مَواضع عديدةٍ، فلا أجدُ فيها ما يفيد الضبطَ ويزول به

الاضطرابُ والخبطُ، وكان العلّامةُ الشامي كثيراً ما يُحيل المسألةَ على رسالته "نَشر العرف" فكُنتُ تواقاً إليها مثل جُمَيْل إلى بثينه، فلمّا رأيتُها وجدتُها أيضاً لم يتحرّر لها ما يكفي ويَشفي، ولم يتخلص فيها ما ترتبط به الفروعُ، وتأخذ كلماتُ الأئمّة بعضُها حجزَ بعض، ولكن ببركة مطالعتها في تلك الجلسة، فتح[1]"[2]. أي: "فتح الله الفتّاحُ على قلب الفقير، ضوابطَ جامعةً كافيةً وافية في مسائل العُرف.

"میں اس مسئلہ میں "اَشباہ" کی بحثوں اور متعدّد مقامات سے "رد المحتار" کے کلمات دیکھتا، تو اُن میں کوئی ایسی جامع بات نہیں ملی جو عُرف کے تمام قواعد وضوابط کا فائدہ دے، اور ان کے مابین بظاہر جو اِضطراب وانتشار ہے وہ دُور ہو جائے، علّامہ شامی قدّس سرّہٗ زیادہ تر اپنے رسالہ "نشر العرف" کے حوالے دیتے، اس لیے میں اس کی زیارت کا اس طرح مشتاق تھا جیسے اونٹنی اپنے بچے کی! پھر میں نے جب وہ رسالہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس میں بھی مسائلِ عُرف کی تنقیح کافی وشافی طَور پر نہیں ہے، اور اس میں کوئی ایسا واضح ضابطہ بھی نہیں جس سے فُروع اور کلماتِ ائمہ میں ربط وتطبیق پیدا ہو سکے، ہاں اس رسالے کے مطالعہ کی برکت سے اسی نشست میں خدائے فتّاح کی طرف سے قلبِ فقیر پر ایسے ضابطے عیاں ہوئے، جو مسائلِ عُرف کے جامع اور کافی وشافی تھے"[3]۔

---

(۱) یہ رسالہ مکمل دستیاب نہیں ہوسکا، اس لیے عبارت نامکمل ہے۔

(۲) "فتاوی رضویہ" کتاب الاِجارہ، رسالہ "المُنى والدُّرر لمن عمَدَ مَنِي آرْڈَر" ۱۴/ ۲۸۵۔

(۳) "امام احمد رضا اور فقہی ضوابط کی تدوین" عُرف اور تعامُل کے حجت ہونے کے سلسلے میں فقہی ضابطے، صـ۱۳۔

امام اہلِ سنّت نے عُرف وتعامُل سے متعلق جو فقہی ضابطے مرتّب فرمائے ہیں، انہیں منی آرڈر[1] سے متعلق رسالہ میں دیکھا جاسکتا ہے!۔

جہاں تک توارُث کی بات ہے، تو توارُث وہ اَمر ہے جو عہدِ رسالت سے سلَفاً عن خلَف معمول بہ چلا آیا ہو[2]۔ امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی علیہ اپنے رسالہ "شمائم العنبر" میں فرماتے ہیں: "إنّما التوارُثُ التعاملُ في جميع القُرون، ...قال المحقّق حيث أُطلِق في "فتح القدير" مسألة الجهر في الأُولَيَين والإخفاء في الأُخريَين: قوله: (هذا هو المتوارِث)[3] "يعني إنّا أخذنا عمَّن يلينا الصّلاةَ هكذا فعلاً، وهُم عمَّن يليهم كذلك، وهكذا إلى الصحابة رضي الله تعالى عنهم، وهُم بالضرورة أخذُوه عن صاحب الوحي صلى الله تعالى عليه وسلم، فلا يحتاج إلى أن ينقلَ فيه نصٌّ معيّن"[4] اهـ. "توارُث تمام قَرنوں کے تعامُل کا نام ہے، محقق علی الاِطلاق "فتح القدیر" میں فرماتے ہیں کہ "پہلی دو ۲ رکعتوں میں قراءت جہری (بلند آواز سے) اور آخری دو ۲ رکعتوں میں سرّی (آہستہ آواز سے) ہی متوارِث ہے، یعنی ہم نے یہ طریقہ اپنے باپ دادا سے لیا ہے، اور انہوں نے اسے اپنے بزرگوں سے اَخذ کیا ہے ...ایسے ہی صحابۂ کرام تک، اور انہوں نے ضرورۃً صاحبِ وحی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے سیکھا، لہذا اس کے واسطے کسی نصِ معیّن کی ضرورت نہیں"۔

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الاِجارہ، رسالہ "المُنى والدُّرر لمن عمَدَ مَنِي آرْڈَر" ۲۶۱/۱۴- ۲۸۵۔

(۲) "امام احمد رضا اور فقہی ضوابط کی تدوین" توارُث کے تعلق سے فقہی ضابطے، ص۱۹۔

(۳) "الهداية" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة، الجزء ١، صـ٦٦.

(٤) "الفتح" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، فصل في القراءة، ١/ ٢٨٣.

محقق علی الاِطلاق امام ابن ہُمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول نقل فرمانے کے بعد، امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: "فهذا معنى التوارُث المحتَجّ به شرعاً مطلقاً، المستغني عن إبداء سَندٍ خاصٍّ"[1] "یہی توارُث کے وہ معنی ہیں جس سے شرعًا دلیل پکڑنا درست ہے، اور جس کی سَند ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں"۔ توارُث سے متعلق ان فقہی ضوابط کی تفصیل امام اہلِ سنّت کے رسالہ "شمائم العنبر" میں ملاحظہ میں فرمائیں!۔

خلاصۂ کلام: امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عُرف، تعامُل اور توارُث سے متعلق متعدّد ایسے فقہی ضوابط بیان فرمائے ہیں، جن کی کتبِ اکابر میں صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّھاً یہ ضابطے بیان فرمائے ہیں۔

جمعہ کی اذانِ ثانی

جمعہ کی اذانِ ثانی (یعنی اذانِ خطبہ) خطیب کے سامنے مسجد کے اندر کہی جائے گی یا مسجد کے باہر؟ اس بارے میں اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں استفتاء کیا گیا کہ "اذان مسجد کے اندر دینا کیسا ہے؟ جمعہ کی اذانِ ثانی خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد جو دی جاتی ہے، آیا وہ اذان مسجد کے اندر خطیب کے سامنے کھڑا ہو کر کہے یا باہر مسجد کے؟ اور بر تقدیرِ اوّل بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ **بعض لوگ کہتے ہیں:** یہ بلا کراہت سب علماء کے نزدیک جائز ہے، اور سلَف صالحین سے لے کر اس زمانے تک کُل اَمصار ودیار میں اسی طریقۂ مسنون پر باتفاق علمائے کرام جاری ودائر ہے، "شامی"

---

(١) "فتاویٰ رضویہ" "کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، رسالہ "شمائم العنبر في أدب النداء أمام المنبر" ٦/ ٤٥٨، ملتقطاً۔

میں ہے کہ "مؤذّن اذان خطیب کے سامنے کہے"[(۱)] "ہدایہ" میں ہے: "منبر کے سامنے کہے، اور اسی پر علماء کا عمل ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نہیں تھی مگر یہ اذان"[(۲)]۔ اور "درِّ مختار" میں ہے: "خطیب کے سامنے کہے"[(۳)]۔ ان عبارات سے ہُوَیدا[(۴)] ہوا کہ رُو برو خطیب کے مسجد کے اندر کہے، اور باہر مسجد یا صحنِ مسجد میں کھڑا ہو کر اذان کہنا خلاف کُتبِ فقہ و سلَف صالحین کا ہے، انتہی۔

اور بعض لوگ کہتے ہیں: جمعے کی اذانِ ثانی مسجد کے اندر منبر کے سامنے کھڑے ہو کر مکروہ نہیں ہے، اگرچہ جہاں تک اِطلاق "بين يدَيه" آتا ہے، سب جگہ درست ہے، انتہی۔ ان میں کونسا قول صحیح ہے؟"[(۵)]۔

فقیہِ مجتہد امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کا جواب تحریر کرتے ہوئے ابتداءً "فتاوی قاضی خان"، "خلاصۃ الفتاوی"، "فتح القدیر"، "شرح النقایہ" للبِرجندی، "البحر الرائق"، "فتاوی ہندیہ"، "حاشیۃ الطحطاوی علی مَراقی الفلاح" وغیرہا جیسی مستند کتب کے حوالے سے فقہ کا مشہور جزئیہ "لا يؤذّن في المسجد"[(۶)]

---

(١) "ردّ المحتار" كتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقيّ بين يدَي الخطيب، ٥/ ٨٢.

(٢) "الهدية" كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، الجزء ١، صـ١٠١.

(٣) "الدر" كتاب الصلاة، باب الجمعة، ٥/ ٨٢.

(۴) واضح۔

(۵) "فتاوی رضویہ" کتاب الصلاۃ، باب الجمعہ، رسالہ "أوفى اللمعة في أذان يوم الجمعة" ۶/ ۶۱۹، ۶۲۰۔

(٦) "الفتاوى الخانية" كتاب الصلاة، باب الأذان، صـ٣٨.

پیش کرتے ہوئے اس بات کی تصریح فرمائی، کہ مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے[(۱)]۔

پھر اس مسئلہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ "یہ تمام ارشادات صاف صاف مطلق بلاقَید ہیں، جن میں جمعہ وغیرہا کسی کی تخصیص نہیں، مدّعی تخصیص پر لازم کہ ایسے ہی کلماتِ صریحہ معتمَدہ میں اذانِ ثانی جمعہ کا استثناء دِکھائے، مگر ہرگز نہ دِکھا سکے گا، رہا لفظ: "بين يدَي الإمام" یا "بين يدَي المنبر" سے استدلال مذکور فی السوال، وہ محض ناواقفی ہے، ان عبارات کا حاصل صرف اس قدر کہ اذانِ ثانی خطیب کے سامنے، منبر کے آگے، امام کے مُواجہہ میں ہو، اس سے یہ کہاں کہ امام کی گود میں منبر کی کگر[(۲)] پر ہو؟ جس سے داخلِ مسجد ہونا استنباط کیا جائے! "بين يدَي" سَمتِ مقابل میں منتہائے جہت تک صادق ہے، جو وقتِ طلوع مُواجہہ مشرق یا ہنگام غروب مستقبل مغرب کھڑا ہو، وہ ضرور کہے گا کہ "آفتاب میرے سامنے ہے"، یا فارسی میں: "مہر رُو بروئے مَن است"، یا عربی میں: "الشمس بين يدَي" حالانکہ آفتاب اس سے تین ہزار برس کی رَاہ سے زیادہ دور ہے"[(۳)]۔

اس کے بعد امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بحث کو نُصوصِ شرعیہ تک پھیلا دیا، اور اپنے مَوقف کی تائید میں قرآن وحدیث سے براہِ راست استدلال کرتے ہوئے فرمایا

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب الصلاۃ، باب الجمعہ، رسالہ "أوفى اللمعة في أذان يوم الجمعة" ٦/ ٦٢٠۔

(۲) کنارہ۔ ("فیروز اللغات" صـ۱۰۷۵) [میمن]

(۳) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب الصلاۃ، باب الجمعہ، رسالہ "أوفى اللمعة في أذان يوم الجمعة" ٦/ ٦٢١۔

کہ "اللہ عزّوجلّ فرماتا ہے: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾[1] "اللہ -سبحانہ تعالیٰ- جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے یعنی آگے آنے والا ہے، اور جو کچھ ان کے پیچھے "یعنی گزر گیا، یہ ہرگز ماضی و مستقبل سے مخصوص نہیں، بلکہ اَزل تا اَبد سب اُس میں داخل ہے۔ یونہی ملائکہ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا قول کہ قرآنِ عظیم نے ذکر فرمایا: ﴿لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ﴾[2] "اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے، اور جو کچھ ہمارے پیچھے، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے"۔

تمام ماضی و مستقبل وحال سب کو شامل ہے، ہاں ایسی جگہ عرفاً بنظرِ قرآن حالیہ ایک نَوع قُرب ہر شَے کے لائق مستفاد ہوتا ہے، نہ اتّصال حقیقی کہ خواہی نخواہی وُقوع فی المسجد پر دلیل ہو، قال اللہ تعالی: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ﴾[3] ...الآية. "اللہ ہے کہ بھیجتا ہے ہوائیں خوشی کی خبر لاتیں بارانِ رحمت کے آگے، یہاں تک کہ جب انہوں نے اُبھارے بوجھل بادل، ہم نے اسے رواں کیا کسی مُردہ شہر کی طرف، تو اُتارا اُس سے پانی"۔ "بين يدي" نے قربِ مطر کی طرف اشارہ فرمایا، مگر یہ نہیں کہ ہوائیں چلتے ہی پانی معاً اُترے، بلکہ چلیں اور بادل اُٹھے، اور بوجھل پڑے اور کسی شہر کو چلے، وہاں پہنچ کر برسے۔

وقال تعالى: ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾[4]

---

(١) پ٣، البقرة: ٢٥٥.
(٢) پ١٦، مريم: ٦٤.
(٣) پ٨، الأعراف: ٥٧.
(٤) پ٢٢، سبأ: ٤٦.

محمد ﷺ ایسے نہیں جیسا کہ اے کافرو تم گمان کرتے ہو! "وہ تو نہیں مگر تمہیں ڈر سنانے والے، ایک سخت عذاب کے آگے"۔ آیت نے قربِ قیامت کا اشارہ فرمایا، نہ یہ کہ بعثت کے برابر ہی قیامت ہے، پھر اُس کا قرب اُس کے لائق ہے، تیرہ سو تینتالیس(۱۳۴۳) برس گزر گئے، ہُنوز وقت باقی ہے۔

پس جو اذان درِ مسجد پر یا فِنائے مسجد کی کسی زمین میں جہاں تک حائل نہ ہو، مُحاذاتِ امام میں دی جائے، اُس پر ضرور "بين يدَيه" صادق ہے، بلا شبہ کہا جائے گا کہ امام کے سامنے خطیب کے رُو برو منبر کے آگے اذان ہوئی، اور اسی قدر در کار ہے۔ غالباً خود مستدلّین کو معلوم تھا کہ قریبِ مسجد، بیرونِ مسجد، مُواجہہ امام کو بھی "بين يدَيه" شامل ہے، ولہذا رُو برو خطیب کہنے کے بعد ان لفظوں کی حاجت ہوئی کہ "مسجد کے اندر"، مگر خاص یہی لفظ کہ اصل مدّعا تھے، صرف اپنی طرف سے اضافہ ہوئے۔ "شامی" و"ہدایہ" و"درِّ مختار" وغیرہا میں کہیں اس کی بُو بھی نہیں۔

اب ہم ایک حدیثِ صحیح ذکر کریں جس سے اس "بين يدَيه" کے معنیٰ بھی آفتاب کی طرح روشن ہو جائیں، اور اس اِدّعائے توارُث کا حال بھی کھل جائے!:

"سُنن ابی داوٗد شریف" میں بسندِ حَسن مروی ہے: حدّثنا النفَيلي: ثنا محمّد بن سلَمة عن محمّد بن إسحاق، عن الزُهري، عن السائب بن يزيد رضي الله تعالى عنه قال: «كان يؤذّن بين يدَي رسولِ الله ﷺ إذا جلس على المنبر، يومَ الجمعة، على باب المسجد، وأبي بكر وعمرَ»[1] نفَیلی نے بیان کیا کہ محمد بن سلَمہ نے محمد بن اسحاق سے، انہوں نے زُہری سے، انہوں نے

(١) "سنن أبي داود" كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة، ر: ١٠٨٨، صـ١٦٤.

سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب روزِ جمعہ منبر پر تشریف فرما ہوتے، تو حضور کے رُو برو اذان مسجد کے دروازے پر دی جاتی، اور یونہی ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں"۔

اس حدیثِ جلیل نے واضح کر دیا کہ اس رُو بروئے امام پیشِ منبر کے کیا معنی ہیں! اور یہ کہ زمانۂ رسالت و خلفائے راشدین سے کیا متوارِث ہے، ہاں یہ کہیے کہ اب ہندوستان میں یہ اذان متّصلِ منبر کہنی شائع ہو رہی ہے، مگر نصِ حدیث سے جُدا، تصریحاتِ فقہ کے خلاف، کسی بات کا ہندیوں میں رَواج ہو جانا کوئی حجت نہیں! ہندیوں میں ایک یہی کیا، اَور وقت کی اذانیں بھی بہت لوگ مسجد میں دے لیتے ہیں، حالانکہ وہاں تو ان تصریحاتِ ائمہ کے مقابل "بین یدَیہ" وغیرہ کا بھی دھوکا نہیں، پھر ایسوں کا فعل کیا حجت ہو سکتا ہے؟!

الحمد للہ! یہاں اس سنّتِ کریمہ کا اِحیاء ربّ عزّوجلّ نے اس فقیر کے ہاتھ پر کیا، میرے یہاں مؤذّنوں کو مسجد میں اذان دینے سے ممانعت ہے، جمعہ کی اذانِ ثانی -بحمد اللہ تعالی- منبر کے سامنے دروازۂ مسجد پر ہوتی ہے، جس طرح زمانۂ اقدس حضور پُر نور سیّدِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہوا کرتی تھی، ذلك فضلُ اللہ یُؤتیه مَن یشاء، واللہ ذو الفضل العظیم، والحمد للہ ربّ العالمین!۔

بعض دیگر جن سے سائل نے دوسرا قول نقل کیا، اگرچہ اتنا سمجھے "بین یدَیہ" سے داخلِ مسجد ہونا اصلاً مفہوم نہیں ہوتا، مگر کتابوں پر نظر ہوتی تو خلافِ تصریحاتِ علماء یہ اِدّعاء نہ ہوتا کہ "مسجد کے اندر مکروہ نہیں"! ۱۳۰۲ ہجری میں فقیر بنیّت خاک بوسی آستانۂ عالیہ حضرت سلطان الاولیاء، محبوبِ الٰہی، نظام الحق والدین

رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بریلی سے شدّ الرِحال کر کے حاضرِ بارگاہِ غیاث پور شریف ہوا تھا، دہلی کی ایک مسجد میں نماز کو جانا ہوا، اذان کہنے والے نے مسجد میں اذان کہی، فقیر نے حسبِ عادت کہ جو اَمر خلافِ شرعِ مطہَّر پایا، مسئلہ گزارش کر دیا، اگرچہ اُن صاحب سے اَصلاً تعارُف نہ ہوا، ان مؤذِّن صاحب سے بھی بہ نرمی کہا کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے، کہا: کہاں لکھا ہے؟ میں نے "قاضی خان"، "خلاصہ"، "عالمگیری"، "فتح القدیر" کے نام لیے، کہا: ہم ان کو نہیں مانتے، فقیر سمجھا کہ حضرت طائفہ غیر مقلّدین سے ہیں، گزارش کی کہ آپ کیا کام کرتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ کسی کچہری میں نوکر ہیں، فقیر نے کہا: احکم الحاکمین جل جلالہ کا سچا حقیقی دربار تو اَرفع واعلی ہے، آپ انہی کچہریوں میں روز دیکھتے ہوں گے، چپراسی، مدّعی، مدّعا علیہ، گواہوں کی حاضری، کچہری کے کمرے کے اندر کھڑے ہو کر پکارتا ہے یا باہر؟ کہا: باہر، کہا: اگر اندر ہی چلّانا شروع کرے تو بے اَدب ٹھہرے گا یا نہیں؟ بولے: اَب میں سمجھ گیا! غرض کتابوں کو نہ مانا، جب ان کی سمجھ کے لائق کلام پیش کیا، تسلیم کر لیا! ع

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اُوست [1]

الحمد للہ حق واضح ہو گیا!"[2]۔

خلاصۂ کلام: مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے، اس سلسلے میں امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اوّلاً اَدِلّۂ اربعہ سے استدلال فرمایا، اور پھر "سُنن ابی داود" کی روایت سے "بین

---

(۱) دیکھیے: "فرہنگِ اَمثال" ص۱۵۰۔

(۲) "فتاوی رضویہ" "کتاب الصلاۃ، باب الجمعہ، رسالہ "أوفى اللمعة في أذان يوم الجمعة" ۶/ ۶۱۹- ۶۲۳، ملتقطاً۔

يدَي المنبر" کے وسیع مفہوم کی تخصیص فرمائی، کتبِ اکابر میں اس تخصیص کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت نے قرآن و حدیث کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً مسئلہ بیان کیا، اور اس کی وضاحت فرمائی۔

منی آرڈر فیس

سیّدی اعلیٰ امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کم و بیش پچاس ۵۰ علوم پر اعلیٰ درجے کا کمال حاصل تھا، آپ نے جس علم و فن پر قلم اٹھایا اس میں اِضافات اور زیادات کی صورت میں اپنی سیادت واِمامت کے گہرے نُقوش چھوڑے، نیز اُن علوم و فنون میں متعلقہ موضوع کے علاوہ، اِلٰہیات، ریاضیات، اسماء الرجال، مسائلِ کلامیہ، فوائدِ اُصولیہ اور رسم الاِفتاء وغیرہا پر بھی گراں قدر اَبحاث فرمائیں۔ امام اہلِ سنّت نے اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کی بنیاد پر، اپنے زمانہ کے نَوپید اور لاینحل مسائل کے ایسے پُر مغز، مدلّل اور تسلی بخش جوابات تحریر فرمائے، کہ انہیں دیکھ کر امام ابن ہُمام اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہما کی یاد تازہ ہو جاتی ہے!۔

علاوہ ازیں امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ائمۂ مذہب کے وضع کردہ اُصول و قواعد کی رَوشنی میں، بعض ایسے مسائل کا حکم بھی اِستنباط واستخراج فرمایا، جن کے بارے میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کوئی صریح روایت نہیں ملتی، اور ایسا کرنا اسی کی شان ہے جو مجتہد فی المسائل ہو!۔ منی آرڈر کی فیس کا مسئلہ بھی انہی غیر منصوص مسائل میں سے ہے، امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نہ صرف اس مسئلہ کی تحقیق و توضیح فرمائی، بلکہ اس موضوع پر باقاعدہ ایک مستقل رسالہ "المُنی والدُّرر لمن عمدَ مَنِيْ آرڈَر" بھی تحریر فرمایا، نیز اس میں عُرف و تعامُل سے متعلق فقہی ضوابط بھی بیان فرمائے!۔

اس مسئلہ کا پس منظر یہ ہے کہ بعض علماء نے منی آرڈر پر وُصول کی جانے والی فیس کو سُود قرار دیتے ہوئے، اس کی حُرمت کا فتویٰ دیا، کام کاج کے سلسلے میں اپنے گھربار سے دُور محنت کش طبقہ، اس فتویٰ حُرمت کے باعث بڑا پریشان ہوا، کہ اب اپنے گھروالوں کو پیسے کیسے بھیجیں؟! پریشانی کی بات یہ تھی کہ اگر خود دینے جائے تو ساری تنخواہ آنے جانے کے کرایے میں صَرف ہو جائے گی، اور اگر منی آرڈر کریں تو سُودی لین دَین کے باعث گنہگار ہوں گے! کسی نے یہ ساری صورتحال امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک استفتاء کی صورت میں لکھ بھیجی، امام اہلِ سنّت نے انتہائی مدلّل انداز میں منی آرڈر کی حُرمت کے قائلین کا ردِّ بلیغ فرمایا، اور فرمایا کہ "اس میں مفتی صاحب فرماتے ہیں: "یہ رِبا ہے دو ۲ آنے، دس ۱۰ کے عوض دس ملتے ہیں" مگر یہ بات وہی کہہ سکتا ہے کہ جسے اتنی خبر نہیں کہ دو آنے کاہے کے دیے جاتے ہیں؟ شاید انہیں معلوم نہیں کہ ڈاک خانہ ایک اجیرِ مشترک کی دکان ہے جو بغرض تحصیلِ اُجرت کھولی گئی ہے، دو آنے قطعًا وہاں جانے اور روپیہ دینے اور واپس آنے اور رسید لانے ہی کی اجرت ہیں، جیسے لفافہ پر اور پارسل پر ۴ آنہ وغیر ذلک اس کو تو کوئی عاقل رِبا خیال ہی نہیں کر سکتا، یہ ہرگز نہ اس کا مُعاوضہ نہ زنہار دینے والوں میں کسی کو اس روپیہ کے مُعاوضہ میں کمی بیشی مقصود"[1]۔

امام اہلِ سنّت نے مزید فرمایا کہ "یقینًا اجرت میں دینے والے اجرت ہی سمجھ کر دیتے، لینے والے اجرت ہی جان کر لیتے ہیں، ہرگز کسی کے خواب میں بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ ۲ آنے سود کے ہیں، جو اُلٹا مدیون دائن سے لیتا ہے، ڈاکخانے کی اصل

---

(۱) "فتاوی رضویہ" "کتاب الاِجارہ، رسالہ "المُنى والدُّرر لمن عمدَ مَنِيْ آرڈَر" ۲۶۴/۱۴۔

وضع ہی اس قسم کی اجارات کے لیے ہے، تو یہاں عقدِ اجارہ کا تحقق اور ان داموں کا اُجرت ہونا اصلاً محلِّ تردّد نہیں"[1]۔

خلاصۂ کلام: منی آرڈر کی فیس دینا جائز ہے، اور یہ سُود ہرگز نہیں، کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔

جانور میں پیدائشی عیب پر دو مختلف اَقوال میں سے قولِ راجح کی تعیین

جس جانور کے پیدائشی کان دُم نہ ہوں، اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو ۲ مختلف قول ہیں: **ایک** قول سیّدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے، اور **دوسرا** سیّدنا امام محمد رحمہ اللہ کا۔ امام اعظم کے نزدیک ایسے جانور کی قربانی جائز، اور امام محمد کے نزدیک ناجائز ہے، البتہ معتمَد قول امامِ اعظم کا ہے۔

سیّدی اعلیٰ حضرت مجدّدِ دین وملّت نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث فرمائی، اور پانچ ۵ وُجوہ سے قولِ راجح کی تعیین کی، جو کہ حسبِ ذیل ہیں:

اوّلاً: مُتون وشُروح نے عدمِ جواز پر جزم کیا، اور قولِ خلاف کا نام نہ لیا۔

ثانیاً: یہی قضیۂ حدیث ہے، كما علمتَ من "غاية البيان".

ثالثاً: اس کی وجہِ اظہر واَزہر ہے، كما علمتَ من "الهداية" و"مناسك الكرماني" "اِیراث نقص میں عدم طاری واصلی میں تفرِقہ کی کوئی وجہ ظاہر نہیں۔

رابعاً: یہی اکثر کتب میں ہے، والعملُ بما عليه الأكثرُ[2].

---

(۱) اَیضاً، ص۲۶۵۔

(۲) انظر: "ردّ المحتار" كتاب الطهارة، باب المياه، فصل في البئر، ۲/ ۵۷.

خامساً: یہی اَحوَط ہے، تو بوُجوہ اسی کو ترجیح، اور اسی پر اعتماد وعمل وفتوی واجب، واللہ تعالی أعلم"[1].

ان مثالوں میں امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے دو ۲ مختلف اَقوال میں سے ایک کو قولِ راجح قرار دیا، اور وُجوہِ ترجیح بھی بیان فرمائیں۔ اہلِ علم خوب جانتے ہیں کہ ائمۂ مذہب یا متقدمین کے دو یا دو سے زائد اَقوالِ مختلفہ میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا مجتہد (اصحابِ ترجیح) ہی کا کام ہے!۔

خلاصۂ کلام: جس جانور کے پیدائشی کان دُم نہ ہوں، اس کی قربانی کے جواز وعدمِ جواز سے متعلق فقہاء کے دو ۲ مختلف قول ہیں، سیّدی اعلی حضرت رحمہ اللہ تعالی نے قولِ جواز کو معتمَد کہا، اور پانچ ۵ وُجود سے اسے قولِ راجح قرار دے کر اس کی تعیین بھی فرمائی۔ کتبِ اکابر میں اس تعیین کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ مسئلہ بیان کیا، اور قولِ راجح کی تعیین فرمائی۔

باپ پر بیٹے کا حق

امام اہلِ سنّت سے استفتاء کیا گیا کہ باپ پر بیٹے کا کیا حق ہے؟ سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں اس موضوع پر بھی باقاعدہ ایک رسالہ "مشعلة الإرشاد في حقوق الأولاد" تحریر فرمایا، اور اس میں اولاد (بیٹا بیٹی) کے

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب الاُضحیۃ، جس جانور کی اصل پیدائش میں کان اور دُم نہ ہوں، ۱۴/ ۶۳۰، ۶۳۱، ملتقطاً۔

کُل اسّی ۸۰ حقوق بیان کیے، یہ رسالہ "فتاوی رضویہ "کتاب الحظر والاِباحۃ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، حقوقِ اولاد سے متعلق اتنی تفصیل کسی اَور کتاب میں ملنا مشکل ہے!۔

امام اہلِ سنّت نے اس رسالہ کے آخر میں اولاد کے ان حقوق کا شرعی حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ " یہ اسّی ۸۰ حق ہیں کہ اس وقت فقیر کی نظر میں احادیث مرفوعہ سے خیال میں آئے، ان میں اکثر تو مستحبات ہیں جن کے ترک پر اصلاً مُؤاخذہ نہیں، اور بعض پر آخرت میں مطالبہ ہو، مگر دنیا میں بیٹے کے لیے باپ پر گرفت وجبر نہیں، نہ بیٹے کو جائز کہ باپ سے جِدال ونزاع کرے، سوا چند حقوق کے کہ ان میں جبر حاکم وچارہ جُوئی واعتراض کو دخَل ہے "[1]۔

خلاصۂ کلام: باپ پر بیٹے کا کیا حق ہے؟ اس ضمن میں امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اَسی ۸۰ ایسے حقوق کا اِضافہ فرمایا، جو کتبِ فقہ میں مذکور نہیں، امام اہلِ سنّت نے قرآن وحدیث کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً باپ پر بیٹے کے مزید حقوق بیان کیے۔

آبِ مطلق اور آبِ مقیّد میں باہم فرق کے لیے ضابطۂ رضویہ

فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے آبِ مطلق اور آبِ مقیّد میں باہم فرق کے لیے متعدِّد ضابطے بیان فرمائے ہیں، جن میں سے بعض ضابطے تمام جزئیات کو جامع، اور نقد ونظر سے محفوظ نہیں تھے، امامِ اہل سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالہ "الدقّة والتبيان لعلم الرقّة والسَّيلان" میں اوّلاً فقہائے کرام کے وضع کردہ پانچ ۵

---

(۱) "فتاوی رضویہ "کتاب الحظر والاِباحۃ، رسالہ "مشعلة الإرشاد في حقوق الأولاد" ۱۵/ ۴۶۱۔

ضابطے بیان فرمائے، اور پھر انہیں پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنے اجتہاد سے ایک ایسا "ضابطۂ رضویہ" وضع فرمایا، جو تمام جزئیات کو جامع، اور نقد و نظر سے سالم و محفوظ ہے، یہ "ضابطۂ رضویہ" سولہ ۱۶ اُصول و قوانین پر مشتمل ہے، اور ہر اُصول و قانون اپنی جگہ پر ایک مستقل ضابطہ ہے۔

امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بیان کردہ "ضابطۂ رضویہ" کی بنیاد "ضابطۂ امام ابویوسف" ہے، جسے بیان کرتے ہوئے فقیہِ مجتہد امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحریر فرمایا کہ "جب پانی کا سَیلان زائل ہوجائے یا رِقت نہ رہے، اگرچہ بے کسی چیز کے ملنے، یا اُس میں اُس کا غیر (کہ مقدار میں برابر یا پانی سے زائد ہو) مل جائے، یا دوسری شَے سے مل کر ایک مرکَّب جُداگانہ، مقصدِ آخَر کے لیے ہوجائے، اگرچہ وہ دوسری شَے پانی سے مقدار میں کتنی ہی کم ہو، ان صورتوں میں پانی مقیَّد ہوگیا اور قابلِ وضو نہ رہا، ورنہ مطلقاً مائے مطلق ہے، اگرچہ رنگ مزہ بُو سب بدل جائیں، اور یہی صحیح و معتمَد اور یہی مَفادِ مُتون مستند ہے"[1]۔

پھر "ضابطۂ رضویہ" بیان کرتے ہوئے امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: "سبحان اللہ! فقیر بھی کوئی شَے ہے کہ اَحکام میں زبان کھول سکے؟ حاشا! ضابطہ وہی ضابطۂ امام ابویوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، باتّباعِ علماء اُس کے اِجمال کو مفصَّل کردیا ہے، تفاصیل میں خدمت گاری کلامِ اکابر کے صدقہ سے جن تحقیقات کا اِفاضہ ہوا اُن پر

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الطہارۃ، باب المیاہ، رسالہ "الدقّة والتبیان لعلم الرقّة والسَّیلان" ۵۶۱/۲۔

اِبتِنائے شُقوق کیا ہے، جملہ ضوابطِ صحیحہ مذکورہ کو ایک دائرے کے اِحاطہ میں لیا ہے، اس نے بیان کو اظہَر واجمَع وانوَر وانفَع کرکے ضابطہ کے لیے خَلعتِ جدّت سِیا ہے۔

فاقول وباللہ التوفیق: **(۱)** دریا نہر چشمے چاہ باران کا پانی، حتی کہ شبنم اپنی حدِ ذات میں آبِ مطلق ہے، جوکچھ ان کی جنس سے نہیں (اگرچہ ان کی شکل، ان کے اَوصاف، ان کے نام پر ہو) پانی نہیں، اُس سے وضوو غسل نہیں ہوسکتا، جیسے ماءُ الجُبن دہی کا پانی، درختوں پتّھروں کا مد، مٹّی کا تیل، سیندھی تاڑی، ناریل کدّو تربوز کا پانی، اگرچہ اُس میں صرف پانی ہی ہو، یونہی جوکچھ پتّوں شاخوں پھلوں پھولوں سے نکالا جائے، یا کافور کے درخت انگور کی بیل کی طرح کاٹے سے، یا آپ ہی ٹپکے، یا نمک نَوشادر کافور وغیرہا کے پگھلنے، یا سونے چاندی رانگ وغیرہا کے گلنے سے حاصل ہو۔

(۲) جوکچھ حقیقۃً پانی ہے (اگرچہ بیچ میں پانی نہ رہا تھا، جیسے اَولے یا آسمانی برف یا گل کا، جب پگھل جائے) یا تو اُس میں کوئی اَور چیز (اگرچہ اُسی کی جنس سے ہو) داخل ہوگی یا نہیں، اگر نہیں تو وہ مطلقاً آبِ مطلق ہے، لیکن اگر مائے مستعمل ہے، جس کا بیان "الطرس المعدّل" میں مفصّل گزرا[1] تو اُس سے وضوو غسل جائز نہیں، ورنہ مطلقاً صحیح ہے، اگرچہ بوجہِ مِلکِ غیر یا وقف یا کسی حاجتِ ضروریہ کی طرف مصروف ہونے یا اَور عوارض کے سبب (جن کا بیان فصلِ اوّل میں گزرا[2]) اُس سے وضو حرام یا مکروہ ہو اگرچہ بچوں کا ہاتھ پڑنے یا کافر کے چھونے یا کسی مشکوک شَے کے گرنے سے اُس کی طہارت میں اَوہام پیدا ہوں، جب تک نَجاست ثابت نہ ہوجائے،

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الطہارۃ، باب المیاہ، رسالہ "الطرس المعدّل" ۲/ ۲۹۔

(۲) ایضاً، رسالہ "النور والنورق" ۲/ ۳۲۰۔

اگر چہ دیر تک بند رہنے سے اُس کا رنگ بُو مزہ بدل جائے، یا ابتداء ہی سے بدلا ہوا ہو اگر چہ کسی تیز خوشبو یا بدبودار شَے کے قُرب سے اُس میں کتنی ہی بُوئے خوش یا ناخوش پیدا ہو جائے، ہاں اگر سردی سے جَم جائے یا رقیق نہ رہے جیسے اَولے بَرف اُس سے وضو ناجائز ہو گا، جب تک پگھل کر پھر اصلی رِقّت پر نہ آجائے۔

(۳) اگر داخل ہو گی تو دو صورتیں ہیں: یا تو پانی سے جُدا رہے گی یعنی اُس میں سرایت نہ کرے گی یا خلط ہو جائے گی، اگر جُدا رہے (اور یہ نہ ہو گا مگر شَے جامد میں جیسے کنکر وغیرہ پانی میں ڈال دیے جائیں) تو اگر وہ شَے نجس نہیں یا پانی دَہ دَر دَہ ہے مطلقاً مطلق و قابلِ[1] وضو ہے، اور اگر نجس ہے اور پانی کم تو مطلق ہے مگر لائقِ استعمال نہ رہے گا۔

(۴) اگر پانی میں خلط ہو گی تو دو ۲ صورتیں ہیں: وہ ملنے والی شَے بھی اصل میں صرف پانی ہے، یا اُس کا غیر اگر صرف پانی ہے، تو پھر دو ۲ صورتیں ہیں: اب بھی پانی ہی ہے یا نہیں، اگر اب بھی پانی ہی ہے تو اُس کے ملنے سے پانی مطلق تو مطلقاً رہے گا ہی، اُس سے وضو بھی رَوا ہو گا، مگر دو ۲ صورتوں میں، ایک یہ کہ آبِ مستعمل اس میں مل جائے، اور یہ مقدار میں اُس سے زائد نہ ہو، دوسرے یہ کہ نجس پانی پڑ جائے، اور یہ دَہ دَر دَہ نہ ہو اور یہ وہیں ہو گا، کہ وہ پانی بے کسی دوسری شَے کے مختلط ہو جانے کے ناپاک ہو گیا، جیسے آبِ قلیل میں خنزیر کا پاؤں یا بال پڑ گیا اور نکل گیا؛ کہ پانی خالص ہی

---

(۱) آبِ کثیر نجاست کے پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک اُس کا کوئی وصف نہ بدلے اور ظاہر ہے کہ رنگ یا مزہ اُسی وقت بدلیں گے جب اُس نجس کے اجزاء پانی میں خلط ہوں اور یہاں وہ صورت مفروض ہے کہ خلط نہ ہو، ہاں اگر کوئی نجس چیز اس درجہ قوی الرائحہ ہو کہ صرف اُس کی مجاوَرت بلا خلط سے آبِ کثیر کی بُو بدل جائے تو نجس ہونا چاہیے واللہ تعالیٰ اعلم!۔ منہ [امام احمد رضا] غفر لہ

رہا خلط نہ ہوا، اور ناپاک ہوگیا، ورنہ جو خلطِ نجس سے نجس ہو اُس کا ملنا اس قسم سے خارج ہوگا؛ کہ یہ صرف پانی کا ملنا نہ ہوا۔

(۵) اگر وہ ملنے والی شَے اب پانی نہیں (اور یہ نہ ہوگا مگر اَولے یا برف میں کُل کا ہو خواہ آسمانی؛ کہ یہی وہ صورت ہے کہ پانی بے خلطِ غیر پانی نہ رہے) تو اگر پانی کی رقّت زائل کردے قابلِ وضو نہ رہے گا، جب تک وہ شَے پگھل کر پھر پانی نہ ہوجائے، اور اگر رقّت باقی ہے نہ یُوں کہ اَولے برف ابھی گُھل کر پانی میں مخلوط نہ ہوئے، پتّھر کنکر کی طرح تہہ میں پڑے ہیں؛ کہ یہ تو تیسرا نمبر تھا بلکہ یُوں کہ مقدار میں اتنے کم تھے، جن کے خلط سے رقّتِ آب میں فرق نہ آیا تو اُس سے وضو جائز ہے۔

(۶) اگر وہ شَے غیرِ آب ہے اور پانی میں اتنی خلط ہوگئی کہ پانی اُس سے مقدار میں زائد نہیں تو مطلقاً قابلِ وضو نہیں۔

(۷) اگر پانی مقدار میں زیادہ ہے، تو وہ شَے نجس ہے یا طاہر، اگر نجس ہے اور پانی دَہ دَر دَہ نہیں، یا ہے تو نجاست سے اُس کے رنگ یا مزے یا بُو میں فرق آگیا، تو پانی اگرچہ مطلق رہے قابلِ وضو در کنار بدن میں جائزُالاستعمال نہ رہا۔

(۸) اگر دَہ دَر دَہ ہے اور کسی وصف میں تغیّر نہ آیا، تو نجاست کا حکم ساقط اور اِحکامِ بعض اَحکام آئندہ ہوں گے۔

(۹) اگر طاہر ہے تو پھر دو ۲ صورتیں ہیں: پانی میں اُس کا خلط آگ پر ہوا یا الگ، اگر آگ سے الگ ہوا اور وہ شَے جامد ہے، تو ہمارے ائمۂ کِرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اِجماع سے، اور مائع ہے تو مذہبِ صحیح معتمَد میں پانی مطلقاً آبِ مطلق ولائقِ وضو رہے گا، اگرچہ رنگ، مزہ، بُو سب بدل جائیں گے، مگر دو ۲ صورتوں میں: ایک یہ کہ پانی

رقیق نہ رہے، اور ہم تحقیق کر آئے[۱] کہ یہ کچھ جامد ہی سے خاص نہیں، بہت مائعات بھی مانعاتِ رقّتِ آب ہوتے ہیں، دوسرے یہ کہ شربتِ شہد یا شربتِ شکر یا نبیذ و رنگ کی طرح مقصدِ دیگر کے لیے شَے دیگر ہو جائے۔

(۱۰) اگر خلط آگ پر ہوا تو دو ۲ صُورتیں ہیں: اگر ہنوز وہ چیز پکنے نہ پائی کہ مقصدِ دیگر کے لیے شَے دیگر کر دے پانی سے امتزاجِ کامل نہ ہونے پایا کہ سَرد ہونے پر گاڑھا کر دے اس حالت کے قبل اُتار لی تو پانی مطلقاً آبِ مطلق و قابلِ وضو ہے۔

(۱۱) اگر وہ شَے پک گئی تو تین صورتیں ہیں: پکانے میں صرف پانی مقصود ہے یا صرف وہ شَے یا دونوں، پہلی دو ۲ صورتوں میں آب مطلق رہے گا جب تک اس قابل نہ ہو جائے کہ سَرد ہو کر زوالِ رقّت ہو، صورتِ دُوم کی مثالیں بحثِ اوّل طبخ میں شنجرف و نشاستہ وآشِ جَو سے گزریں[۲] اور صورتِ اوّل کا بیان فصلِ خامس میں آتا ہے[۳] ان شاء اللہ تعالی۔

(۱۲) صورتِ سوم میں اگر پانی اس قدر کثرت سے ڈال دیا کہ نہ مقصودِ دیگر کے لیے ہو سکے گا، نہ اُس سے دَلدار ہو گا تو مطلقاً مطلق و لائقِ طہارت ہے۔

(۱۳) اگر اتنا کثیر نہ تھا مگر دَلدار نہ ہو سکے گا تو جب مقصودِ دیگر کے لیے ہو جائے گا قابلِ وضو نہ رہے گا۔

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الطھارۃ، باب المیاہ، رسالہ "الدقّۃ والتبیان لعلم الرقّۃ والسَّیلان" ۲/ ۴۹۰- ۴۹۵، ملخصاً۔

(۲) ایضاً، ص۵۲۳۔

(۳) ایضاً، ص۵۸۴۔

(۱۴) اگر پانی دَلدار ہو سکتا ہے تو اگر بالفعل گاڑھا ہو گیا کہ بہانے میں پُورا نہ پھیلے گا مطلقًا لائقِ وضو نہ رہا اگرچہ اُس میں صابون ہی پکایا ہو جس سے زیادتِ نظافت مقصود ہوتی ہے۔

(۱۵) اگر بالفعل گاڑھا نہ ہوا مگر ٹھنڈا ہو کر ہو جائے گا تو دو ۲ صورتیں ہیں:
اگر وہ شَے مثلِ صابون وغیرہ زیادتِ نَظافت کے لیے ہے فی الحال اُس سے وضو جائز، ٹھنڈا ہونے کے بعد صحیح نہیں۔

(۱۶) اگر زیادتِ نَظافت کے لیے نہیں تو اُس سے فی الحال بھی وضو جائز نہیں۔
یہ ہے وہ تحقیقِ انیق کہ جمیع نصوصِ صحاح کو متناوِل اور جملہ ارشاداتِ متون کو حاوِی وشامل، اور تمام تحقیقاتِ سابقہ پر مشتمل، اور سب فروعِ ممکنہ کے حکمِ صحیح کو-بعونہٖ تعالیٰ- کافی وکافل۔ والحمدُ لله ربِّ العالمين، وأفضلُ الصّلاة وأكملُ السّلام على خاتم النبيّين، سيِّد المرسَلين، وعليهم جميعاً وعلى آله وصحبه وابنِه[1] وحزبِه أجمعين، آمين! والحمد لله ربّ العالمين!"[2].

خلاصۂ کلام: امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے آبِ مطلق اور آبِ مقیّد میں باہم فرق کے لیے سولہ ۱۶ اُصول وقوانین پر مشتمل ایک "ضابطۂ رضویہ" وَضع فرمایا، جو فقہائے کرام کے دیگر تمام جزئیات کو جامع، اور نقد ونظر سے سالم ومحفوظ ہے، اس ضابطے کے تحت مذکور بعض مسائل اور اَحکام ایسے ہیں جن کی کتبِ اکابر میں صراحت نہیں،

---

(۱) يعني سيِّدنا الشيخ عبد القادر الجيلاني رضي الله تعالى عنه، كما هو دأب المصنِّف. [الميمني]

(۲) "فتاوی رضویہ" کتاب الطهارة، باب المياه، رسالہ "الدقّة والتبيان لعلم الرقّة والسَّيلان" ۲/۵۸۱- ۵۸۴۔

امام اہلِ سنّت نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ ضابطہ وضع فرمایا۔

زکام سے وضو نہیں ٹوٹتا

فقہائے کرام کا ضابطہ ہے کہ بیماری میں جو چیز جسم سے خارج ہو اُس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس قاعدہ پر علّامہ سیّد احمد طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ فقہی مسئلہ بیان کیا کہ زکام سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؛ کیونکہ زکام میں بیماری کے سبب ناک سے پانی خارج ہوتا ہے[1]۔ امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے اجتہاد سے اس فقہی مسئلہ کا اِستخراج واِستنباط کرتے ہوئے، اسے بلغم کی قے پر قیاس کیا اور فرمایا کہ "زکام کتنا ہی جاری ہو اُس سے وضو نہیں جاتا؛ کہ محض بلغمی رُطوبات طاہرہ ہیں، جن میں آمیزشِ خون یا رِیم کا اصلاً احتمال نہیں۔ **اقول:** ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بلغم کی قے کسی قدر کثیر ہو، ناقضِ وضو نہیں۔ "درِّ مختار" میں ہے: "(لا) ينقضه قَيءٌ من (بلغمٍ) على المعتمَد (أصلاً)"[2]"[3].

امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں اوّلاً قاعدۂ مذکورہ کی وضاحت فرمائی، اور بعد ازاں زکام سے وضو نہ ٹوٹنے پر دو ۲ مستقل دلیلیں قائم فرمائیں، وہ حسبِ ذیل ہیں:

---

(۱) انظر: "حاشية الطحطاوي على الدر المختار" كتاب الطهارة، باب الحيض، ۱/ ۱۵۵.

(۲) "الدرّ" كتاب الطهارة، ۱/ ٤٦٠.

(۳) "فتاوی رضویہ" "کتاب الطہارۃ، باب الوضو، رسالہ "لمع الأحكام أن لا وضوءَ من الزُّكام" ۱/ ۴۱۷۔

(۱) "بلغم جو دماغ سے اُترے بالاِجماع ناقضِ وضو نہیں، اور ظاہر ہے کہ زُکام کی رُطوبتیں دماغ ہی سے نازل ہیں، تواُن سے نقضِ وضو کسی کا قول نہیں ہو سکتا"[۱]۔

(۲) فقہائے کرام کا قاعدہ ہے کہ "نَجاست کا خُروج مُوجبِ حدث ہے، اور جو نجس بالخروج نہ ہو وہ حدَث نہیں "[۲] زکام کی رُطوبات چونکہ نَجَس بالخروج نہیں لہذا وہ مُوجبِ حدث نہیں "[۳]۔

خلاصۂ کلام: فقہائے کرام کا ضابطہ ہے کہ بیماری میں جو چیز جسم سے خارج ہو اُس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس ضابطے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے علّامہ سیّد احمد طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زُکام سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو بلغم کی قے پر قیاس کیا، اور فرمایا کہ زُکام سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ مسئلہ بیان کیا۔

نوٹ: علم الاَعضاء (Anatomy) کی جدید معلومات کے مطابق یہ رُطوبتیں دماغ سے نہیں، بلکہ سر میں آنکھوں کے پیچھے مَوجود سینوس (Sinus) سے خارج ہوتی ہیں[۴]۔ امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے آج سے ایک سو بیس ۱۲۰ سال قبل جس وقت یہ فتویٰ

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الطہارۃ، باب الوضو، رسالہ "لمع الأحکام أن لا وضوءَ من الزُّکام" ۱/۴۱۸، ملخصاً۔

(۲) انظر: "جدّ الممتار" کتاب الطهارة، مطلب في حکم كيّ الحمصة، ۱/ ۳۰۹.

(۳) "فتاوی رضویہ" کتاب الطہارۃ، باب الوضو، رسالہ "لمع الأحکام أن لا وضوءَ من الزُّکام" ۱/۴۱۹، ملخصًا۔ "فاضل بریلوی کا فقہی مقام" سیّد طحطاوی اور اعلیٰ حضرت، ص۲۴، ۲۵، ملخصًا۔

(4)https://www.cancer.gov/publications/dictionaries/cancer-terms/def/frontal-sinus

تحریر فرمایا، اُس وقت سائنس (Science) نے اتنی ترقی نہیں کی تھی، لہذا اس دَور کے حساب سے بلغم کے خُروج کا اتنا قریبی مخرج بیان کرنا بہت بڑی بات ہے۔

حدیث نبوی کے باب میں

ثبوتِ وضع (Evidence of Forgery) کے طریقے

کوئی حدیث یا روایت موضوع یا مَن گھڑت ہے یا نہیں! اس کی جانچ پڑتال اور تحقیق کیسے کی جائے گی؟ امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی علیہ نے "فتاوی رضویہ" میں اس کے پندرہ ۱۵ مختلف طریقے ذکر فرمائے ہیں، جن میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ "ایک جماعت جس کا عدد حدِ تواتُر کو پہنچے، اور ان میں احتمال کذب یا ایک دوسرے کی تقلید کا نہ رہے، اُس [روایت] کے کذب وبطلان پر گواہی مستنداً إلی الحِسّ دے"۔

یہ طریقہ ذکر کرنے کے بعد امام اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالی علیہ نے فرمایا کہ "مستنداً إلی الحِسّ" کی قید کا اِضافہ میں نے کیا؛ کیونکہ تواتُر کا اعتبار حِسّیات کے علاوہ میں نہیں ہوتا"۔ اوراس بحث کے آخر میں تحدیثِ نعمت کے طَور پر مزید یہ بھی فرمایا کہ "یہ پندرہ ۱۵ باتیں ہیں کہ شاید اس جمع وتلخیص کے ساتھ ان سُطور کے سوانہ ملیں!""[1]۔

خلاصۂ کلام: کسی حدیث یا روایت کی صحت کی جانچ پڑتال کے لیے، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی نے بعض ایسے طریقے بیان فرمائے ہیں، جن کی کتبِ اکابر میں صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی نے محدّثینِ کرام کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر،

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الصلاۃ، باب الاذان والاِقامۃ، رسالہ "منير العَين في حكم تقبيل الإبهامَين" ۴/۳۶۶، ملخصًا۔

اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُہاً ثبوتِ وضع کے یہ طریقے بیان فرمائے۔

تار(Telegram) کے ذریعے تحقیقِ ہلال کا بُطلان

رؤیتِ ہلال سے متعلق تار کی خبر شرعًا معتبر ہے یا نہیں؟ چونکہ اس مسئلہ کا تعلق جدید فقہی مسائل سے ہے، لہٰذا اس بارے میں امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے قبل صراحۃً کوئی قول مذکور نہیں، امامِ اہل سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دَور میں بعض فقہاء نے تار کی خبر کو شرعًا معتبر جانا، اور اس کے ذریعے تحقیقِ ہلال کو درست قرار دیا، اس سلسلے میں جب سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے رُجوع کیا گیا، تو فقیہِ مجتہد امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے اجتہاد اور اقوالِ فقہاء سے استدلال کرتے ہوئے، پانچ ۵ تنبیہات کی صورت میں اس کا رَدّ فرمایا، اور اس طریقۂ کار کو باطل قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"اُمورِ شرعیہ میں تار کی خبر محض نامعتبر، اور یہ طریقہ کہ تحقیقِ ہلال کے لیے تراشا گیا، باطل و بے اثر۔ مسلمانوں کو ایسے اعلان پر عمل حرام، اور جو اس کی بنا پر مرتکبِ اعلان ہو سب سے زیادہ مبتلائے آثام! اس طریقے میں جو غلطیاں اور اَحکامِ شرع سے سخت بے گانگیاں ہیں، اُن کی تفصیل کو دفتر درکار! لہٰذا یہاں بقدرِ ضرورت و فہمِ مُخاطَب، چند آسان تنبیہوں پر اقتصار:

تنبیہ اوّل: شریعتِ مطہَّرہ نے دربارۂ ہلال دوسرے شہر کی خبر کو شہادتِ کافیہ یا تواتُرِ شرعی پر بنا فرمایا، اور ان میں بھی کافی و شرعی ہونے کے لیے بہت قُیود و شرائط لگائیں، جس کے بغیر ہرگز گواہی و شُہرت بکار آمد نہیں۔ اور پُر ظاہر کہ تار نہ کوئی شہادتِ شرعیہ ہے نہ خبرِ متواتر، پھر اس پر اعتماد کیونکر حلال ہو سکتا ہے؟!

"فتح القدیر" و "درِّ مختار" و "حاشیہ طحطاوی علی مَراقی الفلاح شرح نور الاِیضاح" میں ہے، واللفظُ لـ"الدرّ": "يلزم أهل المشرق برُؤية أهل المغرب، إذا ثبت عندهم رُؤيةُ أولئك بطريقٍ مُوجِب"(١). علّامہ حلَبی وعلّامہ طحطاوی وعلّامہ شامی حواشئ "دُر" میں فرماتے ہیں: "(بطريق مُوجِب) كأن يتحمّلَ اثنانِ الشهادةَ أو يَشهدَا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبرَا أنّ أهلَ بلدةِ كذا رأَوه؛ لأنّه حكايةٌ"(٢).

جو یہاں تار کی خبر پر عمل چاہے اس پر لازم، کہ شرعًا اس کا مُوجب وملزِم ہونا ثابت کرے، مگر حاشا! نہ ثابت ہو گا جب تک ہلال مشرق اور بدر مغرب سے نہ چمکے! پھر شرعِ مطہَّر پر بے اصل زیادت اور منصب رفیع فتویٰ پر جُرأت کس لیے؟ (والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالی) اور یہ خیال کہ "تار میں خبر تو شہادتِ کافیہ کی آئی" محض نادانی؛ کہ ہم تک تو نامعتبر طریقے سے پہنچی! نبی ﷺ سے زیادہ معتبر کس کی خبر؟ پھر جو حدیث نامعتبر راویوں کے ذریعہ سے آتی ہے، کیوں پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جاتی ہے؟!

تنبیہ دُوم ۲: تار کی حالت خط سے زیادہ رَدِی وسقیم؛ کہ اس میں کاتِب کا خط تو پہچانا جاتا ہے، طرزِ عبارت شناخت میں آتا ہے، واقف کار دیگر قرائن سے اِعانت پاتا ہے، بایں ہمہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی، کہ اُمورِ شرعیہ میں ان خطوط ومُراسَلات کا کچھ اعتبار نہیں؛ کہ خط خط کے مُشابہ ہوتا ہے، اور بن بھی سکتا ہے تو یقینِ شرعی نہیں ہو سکتا؛ کہ یہ اُسی شخص کا لکھا ہوا ہے۔ ائمۂ دِین کی عبارتیں لیجیے:

---

(١) "الدر" كتاب الصوم، ١/ ١٤٩.

(٢) "ردّ المحتار" باب صدقة الفطر، ٢/ ٩٦.

(۱) "أشباہ" میں ہے: "لا يعتمَد على الخطّ، ولا يُعمَل به"[۱].

(۲) "ہدایہ" میں ہے: "الخطّ يُشبِه الخطَّ فلا يُعتبر"[۲].

(۳) "فتح القدیر" میں ہے: "الخطّ لا ينطق، وهو متشابهٌ"[۳].

(۴) "درِّ مختار" میں ہے: "لا يُعمَل بالخطّ"[٤] ...إلخ.

(۵) "فتاوی قاضی خان" میں ہے: "القاضي إنّما يَقضي بالحجّة، والحجّةُ هي البيّنةُ أو الإقرارُ، أمّا الصكُّ فلا يصلح حجّةً؛ لأنّ الخطَّ يُشبِه الخطَّ"[٥].

(۶) "کافی شرحِ وافی" میں ہے: "الخطّ يُشبِه الخطَّ، وقد يزوَّر ويفتعل"[٦].

(۷) "مختصر ظہیریّہ" (۸) پھر "شرح الأشباہ" للعلّامۃ البِیری (۹) پھر "ردّ المحتار" میں ہے: "لا يَقضي القاضي بذلك عند المنازَعة؛ لأنّ الخطَّ ممّا يزوَّر ويفتعل"[٧].

---

(١) "الأشباه والنظائر" كتاب القضاء والشهادات والدَّعاوى، ١/ ٣٣٧.

(٢) "الهداية" كتاب الشهادت، فصل ما يتحمله الشاهد، ٣/ ١٥٧.

(٣) "الفتح" كتاب الزَّكاة، باب فيمن يمرّ على العاشر، ٢/ ٢٢٦.

(٤) "الدرّ" كتاب القاضي إلى القاضي، ٢/ ٨٣.

(٥) "الخانية" فصل في دعوى الوقف ...إلخ، ٤/ ٧٤٢.

(٦) "الكافي شرح الوافي".

(٧) "ردّ المحتار" باب كتاب القاضي إلى القاضي، ٤/ ٣٥٢.

(۱۰) "عینی شرحِ کنز" میں ہے: "الخطُّ يُشبِه الخطَّ، فلا يلزم حجّةً؛ لأنّه يحتمل التزويرَ"[1].

(۱۱) "مجمع الانہُر شرح ملتقی الابحر" میں ہے: "الشّهادةُ والقضاءُ والرّوايةُ لا يحلّ إلّا عن علم، ولا علمَ هنا؛ لأنّ الخطَّ يُشبِه الخطّ"[2].

(۱۲) "فتاوی عالمگیری" میں (۱۳) "ملتقط" سے ہے: "الكتابُ يفتعل ويزوَّر، والخطُّ يُشبه الخطّ، والخاتمُ يُشبِه الخاتمَ"[3].

(۱۴) "غمز العیون" میں (۱۵) "فتاوی امامِ اجلّ ظہیر الدّین مرغینانی" سے ہے: "العلّةُ في عدم العمل بالخطّ كونُه ممّا يزوَّر ويفتعل، أي: مِن شأنِه ذلك، وكونُه من شأنِه ذلك يقتضي عدمَ العمل به، وعدمَ الاعتماد عليه، وإن لم يكن مزوَّراً في نفس الأمر، كما هو ظاهر"[4].

دیکھیے کس قدر روشن وواضح تصریحیں ہیں! کہ خط پر اعتماد نہیں، نہ اس پر عمل، نہ اس کے ذریعہ سے یقین حاصل ہو، نہ اس کی بنا پر حکم وگواہی حلال؛ کہ خط خط کے مشابہ ہوتا ہے، اور مُہر مُہر کے مانند بن سکتی ہے، اور صاف ارشاد فرماتے ہیں، کہ خط کا صرف اپنی ذات میں قابلِ تزویر ہونا ہی، اس کی بے اعتباری کو کافی ہے، اگرچہ یہ خاص خط واقع میں ٹھیک ہو، پھر یہ تار جس میں خبر بھیجنے والے کے دست وزبان کی

---

(۱) "العيني شرح الكنز" كتاب الشهادة، ۲/ ۸۰.

(۲) "مجمع الأنهُر" كتاب الشهادت، ۲/ ۱۹۲.

(۳) "الهندية" الباب ۲۳ في كتاب القاضي إلى القاضي، ۲/ ۳۸۱.

(٤) "غمز العيون" كتاب القضاء والشهادات ...إلخ، ۱/ ۳۳۹.

کوئی علامت تک نام کو بھی نہیں، اور اس میں خط کی بہ نسبت کذب وتزویر نہایت آسان، کیونکر اُمورِ دینیہ کی بنا اُس پر حرامِ قطعی نہ ہوگی؟ سبحان اللہ! ائمۂ دین کی وہ احتیاط کہ مُہر خط کو صرف گنجائش تزویر کے سبب لَغو ٹھہرایا! حالانکہ مُہر بنا لینا اور خط میں خط ملا دینا سہل نہیں، شاید ہزار میں دو۲ ایک ایسا کر سکتے ہوں! اور یہاں تو اصلاً دُشواری نہیں، جو چاہے تار گھر میں جائے، اور جس کے نام سے چاہے تار دے آئے! وہاں نام ونسَب کی کوئی تحقیقات نہیں ہوتی، نہ رجسٹری کی طرح شناخت کے گواہ لیے جاتے ہیں، علاوہ بریں تار والوں کے وُجوبِ صدق پر کونسی وحی نازل ہے؟ کہ اُن کی بات خواہی نخواہی واجب القبول ہوگئی؟! اور اس پر اَحکامِ شرعیہ کی بنا ہونے لگی؟! ہزار افسوس ذِلّتِ علم وقلّتِ علماء پر! إنّا للہ وإنّا إلیہ راجعون!.

تنبیہِ سوم۳: قطعِ نظر اس سے کہ خبر شہادت منگانے کے لیے جنہیں مُراسَلات بھیجے جائیں گے، غالباً ان کا بیان حکایت واِخبارِ محض سے کتنا جُدا ہوگا، جس کی بے اعتباری تمام کتبِ مذہب میں مصرّح! بالفرض اگر اصل خبر میں کوئی خللِ شرعی نہ ہو، تاہم اس کا جامۂ اعتبار تار میں آکر یکسر تار تار؛ کہ وہ بیان ہم تک اَصالۃً نہ پہنچا، بلکہ نقل دَر نقل ہوکر آیا، صاحبِ خبر تو وہاں کے تار والے سے کہہ کر الگ ہوگیا، اُس نے تار کو جنبش دی، اور اس کے کھٹکوں سے جن کے اَطوارِ مختلفہ کو اپنی اصطلاحوں میں علامتِ حروف قرار دے رکھا ہے، اشاروں میں عبارت بتائی، اب وہ بھی جُدا ہوگیا، یہاں کے تار والے نے اُن کھٹکوں پر نظر کی، اور ضرباتِ معلومہ سے جو فہم میں آیا، نُقوشِ معروفہ میں لایا، اب یہ بھی الگ رہا، وہ کاغذ کا پرچہ کسی ہرکارے کے سپرد ہوا کہ یہاں پہنچاکر چلتا بنا!۔

سبحان اللہ! اس نفیس روایت کا سلسلۂ سند تو دیکھیے! مجہول عن مجہول عن مجہول، نامقبول اَز نامقبول اَز نامقبول! اس قدر وسائط تو لابُدّی ہیں، پھر شاید کبھی نہ ہوتا ہو کہ معزّز لوگ بذاتِ خود جا کر تار دیں، اب جس کے ہاتھ کہلا بھیجا، مانیے وہ جدا واسطہ، اس پر فارم کی حاجت ہوئی تو تحریر کا قدم درمیان! آپ نہ آئے تو کسی انگریزی داں کی وساطت! اُدھر تار کا بابُو اردو نہ لکھے تو یہاں مترجم کی جُدا ضرورت! بایں ہمہ فصل زائد ہوا، اور تار وصل نہیں جب تو نقل دَر نقل کی گنتی ہی کیا ہے!۔

وائے بے انصافی! اس طریقۂ تراشیدہ پر عمل کرنے والوں سے پوچھا جائے کہ "ان سب وسائط کی عدالت و ثقاہت سے کہاں تک آگاہ ہیں؟" حاش للہ! نام بھی نہیں معلوم ہوتا! نام درکنار اصل شمارِ وسائط بتانا دشوار! سب جانے دیجیے! اسلام پر بھی علم نہیں، اکثر ہنود وغیرہم کفّار ان خدمات پر معیّن! غرض کوئی موضوع سی موضوع حدیث اس نفیس سلسلے سے نہ آتی ہوگی! پھر ایسی خبر پر اُمورِ شرعیہ کی بنا کرنا استغفر اللہ! علماء تو علماء میں نہیں جانتا کہ کسی عاقل کا کام ہو!!۔

تنبیہِ چہارُم ۴: علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دوسرے شہر سے بذریعہ خط خبرِ شہادت دینا صرف قاضئ شرع سے خاص [ہے]، جسے سلطان نے مقدّمات پر والی فرمایا ہو، یہاں تک کہ حکم کا خط مقبول نہیں۔ "درِّ مختار" میں ہے: "القاضي يكتب إلى القاضي، وهو نقل الشهادةِ حقيقةً، ولا يقبل من محكم، بل مِن قاضٍ مولًّى من قِبل الإمام"[1] ...إلخ، ملتقطاً. "فتح" میں ہے:

(۱) "الدر" باب كتاب القاضي إلى القاضي، ۲/ ۸۳، ۸٤.

"هذا النقلُ بمنزلة القضاء، ولهذا لا يصحّ إلّا من القاضي"[1].

غیر قُضاۃ تو یہیں سے الگ ہوئے، رہے قاضِی ان کی نسبت صریح ارشاد کہ اس بارے میں نامۂ قاضِی کا قبول بھی اس وجہ سے ہے، کہ صحابہ و تابعین -رضوان اللہ علیہم اجمعین- نے برخلافِ قیاس اس کی اجازت پر اِجماع فرما لیا، ورنہ قاعدہ یہی چاہتا تھا کہ اس کا خط بھی انہی وُجوہ سے جو اُوپر گزریں مقبول نہ ہو، اور پُر ظاہر کہ جو حکم خلافِ قیاس مانا جاتا ہے، مورد سے آگے تجاوُز نہیں کر سکتا! اور دوسری جگہ اس کا اِجراء محض باطل وفاحش خطا! پھر حکم قبولِ خط سے گزر کر تار تک پہنچنا کیونکر رَوا؟!

تنبیہِ پنجم ۵: قاضیٔ شرع کا نامہ بھی صرف اُسی وقت مقبول، جب دو ۲ مرد ثقہ، یا ایک مرد دو ۲ عورتیں عادِل، دار القضاء سے یہاں آکر شہادتِ شرعیہ دیں کہ "یہ خط بالیقین اُسی قاضِی کا ہے، اور اس نے ہمارے سامنے لکھا ہے" ورنہ ہرگز قبول نہیں، اگرچہ ہم اس قاضِی کا خط پہچانتے ہوں، اور اس کی مُہر بھی لگی ہو، اور اُس نے خاص اپنے آدمی کے ہاتھ بھیجا بھی ہو!۔

سبحان اللہ! یہ خطوط یا تار جو یہاں آتے ہیں، اُن کے ساتھ کونسے دو ۲ گواہ عادِل آکر گواہی دیتے ہیں؟ کہ "فُلاں نے ہمارے سامنے لکھا یا تار دیا" مگر ہے یہ کہ ناواقفی کے ساتھ اُمورِ شرع میں بے جا مداخلت سب کچھ کراتی ہے! نسأل الله توفيقَ الصّواب، وبه نستعين في كلّ باب!.

اے عزیز! اس زمانۂ فِتن میں لوگوں کو اَحکامِ شرع پر سخت جرأت ہے، خصوصًا ان مسائل میں جنہیں حوادِثِ جدیدہ سے تعلق ونسبت ہے، جیسے تار برقی

---

(۱) "الفتح" باب كتاب القاضي إلى القاضي، ٦/ ٣٨٩.

وغیرہ، سمجھتے ہیں کہ "کتبِ ائمۂ دین میں ان کا حکم نہ نکلے گا، جو مخالفت شرع کا ہم پر اِلزام چلے گا!" مگر نہ جانا کہ علمائے دین -شکر اللہ تعالی مَساعِيهم الجميلة- نے کوئی حرف ان عزیزوں کے اجتہاد کو اٹھا نہیں رکھا ہے! تصریحًا تلویحًا تفریعاً تاصیلاًسب کچھ فرما دیا ہے! زیادہ علم اسے ہے جسے زیادہ فہم ہے، اور -ان شاء اللہ العزیز- زمانہ ان بندگانِ خدا سے خالی نہ ہوگا! جو مشکل کی تسہیل، معضَل کی تحصیل، صَعب کی تذلیل، مجمَل کی تفصیل سے ماہر ہوں! بحر سے صَدَف، صَدَف سے گوہر، بِذر سے درخت، درخت سے ثمر نکالنے پر -باذن اللہ تعالیٰ- قادر ہوں! لا خلا الكون عن أفضالهم، وكثّر الله في بلادنا أمثالَهم، آمين آمين برحمتك يا أرحمَ الراحمين! وصلّى الله تعالى على خاتم النبيّين، سيِّدنا محمدٍ وآله وصحبه أجمعين، والله ﷻ أعلم، وعلمُه -جلّ مجدُه- أتمّ، وحكمُه -عزّ شأنه- أحكَم"[1].

خلاصۂ کلام: رُوَیتِ ہلال سے متعلق تار (Telegram) کی خبر شرعًا معتبر ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ نَو پید مسائل میں سے ہے، سیّدی اعلی حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے دَور میں بعض فقہاء نے تار کی خبر کو شرعًا معتبر جانا، اور اس کے ذریعے تحقیقِ ہلال کو درست قرار دیا، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے پانچ ۵ تنبیہات کی صورت میں اُن کا علمی رَدّ فرمایا، اور اس طریقۂ کار کو باطل ونامعتبر قرار دیا۔ کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب الصوم، باب رؤية الهلال، رسالہ "أزكى الإهلال بإبطال ما أحدث الناسُ في أمر الهلال" ۸/۲۵۱- ۲۵۶، ملتقطاً۔

صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُھاً یہ مسئلہ بیان کیا۔

سَوتیلی ساس سے جوازِ نکاح کا اِستخراجِ حکم

سَوتیلی ساس سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے استفسار کیا گیا، تو سیّدی اعلی حضرت نے اُصولِ شرع کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنے اجتہاد سے جوازِ نکاح کے حکم کا اِستخراج کیا، اور فرمایا کہ "نکاحِ مذکور بے شک جائز ہے، قال الله عزّوجلّ: ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾[1]. علماء قاطبۃً مُتون وشُروح وفتاوی میں محرماتِ صِہریّہ زَوجاتِ اُصول وفُروع واُصول وفُروعِ زَوجات بتاتے ہیں، نہ زَوجۂ اُصولِ زَوجہ، وعدمُ الذِكر في أمثال المقام ذكرُ العدم، كما لا يخفى. اور سَوتیلی ماں لفظ اُمہات میں ہرگز داخل نہیں، ورنہ آیۂ تحریم میں ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ﴾[2] سے پہلے ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ﴾[3] کیوں فرمایا جاتا؟! علماء تصریح فرماتے ہیں کہ سَوتیلی ماں کی ماں اور اس کی بیٹی اور اس کی بہن سب حلال ہیں، اگر سَوتیلی ماں بھی ماں ہوتی تو یہ عورتیں اس کی نانی، بہن، خالہ قرار پاتیں! علّامہ خیرالدین رملی فرماتے ہیں: "لا تحرم بنتُ زوج الأمّ، ولا أمُه، ولا أمُّ زوجةِ الأب، ولا بنتُها"[4].

---

(١) پ٥، النساء: ٢٤.

(٢) پ٤، النساء: ٢٣.

(٣) پ٤، النساء: ٢٢.

(٤) "الخيريّة" فصل في المحرّمات، ١/ ٢٣.

اصل یہ ہے کہ ساس کی حرمت اس وجہ سے نہیں کہ وہ خسر کی زوجہ ہے؛ بلکہ اس لیے کہ وہ زوجہ کی ماں ہے، سَوتیلی ساس میں یہ وجہ نہیں، لہذا اس کی حِلّت میں کوئی شبہ نہیں، مسئلہ واضح ہے اور حکم ظاہر، واللہ تعالی اعلم"[1]۔

خلاصۂ کلام: سَوتیلی ساس سے نکاح جائز ہے، کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن وحدیث کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّھاً یہ مسئلہ بیان کیا۔

سمندری حُدود سے متعلق اِستخراجِ حکم

سمندر کی جو حُدود دارالاسلام یا دار الحرب کے زیرِ تصرُّف ونگرانی نہ ہو، اُس کے بارے میں فقہائے کرام نے تحریر فرمایا کہ اُسے دار الحرب سے ملحق اور زیرِ تصرُّف قرار دیا جائے گا[2]، لیکن جب فقیہِ اسلام امام احمد رضا علیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا، تو امامِ اہلِ سنّت نے اپنے اجتہاد سے اس مسئلہ کی نَوپید صورت کے حکم کا اِستخراج واِستنباط کرتے ہوئے فرمایا کہ "اس وقت بادشاہوں نے سمندروں کو باہم تقسیم کر لیا ہے، اور ایک دوسرے کے سمندر میں بغیر اس کی اجازت کے (بحری جہاز اور) کَشتیاں نہیں چل سکتیں، لہذا اب تصرُّف ونگرانی ثابت ہے؛ کیونکہ زمین پر بھی تصرُّف اسی معنی میں ہوتا ہے"[3]۔

---

(١) "جدّ الممتار" كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ٤/ ٣٠٠، ملخصاً.

"فتاوی رضویہ" کتاب النکاح، باب المحرمات، ۹/ ۱۷۸، ۱۷۹۔

(٢) انظر: "الدر المختار" كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ٣/ ١٩١.

(٣) انظر: "جدّ الممتار" كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ٥/ ١٦، ملخصاً.

خلاصۂ کلام: مَوجودہ دَور میں سمندری حُدود میں تصرُّف ونگرانی ثابت ہے، لہذا اَب کسی بھی سمندری حُدود کو بلا اجازت اپنے زیرِ تصرُّف نہیں لایا جاسکتا، کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّهاً یہ مسئلہ بیان کیا۔

قضاءً طلاقِ کنایہ کے وُقوع میں "دلالتِ قال" کی قید کا اِضافہ

قضاءً طلاقِ کنایہ کے وُقوع کے لیے فقہائے متقدّمین نے نیّت یا دلالتِ حال کی قُیود بیان فرمائی ہیں، فقیہِ مجتہد امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اپنے اجتہاد سے اس میں "دلالتِ قال" کی قید کا اِضافہ کیا، اور فرمایا کہ "دلالتِ قال کے وقت کنایات میں طلاق واقع ہوگی؛ کیونکہ دلالتِ قال دلالتِ حال سے زیادہ قوی ہے، اور دلالتِ قال سے مُراد یہ ہے کہ کوئی ایسا لفظی قرینہ پایا جائے، جس سے یہ معلوم ہو کہ متعلقہ لفظِ کِنایہ سے طلاق ہی مراد ہے"[1]۔

خلاصۂ کلام: دلالتِ قال کے وقت کنایات میں طلاق واقع ہوگی، کتبِ اکابر میں اس قید کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّهاً یہ مسئلہ بیان کیا۔

اعتکافِ مسنون میں استثناء سے متعلق ایک مسئلہ کا اِستخراج واِستنباط

علّامہ علاؤ الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اعتکاف سے متعلق ایک مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: "لو شرطَ وقتَ النذر أن يخرجَ لعيادةِ مريضٍ، وصلاةِ جنازةٍ، وحضورِ مجلسِ علمٍ جاز ذلك"[2] "اگر اعتکاف کی نذر

---

(۱) المرجع نفسه، كتاب الطلاق، باب الكنايات، ٥/ ١٢٣، ملخصاً.

(۲) "الدر المختار" كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ٢/ ٤٤٨.

مانتے وقت کسی بیمار کی عیادت، نمازِ جنازہ میں شرکت، اور کسی مجلسِ علم میں حاضری کے لیے (مسجد سے) باہر نکلنے کی شرط لگا دی، تو یہ جائز ہے"۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "جد الممتار" میں اس مسئلہ کے تحت اپنی مجتہدانہ رائے بیان کرتے ہوئے ایک اَور مسئلہ کا اِستخراج واِستنباط کیا، اور فرمایا کہ "غور کیجیے! کیا اس حکم میں اعتکافِ مسنون بھی واجب ہی کے حکم میں ہے؟ میرا مَوقِف یہ ہے کہ دونوں کا حکم الگ الگ ہے؛ کیونکہ واجب تو خود اس کے اپنے واجب کرنے سے ہی واجب ہوتا ہے، لہذا وہ جتنا واجب کرے گا اُسی قدر واجب ہوگا۔ رہی بات اعتکافِ مسنون کی، تو وہ سنّت کی پیروی اور صاحبِ سنّت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت شدہ، اور معروف طریقے پر بجا لانے سے ہی ادا ہوگا۔ اور حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد سے باہر صرف ان ضروریات[1] کے لیے جاتے تھے جن کا ذکر گزر چکا[2]، لہذا ظاہر یہی ہے کہ اگر اعتکافِ مسنون میں اس طرح کا استثناء کیا جائے، تو اعتکافِ مسنون محض نفلی اعتکاف ہو جائے گا"[3]۔

---

(۱) معتکِف کو جن صورتوں میں مسجد سے بقدرِ ضرورت باہر نکلنے کی اجازت ہے، اُن میں رفعِ حاجت (پاخانہ وپیشاب)، وضو، احتلام ہو جانے کی صورت میں غسل، مؤذِّن ہو تو اذان دینے کے لیے مسجد کے منارے یا اذان کے لیے مخصوص مقام پر جانے کی اجازت ہے، اسی طرح جس مسجد میں اعتکاف کیا اگر اُس میں نمازِ جمعہ کا اہتمام نہ ہو، تو نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے جانے کی اجازت ہے، لیکن جلد واپس لَوٹنے کا حکم ہے، اور اگر مسجد میں پنج وقتہ باجماعت نماز کا اہتمام نہ ہو تو ایسی صورت میں معتکف کو مسجد سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں، اور اس کے لیے افضل یہ ہے کہ بغیر جماعت ہی اُسی مسجد میں نماز ادا کرے!۔

(٢) أي: "الدر المختار" كتاب الصَوم، باب الاعتكاف، ٢/ ٤٤٥.

(٣) "جدّ الممتار" كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ٤/ ١٥٣، ملخّصاً.

خلاصۂ کلام: اگر اعتکافِ مسنون میں کسی طرح کا اِستثناء کیا، تو اعتکافِ مسنون محض نفلی اعتکاف ہو جائے گا، کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُھاً یہ مسئلہ بیان کیا۔

مُحرِم کے لیے خوشبودار خمیرہ تمباکو کے استعمال کا جواز اور اِستخراجِ حکم

مُحرِم کے لیے سُنبل اور مُشک کی خوشبو پر مشتمل خمیرہ تمباکو کے استعمال کا جواز یا عدم جواز، ایک نَو پید فقہی مسئلہ تھا، یہ مسئلہ فقیہِ مجتہد امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا، تو حضرت امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنے اجتہاد سے خوشبودار خمیرہ تمباکو کا حُقّہ پینا جائز قرار دیا، اور حکمِ جواز کی علّت آگ کے عمل کو قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ "خمیرہ نہ تو کھایا جاتا ہے اور نہ ہی پیا جاتا ہے، نہ اس کی ذات اور نہ ہی اس کا کوئی جز، بلکہ اس میں آگ اثر کرتی ہے اور اسے دُھواں بنا دیتی ہے، جس کے باعث اس کی حقیقت تبدیل ہو جاتی ہے، اور قلبِ ماہیت حکم کو بدل دیتی ہے، لہٰذا حُقّہ پینے والے نے نہ تو خوشبو کھائی اور نہ ہی اُسے پیا، اس نے تو خوشبو دار دُھواں پیا ہے، تو مناسب ہے کہ اس پر کوئی کفّارہ نہ ہو، لیکن اگر خوشبو پائی جائے تو کراہت ہوگی، پھر جب کراہت مطلق کہی جائے تو وہ تحریم کے لیے ہوتی ہے، تو ظاہراً اس سے گنہگار ہونا لازم آتا ہے، بلکہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ خمیرہ آگ کے عمل کی وجہ سے مطبوخ (آگ پر پکی ہوئی چیز) کے ساتھ ملحق ہو گیا، اور شرح سے یہ بات معلوم ہو چکی کہ مطبوخ میں کوئی کفّارہ بھی

نہیں، اور نہ ہی کوئی کراہت[۱]۔ اور خمیرہ میں ملائی جانے والی خوشبو پر آگ نے عمل کرلیا، تو مناسب یہ ہے کہ خوشبو ہونے کا اصلاً حکم نہ ہو!"[۲]۔

خلاصۂ کلام: مُحرِم کے لیے سُنبل اور مُشک کی خوشبو پر مشتمل خمیرہ تمباکو کا حُقہ پینا جائز ہے، کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ مسئلہ بیان کیا۔

کبیرہ گناہوں کی مُعافی سے متعلق مختلف اقوال میں تطبیق

حقوق العباد اور اس جیسے دیگر کبیرہ گناہ بغیر توبہ و مُعافی اور ادائیگی کے مُعاف ہو جاتے ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء وعلمائے اُمّت کے اقوال میں بظاہر تعارُض ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ حجِ مبرور سے کبیرہ گناہ مٹ جاتے ہیں، مگر مَظالم و تبعات جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے وہ بندوں کے مُعاف کرنے، یا ادائیگی وواپسی کے بغیر نہیں مٹتے، جبکہ اور بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ حج مَظالم و تبعات کا بھی کفّارہ بن جاتا ہے۔ مگر امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اہلِ سنّت

---

(۱) امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ کی اسی اجتہادی نظیر کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، علمائے اہلِ سنّت (پاکستان) نے اِحرام کی حالت میں مختلف خوشبودار اشیاء، مثلاً صابن (Soap)، شیمپو (Shampoo)، واشنگ پاؤڈر (Washing Powder)، ٹشو پیپر (Tissue Paper)، اور ٹوتھ پیسٹ (Tooth Paste) وغیرہ کے استعمال کا شرعی حکم بیان کیا۔ اِحرام کی پابندیوں سے متعلق ان جدید مسائل کا شرعی حکم، رسالہ "اِحرام اور خوشبودار صابن" (مؤلف: مفتی محمد وسیم اختر) میں ملاحظہ فرمائیں!۔

(۲) انظر: "جدّ الممتار" كتاب الحجّ، باب الجنايات، ٤/ ١٧٧، ١٧٨.

کا اس بات پر اِجماع ہے، کہ توبہ کے سوا کوئی عمل کبیرہ گناہوں کا کفّارہ نہیں ہو سکتا[۱]۔

فقیہِ اسلام امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اپنی اجتہادی شان سے یہ دونوں اختلاف بڑی وضاحت وصراحت کے ساتھ رفع فرمائے، اور اپنے منصبِ اجتہاد کے مطابق صورتِ تطبیق بیان کرتے ہوئے فرمایا: "**میں کہتا ہوں** کہ اہلِ سنّت کا اِجماع ہے کہ ہر گناہ سے عفو ممکن ہے، اور بہت سے کبائر سے بغیر توبہ عفو واقع ہے، امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے جو اِجماع نقل کیا اُس کا ہرگز یہ معنی نہیں ہو سکتا، کہ بغیر توبہ کے کبائر سے عفو ممکن نہیں، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ قطعی ویقینی طَور پر توبہ کے سوا کوئی عمل کبائر کا کفّارہ نہیں ہو سکتا۔ یہ اِجماع اُن حضرات کے ذرا بھی خلاف نہیں جو قطعی نہیں، بلکہ ظنّی طَور پر اس بات کے قائل ہیں کہ ہجرت اور حج، کبائر کا کفّارہ ہو جاتے ہیں، اور وہ قطعی طَور پر یہ کہہ بھی نہیں سکتے؛ کیونکہ سوائے ظنّیت کے قطعیت کی گنجائش ہی نہیں "[۲]۔

خلاصۂ کلام: حقوق العباد اور کبیرہ گناہ بغیر تَوبہ و مُعافی اور ادائیگی کے مُعاف ہو جاتے ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں اقوالِ فقہاء میں تعارُض ہے، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی نے ان اَقوال میں باہم ایسی بہترین تطبیق فرمائی کہ تعارُض رفع ہو گیا۔ کتبِ اکابر میں اس تطبیق کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، **تفقُّہاً** یہ تطبیق فرمائی۔

---

(١) انظر: "رد المحتار" كتاب الحج، باب الهدي، مطلب في تكفير الحج الكبائر، ٢/ ٦٢٤، ملخصاً.

(٢) انظر: "جدّ الممتار" كتاب الحج، باب الهدي، مطلب في تكفير الحج الكبائر، ٤/ ٢٣٢. "امام احمد رضا کی فقہی بصیرت" (جدّ الممتار کے آئینہ میں) مختلف اقوال میں تطبیق، ص۱۳۲، ۱۳۳۔

زکات کی ادائیگی سے متعلق مختلف اقوال میں قولِ راجح کی تعیین

بقدرِ نصاب مال پر سال گزر گیا اور زکات فرض ہوگئی، اس کے بعد مالکِ نصاب نے ایک حصۂ نصاب خیرات کے طَور پر دے ڈالا، اُس حصے کی زکات ساقط ہوگئی؟ یا صدقہ کیے ہوئے حصہ سمیت باقی ماندہ تمام حصے کی زکات فرض ہے؟ اس بارے میں صاحبَین رحمۃُ اللہ علیہما کے مابین اختلاف ہے، حضرت سیّدنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے نزدیک سب کی زکات فرض ہے، جبکہ حضرت سیّدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے نزدیک جتنا حصہ خیرات کر دیا اُس کی زکات ساقط ہوگئی۔ اب ترجیح کس قول کو ہے اس بارے میں فقہائے امّت مختلف ہیں۔

فقیہِ مجتہد امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی بارگاہ میں جب یہ مسئلہ پیش کیا گیا، تو آپ نے اپنی خداداد فقاہت وبصیرت سے نگاہِ تدقیق ڈالتے ہوئے حضرت سیّدنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے قول کو قولِ راجح قرار دیا، اور اس کی تعیین کرتے ہوئے چار وُجوہِ ترجیح بیان فرمائیں جن کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے: "(١) جن حضرات نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے قول کی ترجیح کا اِفادہ کیا وہ زیادہ جلیل القدر ہیں، زاہدی وقُہستانی کا ان کے مدِّ مقابل کیا اعتبار؟! (٢) اسی پر اعتمادِ مُتون ہے، اور اعتمادِ مُتون کا بابِ ترجیح میں نہایت بلند مقام ہے، (٣) امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے قول کی دلیل زیادہ قوی ہے، (٤) اس کا حکم فقراء کے لیے انفَع ہے۔ لہذا ان چار ٤ اُمور کا اجتماع اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہی قولِ معتمَد اور اَرجَح ہے"[1]۔

---

(١) انظر: "جدّ الممتار" كتاب الزكاة، ٣/ ٤٥٠ - ٤٥٢، ملخّصاً. "امام احمد رضا کی فقہی بصیرت" (جدّ الممتار کے آئینہ میں) مختلف اقوال میں ترجیح، ص ١٣٨، ١٣٩۔

خلاصۂ کلام: بقدرِ نصاب مال پر سال گزرنے اور زکات فرض ہو جانے کے بعد، مال کے ایک حصہ کو خیرات میں دینے سے زکات ساقط ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ سارے مال کی زکات فرض ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول یہ ہے کہ خیرات کیے گئے حصے کی زکات ساقط ہوگئی۔ ان میں سے ترجیح کس قول کو ہے؟ اس بارے میں فقہاء کی آراء مختلف ہے، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام ابو یوسف کے قول کی وُجوہِ ترجیح بیان کرتے ہوئے اسے راجح قرار دیا۔ کتبِ اکابر میں بعض وُجوہِ ترجیح کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّھاً یہ وُجوہِ ترجیح بیان فرمائیں۔

کتابی عورت کے اسلام لانے سے متعلق ایک فقہی مسئلے کا اِستخراج واِستنباط

مشہور فقہی مسئلہ ہے کہ اگر کتابی عورت مسلمان ہو جائے، تو قاضئ اسلام اس کے شوہر پر اسلام پیش کرے، اگر وہ قبول کرلے تو دونوں (میاں بیوی) کے مابین رشتہ زَوجیت برقرار رہے گا، ورنہ قاضئ اسلام دونوں کے مابین تفریق کردے[1]۔

حضرت امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مسئلہ کے ضمن میں ایک اَور فقہی مسئلہ کی نشاندہی کی، اور پھر اس کا حکم اِستخراج واِستنباط کیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "اگر (مسلمان ہونے والی اُس عورت کا) شوہر مفقود (گمشدہ) ہو، تو کیا (اُس پر اسلام پیش کرنے کے لیے) اس کی آمد کا انتظار کیا جائے گا؟ اگر نہیں تو پھر اس پر اسلام پیش کرنے کی کونسی صورت ہو سکتی ہے؟ جبکہ اسلام لانے والی عورت سے دفعِ ضرور نہایت ضروری ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اُس (مفقود شوہر) کے والدین پر اسلام پیش کیا جائے، تو

---

(۱) انظر: "الدر المختار" كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ۳/ ۱۸۹، ملخصاً.

اس کی کوئی وجہ نہیں؛ کیونکہ اگر وہ مسلمان ہو بھی جائیں تب بھی عاقل بالغ شخص، اسلام کے حکم میں ان کے تابع قرار نہیں دیا جاسکتا، لہذا اُس (زوجِ مفقود) کی آمد کا انتظار نہیں کیا جائے گا، بلکہ مسلمہ عورت سے دفعِ ضرر کی خاطر قاضی، زوجِ مفقود کی جانب سے ایک خصم (فریق) مقرّر کرکے اس کے خلاف فُرقت کا فیصلہ صادر کردے گا[۱]۔

خلاصۂ کلام: اسلام قبول کرنے والی عورت کا شَوہر مفقود (گمشدہ) ہو، تو اُس (شَوہر) پر اسلام پیش کرنے کے لیے اُس کی آمد کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ مسئلہ بیان کیا۔

نکاحِ فاسد اور نکاحِ باطل میں باہم فرق کے ضوابط

عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ بیعِ فاسِد وباطِل میں تو فرق ہے، مگر نکاحِ فاسِد وباطل میں کوئی فرق نہیں، اور صحیح یہ ہے کہ ان دونوں (یعنی نکاح فاسِد وباطل) کے اَحکام میں متعدّد فرق ہیں۔ علّامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی عِدّت کے سِوا دونوں میں کوئی اَور فرق بیان نہیں کیا[۲]۔ جبکہ امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی اجتہادی بصیرت سے نکاحِ فاسِد اور نکاحِ باطِل میں متعدّد فرق بیان فرمائے، جو حسبِ ذیل ہیں:

(۱) نکاحِ فاسد میں ثبوتِ نسَب ہوتا ہے، نکاحِ باطل میں نہیں ہوتا۔

(۲) نکاحِ فاسد میں مہرِ مثل واجب ہوتا ہے، مگر بوقتِ عقد جتنا ذکر کیا تھا اُس سے زیادہ نہیں دیا جائے گا، جبکہ نکاح باطل میں فقط مہرِ مثل واجب ہوتا ہے چاہے

---

(۱) "جدّ الممتار" كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، ۵/ ۱۳، ملخصاً. "امام احمد رضا کی فقہی بصیرت" (جدالممتار کے آئینہ میں) غیر منصوص اَحکام کا اِستنباط، ص۱۱۶، ۱۱۷، ملتقطاً۔

(۲) انظر: "رد المحتار" كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد، ۳/ ۱۳۲.

جتنا بھی ہو؛ کیونکہ یہاں (نکاحِ باطل میں) بوقتِ عقد باندھنا باطل قرار پایا، گویا کسی مہر کا نام ہی نہ لیا گیا ہو۔

(۳) نکاحِ فاسد میں فسادِ مِلک ہوتا ہے، اور نکاحِ باطل میں عدمِ مِلک؛ کیونکہ باطل کا شرعًا کوئی وُجود ہی نہیں، اگرچہ عقدِ باطل کی صورتِ ظاہرہ کا دفعِ حد میں اعتبار ہو گیا ہے۔

(۴) نِکاحِ فاسِد میں وطی (جِماع) حرام ہے، اور نکاحِ باطل میں محض زِنا ہے، چاہے اس پر حد جاری نہ ہو؛ کیونکہ ہر زِنا مُوجبِ حد نہیں۔

(۵) نکاحِ فاسِد میں مُتارَکہ[1] (علیحدگی) کی ضرورت ہوتی ہے، جبکہ نکاحِ باطل میں مُتارَکہ کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ مَعدوم کے لیے کوئی حکم نہیں ہوتا"[2]۔

---

(۱) نکاحِ فاسد میں نکاح فسخ کرنا فرض ہوجاتا ہے، مگر خود بخود نکاح زائل نہیں ہوتا، فسخِ نکاح کے اس عمل کو "مُتارَکہ" کہتے ہیں، اس کا طریقہ بیان کرتے ہوئے صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ "مُتارَکہ یہ ہے کہ اُسے (عورت کو) چھوڑ دے، مثلاً یہ کہے: "میں نے اُسے چھوڑا" یا "چلی جا" یا "نکاح کر لے" یا کوئی اَور لفظ اسی کے مثل کہے ،اور فقط جانا، آنا، چھوڑنے سے مُتارَکہ نہ ہوگا، جب تک زبان سے نہ کہے، اور لفظ طلاق سے بھی مُتارَکہ ہو جائے گا، مگر اس طلاق سے یہ نہ ہوگا کہ اگر پھر اس سے نکاحِ صحیح کرے، تو تین ۳ طلاق کا مالک نہ رہے، بلکہ نکاح صحیح کرنے کے بعد تین ۳ طلاق کا اسے اختیار رہے گا"۔
["بہارِ شریعت" حصّہ ہفتم ۷، مہرِ مثل کا بیان، ۲/ ۷۳]

(۲) انظر: "جدّ الممتار" كتاب النكاح، باب المهر، ٤/ ٤٤٢- ٤٤٤، ملخصاً.
"امام احمد رضا کی فقہی بصیرت" (جد الممتار کے آئینہ میں) اُصول وضوابط کی اِیجاد یا اُن پر تنبیہات، ص۱۴۴، ملخصًا۔

خلاصۂ کلام: امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اجتہادی بصیرت سے نکاحِ فاسد اور نکاحِ باطِل میں متعدّد فرق بیان کیے ہیں، ان میں سے بعض فرق ایسے ہیں جن کی کتبِ اکابر میں صراحت نہیں۔ امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّھاً یہ فرق بیان کیے۔

بالغہ کے اِذن ورَدّ سے متعلق بنیادی ضابطے کا اِستخراج

بالغہ کے اِذن ورَدّ سے متعلق بنیادی ضابطہ کا اِستخراج بھی امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا علیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اجتہادی شان پر دلیل ہے، فقیہِ مجتہد امام احمد رضا علیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ سے متعلق چند جزئیات میں بحث اور نقد ونظر کے بعد ایک بنیادی اور آسان فہم ضابطہ کا اِستخراج کیا، اور اُسے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "اس سے منقّح ہوا کہ ردّ کی دو ۲ قسمیں ہیں: (۱) ردِّ قولی، (۲) ردِّ فعلی۔ اور اِجازت کی تین ۳ قسمیں ہیں: (۱) اِجازتِ قولی، (۲) اِجازتِ فعلی، (۳) اِجازتِ سُکوتی۔ اور جو اِن کے علاوہ ہے وہ نہ رَدّ ہے اور نہ اِجازت، لہذا عورت اپنے اختیار پر برقرار رہے گی"[1]۔

خلاصۂ کلام: بالغہ کے اِذن ورَدّ سے متعلق بنیادی ضابطہ کا اِستخراج اُن مسائل میں سے ہے، جن کی کتبِ اکابر میں صراحت نہیں۔ امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّھاً یہ ضابطہ وضع فرمایا۔

---

(۱) "جدّ الممتار" كتاب النكاح، باب الولي، ٤/ ٣٥٥، ملخّصاً. "امام احمد رضا کی فقہی بصیرت" (جد الممتار کے آئینہ میں) اُصول وضوابط کی اِیجاد یا اُن پر تنبیہات، ص۱۴۶، ملخصًا۔

رُؤیتِ ہلال میں حساب وشہادت سے متعلق مختلف اَقوال کی توضیح وتطبیق

امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ "اگر گواہانِ عادل مہینے کی تیسویں رات کو رُؤیتِ ہلال کی شہادت دیں، اور اہلِ حساب یہ بتائیں کہ اس رات رُؤیت ممکن نہیں، تو اہلِ حساب کے قول پر عمل کیا جائے گا؛ کیونکہ حساب قطعی ہے اور شہادت ظنّی"۔

امام سبکی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے اس قول کے بارے میں جب امام شہاب الدین رملی رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے سوال کیا گیا، تو انہوں نے فرمایا کہ "عمل اُسی پر ہوگا جس کی گواہانِ عادل نے شہادت دی؛ کیونکہ شریعتِ مطہَّرہ نے شہادت کو یقین کے درجہ میں رکھا ہے، اور امام سبکی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے جو فرمایا وہ غیر مقبول ہے، اور متاخّرین کی ایک جماعت نے اُسے ردّ کر دیا ہے"[1]۔

اس سلسلے میں جب سیّدی اعلی حضرت امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے سُوال کیا گیا، تو آپ نے امام سبکی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے قول کی توضیح فرمائی، اور اپنی اجتہادی شان سے دونوں قول میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ "مُعاملہ یہ ہے کہ یہاں دو ۲ باب ہیں: (۱) قواعدِ رؤیتِ ہلال کا باب، (۲) سیرِ شمس وقمر، ان کے طُلوع وغروب اور منازلِ قمر کا باب۔

باب اوّل کا کوئی اعتبار نہیں؛ کیونکہ خود آشنائے فن کا اس باب میں کثیر اختلاف ہے، اور کسی قطعی قول تک اُن کی رسائی نہیں ہوسکی، اسی لیے "مجسطی" میں اس کی کوئی بحث ہی نہ رکھی، اور یہ اس وجہ سے کہ انہیں معلوم تھا کہ رؤیتِ ہلال ایسی چیز ہے جو ضوابط کی گرفت سے باہر ہے، نیز یہی وہ باب ہے جسے ہمارے ائمۂ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ردّ کر دیا۔

اور **باب ثانی** بلا شُبہ یقینی ہے؛ کیونکہ اس پر قرآنِ عظیم کی متعدِّد آیات شاہد ہیں، جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿اَلشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ﴾[2] "سورج اور چاند

---

(۱) انظر: "رد المحتار" كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ۲/ ۳۸۷، ملخصاً.

(۲) پ ۲۷، الرحمن: ۵.

ایک حساب سے ہیں"۔ ایک اَور مقام پر فرمایا: ﴿وَ الشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَ الْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ﴾[1] "اور سورج اپنے ایک ٹھہراؤ کے لیے چلتا ہے، یہ حکم ہے زبردست علم والے (ربّ تعالی) کا! اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرّر کیں، یہاں تک کہ پھر ہو گیا جیسے کھجور کی پرانی ڈال"۔

لہٰذا اگر اہلِ حساب علمائے عادِل بابِ اوّل (قواعدِ رُؤیتِ ہلال) کی بنیاد پر کہیں کہ "رُؤیت ممکن نہیں" اور گواہانِ عادل رُؤیت کی شہادت دیں، تو شہادت قبول کی جائے گی۔ اور اگر بابِ ثانی (یعنی سیرِ شمس وقمر، ان کے طُلوع وغروب اور مَنازلِ قمر) کی بنیاد پر کہیں، تو یہ قطعی اَمر ہے جس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا؛ کیونکہ عادۃً رُؤیتِ ہلال اس وقت تک ممکن نہیں جب تک چاند، سورج سے دس ۱۰ درجہ، بلکہ زیادہ دُوری پر نہ ہو، تو دن میں طُلوعِ آفتاب سے پہلے، پھر رات میں غروبِ آفتاب کے بعد بھی اُس کی رُؤیت ہو، تو یہ اس اَمر کو مُستلزم ہے، کہ چاند نے دن بھر کے اندر بیس ۲۰ درجہ سے زیادہ مسافت طے کر لی، جبکہ یہ قطعًا معلوم ہے کہ چاند پورے دن رات میں تقریبًا پندرہ ۱۵ درجہ سے زیادہ مسافت طے نہیں کرتا، تو اس میں سنّتِ الٰہی کی تبدیلی لازم آئے گی، اور اللہ تعالی کی سنّت میں تمہیں کوئی تبدیلی نہیں ملے گی! لہٰذا ایسی صورت میں صاحبِ علم قطعی طَور پر حکم کرے گا کہ گواہوں کو اِشتباہ ہو گیا ہے، اور قطعی کو ردّ نہیں کیا جا سکتا۔ شاید امام تاج الدین سبکی رحمہ اللہ تعالی علیہ کی مراد یہی ہے، نیز اس طرح دونوں قَولوں میں تطبیق بھی ہو جائے گی۔

---

(۱) پ ۲۳، یس: ۳۸، ۳۹.

اور اس کی نظیر ہمارے اس رمضان ۱۳۳۰ھ کا واقعہ ہے، کہ ہندوستان (India) کے سارے اَطراف میں تمام لوگوں نے پنجشنبہ (Thursday) کا روزہ رکھا، جب چہار شنبہ (Wednesday) کو ماہِ رمضان کی اٹھائیس ۲۸ تاریخ تھی، تو بدایوں (Budaun) میں ہمارے دوست مولوی عبد المقتدر صاحب کے یہاں تین ۳ یا پانچ ۵ آدمیوں نے شہادت دی کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے، اور (چاند) بدلی میں تھا، انہوں نے گواہی قبول کرلی اور لوگوں کو عید کا حکم دے دیا، جسے ان کے ماننے والوں میں سے چند ہی افراد نے قبول کیا، باوُجود یہ کہ ہمیں قطعی طَور پر معلوم ہے کہ گواہوں سے غلطی ہوئی ہے، اس کی پانچ ۵ وجہیں ہیں، سبھی باب ثانی پر مبنی ہیں، باب اوّل پر نہیں!۔

اوّل یہ کہ اُس دن یعنی بدھ (Wednesday) کو شمس و قمر کا اجتماع رائج گھڑیوں سے نو ۹ بج کر اٹھارہ ۱۸ منٹ پر تھا، اور غروبِ آفتاب چھ ۶ بج کر تیئس ۲۳ منٹ پر، تو عادۃً یہ مُحال ہے کہ اجتماع کے نو ۹ گھنٹے چند منٹ بعد رُؤیت واقع ہوجائے۔

دُوم ۲: تقویمِ آفتاب اور تقویمِ قمر کے درمیان غروب کے وقت فصل تقریباً پانچ ۵ درجے سے زیادہ نہ تھا، آفتاب سُنبلہ (Virgo) کے اُنیسویں ۱۹ درجے میں، اور چاند اسی کے تیئسویں ۲۳ درجہ میں تھا، اور یہ یقینی طَور پر معلوم تھا کہ محض اتنے فصل پر ہلال کی رُؤیت، اس کے خالق ذوالجلال کی سنّتِ مستمرّہ معلومہ کے خلاف ہے۔

سوم ۳: قمر کا غروب مرکزی جس کا غروب ہلال میں اعتبار ہے (اس لیے کہ یہ چاند کے نصف اَسفل ہی میں ہوتا ہے) چھ ۶ بج کر اُنتالیس ۳۹ منٹ پر ہوا، یعنی غروبِ آفتاب کے سولہ ۱۶ منٹ بعد، اور تجربے سے یہ قطعاً معلوم ہے کہ غروب آفتاب کے بیس ۲۰ منٹ بعد تک آفتابی شعاعوں کی اس قدر صَولت ہوتی ہے کہ عادۃً

اُنتیس ۲۹ کا چاند بھی اس میں نظر آنا ممکن نہیں، پھر جب ہلال حدّ ِرُؤیت پر پہنچے گا، تو اس سے چند منٹ قبل زمین کے نیچے جاچکا ہو گا، تو نظر کیسے آئے گا؟۔

چہارُم ۴: اس کے بعد والی رات کو چاند بہت باریک ٹمٹماتا سا اُفق کے قریب طلوع ہوا، جسے لوگ بڑی مشکل سے دیکھ سکے، اگر زہرہ (Venus) اس کے قریب نہ ہوتا تو نظر آنے کی کوئی توقع بھی نہ تھی، اور غروبِ آفتاب کے بعد صرف اِکیاوَن ۵۱ منٹ رُکا، اس لیے کہ پنجشنبہ (Thursday) کو غروبِ آفتاب چھ ٦ بج کر بائیس ۲۲ منٹ پر تھا، اور غروبِ قمر سات ۷ بج کر تیرہ ۱۳ منٹ پر، اور تجربے سے یہ قطعاً معلوم ہے کہ یہ بات دو ۲ رات کے چاند میں نہیں ہوتی۔

پنجم ۵: ہمارا یہ موجودہ شوال -ان شاء اللہ تعالی- تیس ۳۰ دن کا ہو گا، روزِ جمعہ اگر آسمان صاف رہا، تو سب دیکھ لیں گے کہ چاند نہیں ہے، تو اُن کے حساب پر لازم آئے گا کہ شوال اکتیس ۳۱ دن کا ہو، اور یہ مُحال ہے!۔

الحاصل: ان کی شہادت کے باطل میں شک نہیں، مُعاملہ صرف یہ تھا کہ بدلی تھی، اور وہاں زہرہ ستارہ (Venus) تھا، اسی کو بادل کی اوٹ سے دیکھ کر انہوں نے ہلال سمجھ لیا، ولا حَولَ ولا قوَّةَ إلا بالله العليِ العَظِيْم"[۱]۔

خلاصۂ کلام: اگر گواہانِ عادِل مہینے کی تیسویں ۳۰ رات کو رُؤیتِ ہلال کی شہادت دیں، اور اہلِ حساب یہ بتائیں کہ اس رات رُؤیت ممکن نہیں، تو اہلِ حساب

---

(۱) "جدّ الممتار" كتاب الصوم، مطلب ما قاله السُبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود، ٤/ ٧٣- ٧٦، ملخّصاً. "امام احمد رضا کی فقہی بصیرت" (جد الممتار کے آئینہ میں) مختلف علوم میں مہارت اور فقہ کے لیے اُن کا استعمال، ۱۴۹- ۱۵۲۔

کے قول پر عمل کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اہلِ حساب کے قول پر عمل کیا جائے گا؛ کیونکہ حساب قطعی ہے اور شہادت ظنّی"۔ جبکہ علّامہ شِہاب الدین رَملی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول یہ ہے کہ "عمل اُسی پر ہوگا جس کی گواہانِ عادِل نے شہادت دی؛ کیونکہ شریعتِ مطہّرہ نے شہادت کو یقین کے درجہ میں رکھا ہے"۔

امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اوّلاً امام سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول کی توضیح فرمائی، اور پھر دونوں قولوں میں ایسی تطبیق دی کہ ظاہری تضاد رفع ہوگیا۔ امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے رُؤیتِ ہلال کے مسئلہ پر جو تفصیلی کلام اور دلائل بیان کیے، کتبِ اکابر میں اس کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ مسئلہ بیان کیا۔

تعدُّدِ جَدّات سے متعلق تحقیق وتخریج

تعدُّدِ جَدّات سے متعلق نادِر تحقیق بھی امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اجتہادی بصیرت کی عکّاس ہے، جدّات کی تعداد کے حوالے فقیہِ مجتہد امام احمد رضا نے تخریج کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "جدّہ واقعی متعدّد ہوتی ہیں؛ کہ آدمی کی جدّہ ہر وہ عورت ہے جو اس کی اصل کی اصل ہو، اصل دو ۲ ہیں: (۱) اَب (باپ) (۲) واُم (ماں)۔ اور ان میں ہر ایک کے لیے دو ۲ اصلیں ہیں، تو یہ پہلا درجہ اصل الاصل کا ہے جس میں چار اصلیں پائی گئیں دو ۲ مرد اور دو ۲ عورتیں، یہ دونوں عورتیں جدّہ ہیں ایک امیہ یعنی ماں کی طرف سے کہ ام الام یعنی نانی ہے اور دوسری ابویہ باپ کی طرف سے کہ امّ الاب یعنی دادی ہے یہ دونوں جدّہ صحیحہ ہیں۔ پھر چاروں اصلوں میں ہر ایک کے لیے دو ۲ اصلیں ہیں

تو دوسرے درجہ میں آٹھ ۸ اصول ہوں گے، چار ۴ مرد چار ۴ عورتیں، یہ چاروں عورات جدّہ ہیں، دو ۲ امیہ امّ اب الام، ام ام الام اور دو ۲ ابویہ امّ اب الاب، امّ امّ الاب ابویہ دونوں صحیحہ ہیں اور امیہ کی پہلی فاسدہ دوسری صحیحہ۔

یونہی ہر درجہ میں جدّات کا عدد دونا ہوتا جائے گا۔ تیسرے درجہ میں آٹھ ۸، چوتھے میں سولہ ۱۶، پانچویں میں بتیس ۳۲ وعلى هذا القياس تضاعیفِ بیوتِ شطرنج کی طرح یہاں تک کہ بیسویں درجہ میں دس لاکھ اڑتالیس ہزار پانچ سو چھہتر ۱۰۴۸۵۷۶ جدّہ ایک درجہ کی ہوں گی، نصف امیہ، نصف ابویہ"[1]۔

اس کے بعد جدّہ صحیحہ کی پہچان کا ضابطہ بیان کرتے ہوئے امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا کہ "ان میں صحیحہ کا شمار پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ اُمیات میں تو کسی درجہ میں ایک سے زائد جدّہ صحیحہ نہ ہوگی کہ جدّہ امیہ وہی صحیحہ ہے جس تک میّت کے سلسلے میں سوا ام کے اَب اصلاً نہ واقع ہوا اور ابویات ہر درجہ میں بشمار اس درجہ کے صحیحہ ہوں گی، باقی ساقط مثلاً پانچویں درجہ میں پانچ ۵ ابویہ ثابتہ ہیں گیارہ ۱۱ فاسدہ، اور دسویں میں دس ۱۰ صحیحہ پانچ سو دو ۵۰۲ ساقط وعلى هذا القياس!"[2]۔

"اس تقریر سے فصاعداً اور أو أكثر اور ایک درجہ میں پندرہ جدّۂ صحیحہ سب کے معنی منکشف ہوگئے، اور ظاہر ہوا کہ کچھ پندرہ ۱۵ پر حصر نہیں جس قدر چاہیں حاصل کرسکتے ہیں مثلاً پچیس ۲۵ جدّۂ صحیحہ ہمیں درجہ بست وچہارم ۲۴ میں ملیں

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الفرائض، فصل چہارُم ۴، ۱۷/۷۴۷۔

(۲) ایضًا۔

گی، اس درجہ کی کُل جدّات ایک کروڑ سڑسٹھ لاکھ ستّر ہزار دو سو سولہ (۱۶۷۷۰۲۱۶) میں سب ساقط مگر پچیس ۲۵ ایک اُمیہ اور چوبیس ۲۴ ابویہ کہ صحیحہ ہیں، یہ تمام بیانِ منیر فقیر حقیر نے عین وقتِ تحریر میں اپنے ذہن سے استخراج کیا پھر دیکھا تو "ہندیہ" میں "اختیار شرحِ مختار" سے طریقِ اوّل نقل فرمایا"[۱]۔

حضرت امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا ضابطہ کے تحت یہاں ایک نقشہ بھی ذکر کیا ہے، اس فن میں دلچسپی رکھنے والے اہلِ علم حضرات اسے "فتاوی رضویہ" کتاب الفرائض، فصلِ چہارُم کے تحت ملاحظہ فرماسکتے ہیں![۲]۔

خلاصۂ کلام: تعددِ جَدّات اور جدّۂ صحیحہ کی پہچان کا ضابطہ بھی اُن مسائل میں سے ہے جن کی کتبِ اکابر میں صراحت نہیں ملتی، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّھاً یہ مسئلہ بیان کیا، اور جدّۂ صحیحہ کی پہچان کا ضابطہ بیان فرمایا۔

معتکف کے لیے مسجد میں خرید وفروخت کی ایک اِستثنائی صورت

مسجد میں خرید وفروخت کرنا، معتکف کے لیے بھی ناجائز ہے، لیکن امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اجتہاد سے معتکف کے لیے ایک اِستثنائی صورت کا استنباط کیا، اور فرمایا: "مسجد میں کسی چیز کا مول لینا، بیچنا، خرید وفروخت کی گفتگو کرنا ناجائز ہے، مگر معتکِف کو اپنی (یا اپنے اہل وعِیال کی) ضرورت کی چیز مول لینی، وہ بھی جبکہ مَبیع

(۱) ایضاً، ص۷۴۹۔

(۲) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الفرائض، فصل چہارم ۴، ۱۷/۷۴۸، مطبوعہ ادارۂ اہلِ سنّت کراچی۔

(خریدی جانے والے چیز) مسجد سے باہر ہی رہے، مگر ایسی خفیف ونظیف وقلیل شَے جس کے سبب نہ مسجد میں جگہ رُکے، نہ اس کے ادب کے خلاف ہو، اور اسی وقت اسے اپنے اِفطار یا سحری کے لیے درکار ہو، استثنَیتُه تفقُّهاً؛ لأنّه مأذونٌ له في إحضار هذا قطعاً، ولا يؤمَر بالخروج للأكل والشُّرب"(۱). یعنی "اس چیز کا اِستثناء میں نے بطور تفقُّہ کیا ہے؛ کیونکہ معتکف کو اس قسم کی اشیاء مسجد میں لانے کی قطعًا اجازت ہے، اور اسے کھانے پینے کے لیے خُروج (مسجد سے باہر نکلنے) کا حکم نہیں کیا جائے گا"۔

خلاصۂ کلام: اگر معتکِف کو سَحر واِفطار میں اپنے کھانے پینے کے لیے کسی چیز کی فَوری ضرورت ہو، اور وہ مقدار میں بھی اتنی کم ہو کہ مسجد میں اس کے باعث جگہ رُکنے کا احتمال نہ ہو، تو معتکف اسے حُدودِ مسجد میں بھی خرید سکتا ہے، کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں۔ امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُهاً یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔

۲۹ شوّال المکرّم کو ہلالِ ذی قعدہ کی تلاش کا حکم

۲۹ شوّال المکرّم کو ہلالِ ذی قعدہ کی تلاش کا حکم بھی امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اجتہاد سے اِستنباط فرمایا، آپ فرماتے ہیں کہ "۲۹ رجب کو ہلالِ شعبان، ۲۹ شوّال کو ہلالِ ذیقعدہ کی بھی تلاش کریں۔ ہلالِ شعبان کی تلاش کا حکم خود حدیث(۲) میں ہے،

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب الوقف، باب المسجد، ۱۲/ ۱۷۲، ۱۷۳۔

(۲) **قلتُ:** خود حدیث میں ہے: أخرج الترمذي في "الجامع" والحاكم في =

حکمت اس میں یہ ہے کہ جب رمضان کا چاند بوَجہِ اَبر نظر نہیں آتا، تو حکم ہے کہ شعبان کی گنتی تیس ۳۰ پوری کرلیں، جب شعبان کا چاند بتحقُق نہ معلوم ہوگا، تو اس کی گنتی پر کیا یقین ہوسکے گا؟! یونہی اگر ذی الحجہ کا چاند نظر نہ آئے، تو ذیقعدہ کی گنتی تیس ۳۰ رکھیں گے، اور وہی بات یہاں پیش آئے گی۔ كذا ينبغي أن يلتمسوا هلالَ شعبانَ أيضاً في حقّ إتمام العدد[1] (ع) ("فتاوى عالمگيرية") عن "السراج الوهّاج". **قلتُ:** وزدتُ[2] عليه: "هلال ذي القعدة" تفقُّهاً"[3].

خلاصۂ کلام: مَوسم کی خرابی اور مَطلع اَبر آلُود ہونے کی صورت میں اگر رمضان کا چاند نظر نہ آئے، تو حدیث شریف میں حکم ہے کہ شعبان کے تیس ۳۰ دن پورے کرلیے

=

"المستدرَك" عن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: «احصوا هلالَ شعبان لرمضان» ["سنن الترمذي" باب ما جاء في إحصاء هلال، ١/ ١٢٣]. منه [أي: من الإمام أحمد رضا]

(١) "الهندية" الباب ٢ في رؤية الهلال، ١/ ١٩٧.

(٢) **قلتُ:** وزدتُ عليه هلالَ ذي القعده تفقُهاً، هذا والذي قبلَه في هلال ذي الحجّة ليس ما يتفكّر؛ فإنّ أمثالَ ذلك تلتحق على وجه دلالة النص، وهو ممّا يشترك فيه الفقهاءُ والعوام، كما نصّ عليه العلّامةُ ط [انظر: "حاشية الطحطاوي على مَراقي الفلاح" كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، صـ٦٤٦] وغيره. منه [أي: من الإمام أحمد رضا].

(٣) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الصوم، رسالہ "البُدور الأجِلّة في أمور الأهِلّة" ۸/۳۳۱، ۳۳۲۔

جائیں، لیکن ۲۹ شوّال کو ہلالِ ذیقعدہ کی بھی تلاش کی جائے گی۔ کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں۔ امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شعبان سے متعلق حکم کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے، تفقُّهاً یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔

۲۹ ذی قعدہ کو ذی الحجہ کا چاند تلاش کرنا ضروری ہے

۲۹ شعبان المعظم کو ہلالِ رمضان کی تلاش فرضِ کفایہ ہے، یہ بات تو کتبِ فقہ میں مذکور ہے، لیکن ۲۹ ذیقعدہ کو ہلالِ ذی الحجہ کی تلاش ضروری ہے، یہ مسئلہ غیر منصوص ہے، امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے اجتہاد سے اس مسئلہ کا حکم اِستنباط کیا، اور فرمایا: "۲۹ ذیقعدہ کو ہلالِ ذی الحجہ کی تلاش بھی ضروری ہے۔

اقول: یہ یوں ضروری ہوا کہ حج و نمازِ عید و قربانی و تکبیراتِ تشریق کے اَوقات جاننے اسی پر موقوف ہیں، تو اس کی تلاش عام لوگوں پر واجبِ کفایہ ہونی چاہیے، اور اہلِ مَوسم (حُجاج) پر فرضِ کفایہ؛ کہ وہاں بے خیالی میں چاند ۲۹ کا ہو گیا، اور بنا رکھا ۳۰ کا، تو وُقوفِ عرَفہ کہ حج کا فرضِ اَعظم و رُکن اکبر ہے، اپنے وقت سے باہر یوم النحر میں واقع ہو گا، اور عام لوگوں کو کسی فرض میں خلل کا اندیشہ نہیں، پر واجبات میں دقّت آئے گی، مثلاً کسی ضرورت سے نمازِ عید کی تاخیر بارہویں تک چاہی، تو یہ جسے بارہویں سمجھے ہیں وہ تیرہویں ہے، اور ایّامِ نماز کہ ایّامِ نحر تھے گزر چکے، نماز بے وقت ہوئی۔ بہت لوگ بارہویں کو قربانی کرتے ہیں، ان کی قربانیاں بے وقت ہوں گی۔ عرَفہ کی صبح سے ہر نماز کے بعد تکبیر واجب ہوتی ہے، واقع میں جو عرَفہ ہے، یہ اُسے آٹھویں جان کر تکبیریں نہ کہیں گے، وکما أنّ ما یتوصّل به إلی الفرض فرضٌ، فکذا أنّ ما یتوصّل به إلی الواجب واجبٌ، فصحّ

الافتراضُ على أهل الموسِم، والوجوبُ على غيرهم. هذا كلُّه ما ذكرتُه تفقُّهاً، وأرجو أن يكونَ صواباً، إن شاء الله تعالى!"[1].

خلاصۂ کلام: ۲۹ شعبان کو ہلالِ رمضان کی تلاش فرضِ کفایہ ہے، یہ مسئلہ تو کتبِ فقہ میں واضح طَور پر مذکور ہے، لیکن ۲۹ ذیقعدہ کو ہلالِ ذی الحجہ کی تلاش بھی ضروری ہے۔ کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُہاً یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔

۲۹ ذیقعدہ کو ذی الحجہ کا چاند دیکھا تو گواہی دینا واجب نہیں

ایسا شخص جس کی گواہی مقبول ہو یا قبول ہونے کی اُمید ہو، اگر وہ ۲۹ شعبان المعظم کو رمضان المبارک کا، یا ۲۹ رمضان المبارک کو شوّال کا چاند دیکھے، تو اُس پر واجب ہے کہ اسی رات حاکمِ شرع یا اُس کے مقرَّر کردہ نمائندوں کے پاس گواہی پیش کرے؛ تاکہ لوگ رمضان المبارک کے روز بے روزہ نہ اٹھیں، یا پھر عید الفطر کے دن روزہ نہ رکھ لیں۔ یہ مسئلہ کتبِ فقہ میں واضح طَور پر مذکور ہے، لیکن اگر کوئی شخص ۲۹ ذیقعدہ کو ذی الحجہ کا چاند دیکھے، تو اُس پر اسی رات گواہی دینا واجب ہے یا نہیں، یہ مسئلہ غیر منصوص ہے، اور اس کا حکم فقہاء نے بیان نہیں کیا!۔

امام اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالی نے اس مسئلہ کا حکم استنباط کیا اور فرمایا: "ہلالِ ذی الحجہ میں آٹھویں تک کوئی حاجت ایسی نہیں جو بوَجہِ تاخیر خلل پذیر ہو، بس یُوں معلوم

---

(۱) دیکھیے: "فتاویٰ رضویہ" کتاب الصوم، رسالہ "البُدور الأجِلَّة" ۸/ ۳۳۱۔

ہو جانا چاہیے کہ فجرِ عرَفہ سے لوگ تکبیر میں مشغول ہوں، اور حُجاج سامانِ وُقوف کریں؛ فإن أخّر إلى هذا فلا يؤخّر وقت الحاجة "ط"[١] إنّما كان الآثِم به، فلْيكُن التأخيرُ إلى هنا سابعاً. هذا ما قلتُه تفقُّهاً، فلْيحرّر!!"[٢].

خلاصۂ کلام: ٢٩ شعبان کو رمضان کا، یا ٢٩ رمضان کو شوّال کا چاند دیکھا، تو اُسی رات گواہی دینا واجب ہے؛ تاکہ رمضان کا روزہ نہ چُھوٹ جائے، یا پھر لوگ عید الفطر کے دن روزہ نہ رکھ لیں۔ یہ مسئلہ تو کتبِ فقہ میں واضح طَور پر مذکور ہے، لیکن اگر کوئی شخص ٢٩ ذیقعدہ کو ذی الحجہ کا چاند دیکھے، اُس پر اُسی رات گواہی دینا واجب نہیں۔ کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُہاً یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔

ہلالِ رمضان یا ہلالِ عید وہ لوگ دیکھیں جن کی گواہی مقبول نہ ہو تو؟!

اگر رمضان المبارک یا عید الفطر کا چاند ایسے لوگوں نے دیکھا جن کی گواہی مقبول نہ ہو، تو ایسی صورت میں کیا اُن پر لازم ہے کہ وہ چاند ایسے لوگوں کو دکھا دیں جن کی گواہی مقبول ہے؟ یہ مسئلہ بھی غیر منصوص ہے، اور کتبِ فقہ میں اس کا حکم مذکور نہیں۔ امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی نے اپنے اجتہاد سے اس مسئلہ کا حکم استنباط کیا، اور فرمایا: "جب چاند پر نظر پڑے اور دیکھنے والوں کی گواہی کفایت نہ کرتی ہو، فوراً جہاں تک بن پڑے ایسے مسلمانوں کو دکھا دیں جن کی گواہی کافی ہو، اور ویسے بھی دکھا دینا

(١) "ط" كتاب الصوم، ١/ ٤٤٨.

(٢) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب الصوم، رسالہ "البُدور الأجِلَّة" ٨/ ٣٣٢، ٣٣٣۔

چاہیے؛ کہ کثرت بہر حال بہتر ہے!۔

اقول: اگر مَطلع صاف نہیں، دفعۃً اَبر ہٹا اور اسے چاند نظر پڑا۔ اب یہ اس قابل نہیں کہ اس کی گواہی مسموع ہو، خواہ فاسِق ہے یا مستور، یا اکیلا، یا صرف عورتیں، یا غلام ہیں اور ہلال ہلالِ عیدَین، توان لوگوں کا دیکھنا کافی نہ ہو گا، اور عجب نہیں کہ اَبر پھر آجائے، لہذا انہایت تعجیل کر کے ایسے معتمَد مسلمانوں کو دکھادے جن کی گواہیاں کفایت کر جائیں، قال الله تعالی: ﴿تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰى﴾[1].

اِس صورت میں توبشرطِ قدرت معتمَدین کو دکھانا لازم ہونا چاہیے، اور اگر ایسا نہیں بلکہ خود ان کی گواہی بس ہے، تاہم اَوروں کا دکھانا اچھا ہی ہے؛ کہ کثرتِ شُہود بہر حال بہتر ہے، عجب کیا کہ یہ اپنے نزدیک اپنی گواہی کافی سمجھیں، اور حاکمِ شرع کو کسی وجہ سے اعتبار نہ آئے، تو اَور شُہود کی حاجت پڑے! هذا كلُّ ما ذكرتُه تفقُّهاً، وأرجو أن يكونَ حَسناً إن شاء الله تعالى!"[2].

خلاصۂ کلام: رمضان کا چاند اگر ایسے لوگوں نے دیکھا جن کی گواہی قبول نہیں، تواُن پر لازم ہے کہ چاند ایسے مسلمانوں کو دکھادیں جن کی گواہی کفایت کرتی ہو۔ کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُہاً یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔

---

(۱) پ٦، المائدة: ٢.

(۲) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب الصوم، رسالہ "البُدور الأجِلَّة" ۸/ ۳۳۵۔

ہوائی فائرنگ اور آتش بازی کے جواز وعدمِ جواز کی بعض صورتوں کا اِستنباط

ہوائی فائرنگ اور آتش بازی کے جواز وعدمِ جواز کی بعض صورتوں کا اِستنباط

بھی، امام اہلِ سنّت کے اجتہادی نظائر میں سے ایک ہے۔ حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اِصطلاح یوں ٹھہری ہوئی ہے کہ جہاں اسلامی ریاست ہے، بعد تحقیقِ ہلال توپ کے فیر(۱) ہوتے ہیں، اور شہروں میں بندوقیں یا ہوائیاں وغیرہ چھوڑتے ہیں۔ اب اگر ثبوتِ شرع ہوگیا، اور حاکمِ شرع نے بھی حکم دے دیا، جب تو یہ فعل مستحسن ہے؛ کہ ایک نیّتِ صالحہ سے کیا جاتا ہے، اور آتش بازی کا ناجائز ہونا بوَجہِ اِضاعتِ مال تھا، یہاں جاری نہیں؛ کہ بعد غرضِ محمود کے اِضاعت کہاں؟! ورنہ دو۲ صورتیں ہیں: **ایک** یہ کہ اعلانِ ہلال کے سوا اَور کسی وجہ سے یہ فعل کریں، مثلاً دوست کے گھر بیٹا پیدا ہوا، بندوقیں سرکیں، یا خالی بیٹھے مال ضائع کرنا چاہا، ہوائیاں، ناٹریاں، تومڑیاں(۲) چھوڑیں، یہ ممنوع ہے؛ کہ اس میں مسلمانوں کو دھوکا ہوگا۔ **دوسرے** یہ کہ جاہلوں نے جو اپنے جاہلانہ مسئلوں سے بے حکمِ حاکم وفتوائے عالم، اپنے نزدیک رُؤیت کی خبر ٹھیک جان کر پٹاخہ بازی شروع کر دی، یہ اَور بھی زیادہ ناجائز وحرام ہے؛ کہ منصبِ رفیع شرع پر جرأت ہے، قال رسولُ الله ﷺ: «أفتَوا بغير علم، فضَلُّوا وأَضلُّوا»(۳)

---

(۱) Fire. [میمن]

(۲) یہاں آتش بازی کے تیر، پٹاخے اور پُھلجڑیاں وغیرہ مراد ہیں، جو کہ آتش بازی کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۳) انظر: "صحيح مسلم" باب رفع العلم، ۲/ ۳۴۰.

وعنه ﷺ: «أَجْرَؤُكُمْ عَلَى الْفُتْيَا، أَجْرَؤُكُمْ عَلَى النَّارِ»[1]. هذا كلُّه أيضاً تفقُّهاً، ولا أظنُّ أحداً يخالف فيه، والله الهادي للصّواب!"[2].

خلاصۂ کلام: غرضِ محمود کے ساتھ آتش بازی جائز ہے۔ کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّھاً یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔

پاسپورٹ کے جواز اور عدم جواز کی صورتوں کا بیان

پاسپورٹ (Passport) کے جواز وعدم جواز کی مختلف صورتوں کا بیان بھی، امام اہلِ سنّت کی اجتہادی شان پر واضح دلیل ہے؛ کیونکہ ائمۂ مذہب کے دَور میں پاسپورٹ (Passport) کا وُجود نہیں تھا، اور نہ ہی ایک ملک سے دوسرے ملک جانے کے لیے تصویر کھینچوانے اور پاسپورٹ بنوانے کی پابندی تھی، لیکن بیرونِ ملک سفر کے لیے جب تصویر وپاسپورٹ (Passport) کو لازم قرار دے دیا گیا، توسفیرِ اسلام شاہ محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اِستفتاء کیا کہ "بعض اشخاصِ مسلمین اپنے اہل وعِیال سے دُور، بعض تجارتی کاروبار میں مبتلا نقل وحرکت کے بغیر چارہ نہیں، بعض علماء کو اِعلائے کلمۃ الحق کے لیے باہر جانے یا جاکر واپس آنے کی ضرورت، ایسی اَشد شدید ضروریات میں کہ جہاں بعض شکلوں میں سخت ترین دینی نقصانات بھی ہیں، اجازت لینے کی غرض سے نصف حصّہ

---

(۱) انظر: "سنن الدارمي" باب الفُتيا، ر: ۱۵۹، ۱/ ۵۳.

(۲) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب الصوم، رسالہ "البُدور الأجِلَّة" ۸/ ۳۳۵،۳۳۶۔

اعلیٰ بدن کی تصویر کھنچوانا، بذریعہ فوٹو گراف جائز ہے یا نہیں؟ اور اس اجازت نامہ (Passport) کو اپنے پاس رکھنا جائز ہے یا نہیں؟"[1]۔

اس پر فقیہِ اعظم امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اوّلاً تصویر کی حُرمت بیان کی، اور پھر پاسپورٹ(Passport) کے جواز وعدم جواز کی مختلف صورتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"اہل وعِیال کے پاس جانے یا انہیں لانے کی ضرورت بے شک ضرورت ہے، رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت ہرگز یہ حکم نہ دے گی کہ تصویر لیں گے، تم یہیں رہو اور انہیں سمندر پار پڑا رہنے دو، کہ نہ تم ان کی موت وحیات میں شریک ہوسکو، نہ وہ تمہاری۔

تجارت اگر پہلے سے وہاں تھی اور اب اسے قطع کر کے مال وہاں سے لانے کے لیے ایک بار جانا ہے، اگر نہ جائے تو مال جائے، تو یہ بھی صورتِ اجازت ہے؛ کہ شرع میں مال شَقیقِ نفس ہے، قال الله تعالی: ﴿أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللهُ لَكُمْ قِيَامًا﴾[2]. اور اگر تجارت قائم رکھنے کو جانا ہے، مگر ایک ہی بار کہ پھر وہیں توطّن کا ارادہ ہے، یا بار بار مگر تصویرِ اوّل ہی ہر بار لی جائے گی، تو یہ بھی (حکمِ) جواز میں ہے؛ کہ ایک بار جانے سے چارہ نہیں۔

اور اگر ہر بار تصویر دینی ہوگی تو دو ۲ صورتیں ہیں: **اوّل** یہ کہ اس کے پاس ذریعۂ رزق وہی تجارت ہے، اور وہ تجارت وہیں چلتی ہے، اگر یہاں مال اُٹھا لائے بے کار جائے، یا نقصانِ شدید اُٹھائے، تو یہ پھر حرج وضرر کی صورت میں آگیا،

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الحظر والاِباحۃ، تصویر کے اَحکام، ۱۶/ ۶۶۵۔

(۲) پ ٤، النساء: ٥.

والحرجُ مدفوع. **(۲)** اور اگر اس کے قطع میں معتَد بہ ضَرر نہیں، یا وہ تجارت یہاں بھی چلے گی اگرچہ نفع کم ملے گا، تو صرف بغرضِ قطع ایک بار جانے کی اجازت ہے، دوبارہ کی نہیں؛ کہ منفعت کے لیے نا رَوا، رَوا کرنا نا رَوا!۔

اِعلائے کلمۃ اللہ میں تین صورتیں

اِعلائے کلمۃ اللہ میں تین ۳ صورتیں ہیں: **(ا)** اگر کچھ کافروں نے وہاں سے اسے لکھا کہ "ہم تمہارے ہی ہاتھ پر مسلمان ہوں گے، آکر ہمیں مسلمان کر لو" تو لازم ہے کہ جائے؛ کہ اس کے لیے فرض نماز کی نیّت توڑ دینا واجب ہوتا ہے۔ "حدیقہ ندیہ" بحث آفات الید میں ہے: "لو قال ذمّيٌّ للمسلم: اعرضْ عليَّ الإسلامَ، يقطع وإن كان في الفرض، كذا في "خزانة الفتاوى"[1].

(۲) یا وہاں کچھ کفّار اسلام کی طرف مائل ہیں، کوئی ہدایت کرنے والا ہو تو ظنِّ غالب ہے کہ مسلمان ہو جائیں گے، اس صورت میں بھی اجازت ہوگی؛ فإنّ الظنَّ الغالبَ ملتحِقٌ باليقين. بلکہ اس صورت میں بھی وُجوب چاہیے؛ کہ ایسی حالت میں تاخیر جائز نہیں، کیا معلوم کہ دیر میں شیطان راہ مار دے اور یہ مستعدی جاتی رہے! اور یہاں یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ کچھ میں ہی تو متعیّن نہیں؛ کہ ہر ایک یہی خیال کرے تو کوئی نہ جائے گا۔

(۳) اور اگر یہ بھی نہیں، عام کفّار کی سی حالت ہے، تو ۔بحمد اللہ تعالی۔ دعوتِ اسلام ایک ایک ذرّۂ زمین کو پہنچ چکی، ولہذا اَب قِتالِ کفّار میں تقدیمِ دعوت

---

(۱) "الحديقة النَدية شرح الطريقة المحمدية" الصنف ٥، ٢/ ٤٥٩.

صرف مستحب ہے۔ "ہدایہ" میں ہے: "يستحبّ أن يدعوَ مَن بلغته الدعوةُ مبالغةً في الإنذار، ولا يجب ذلك"[۱]. اب یہ صرف منفعت کے درجہ میں آگیا، اس کے لیے اجازت نہ چاہیے! ہاں اگر معلوم ہو کہ وہاں ہُنوز دعوتِ اسلام پہنچی ہی نہیں تو تبلیغ واجب ہے، یہ صورتِ دُوم کی مثل ہوکر اِجازت میں رہے گا۔

ظاہر ہے کہ صورتِ سوال وہ نئی تازی حال کی صورت ہے، کہ کتب میں ہونا دَرکنار، اس سے پہلے کبھی سننے ہی میں نہیں آئی! فقیر نے جو کچھ ذکر کیا تفقُّہاً ہے، اور مَولیٰ تعالی سے اُمیدِ صواب وثواب ہے؛ فإن أصبتُ فمِن ربّي وله الحمدُ، وإن أخطأتُ فمِنّي ومن الشيطان، والله ورسولُه عنه برِيئانِ جل جلاله وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، والله تعالى أعلم"[۲].

یہ مسئلہ ادارۂ اہلِ سنّت کراچی سے شائع کردہ "فتاوی رضویہ" جلد۱۶، کتاب الحظر والِاباحۃ میں تصویر کے اَحکام کے تحت مذکور ہے[۳]، جن حضرات کو تفصیل مطلوب ہو وہ مذکور مقام کا مطالعہ فرمائیں!۔

خلاصۂ کلام: کتبِ فقہ میں تصویر کی حُرمت سے متعلق مسائل واضح طَور پر مذکور ہیں، لیکن بأمر مجبوری اور ضرورت کے پیشِ نظر بعض صورتوں میں تصویر کھینچوانا، یا تصویر والا پاسپورٹ (Passport) بنوانا جائز ہے۔ کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر،

---

(۱) "الهداية" كتاب السِير، باب كيفيّة القتال، ۲/ ۵٤۰.

(۲) "فتاوی رضویہ" "کتاب الحظر والِاباحۃ، تصویر کے اَحکام، ۱۶/ ۶۶۷، ۶۶۸۔

(۳) ایضاً، ص۶۶۵- ۶۶۸۔

اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُھاً یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔

کسبِ مُعاش کے اَحکام کا اِستنباط

کسبِ مُعاش کے اَحکام کا اِستنباط، امام اہلِ سنّت کی اجتہادی شان پر واضح دلیل ہے، حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ذرائع اور غایات کے اعتبار سے، کسبِ مُعاش کی نو ۹ مختلف صورتیں اور ان کی مثالیں بیان کیں، پھر کسبِ مُعاش کے اَحکام استنباط کرتے ہوئے فرمایا: "جب یہ صورتیں معلوم ہو لیں، اب اَحکامِ کسب کی طرف چلیے!

فاقول وباللہ التوفیق:

ظاہر ہے کہ کسب یعنی تحصیلِ مال کو خواہ روپیہ ہو، یا طعام، یا لباس، یا کوئی شَے، سبب وغرض دونوں سے ناگزیر ہے، اور اَحکامِ نُہ ۹ گانہ میں پہلے چار ۴ جانبِ طلب ہیں، جن میں (۱) فرض (۲) وواجب کی طلب طلبِ جازِم ہے، (۳) اور سنّت (۴) ومستحب کی غیرِ جازِم۔ اور پچھلے [آخری] چار ۴ جانب نہی ہیں، جن میں (۵) مکروہِ تنزیہی (۶) وِاساءَت سے نہیِ اِرشادی، (۷) اور تحریمی (۸) وحرام سے حتمی، (۹) اور مباح طلب ونہی دونوں سے خالی۔

اب اگر سبب وغرض دونوں اَقسامِ تسعہ ۹ سے ایک ہی قسم کے ہیں، جب تو ظاہر کہ وہی حکم کسب پر ہوگا، مثلاً ذریعہ بھی فرض اور غرض بھی فرض، تو ایسا کسب دوہرا فرض ہوگا، اور دونوں حرام تو دُونا حرام ...وعلی ہذا القیاس! اور اگر مختلف اَقسام سے ہیں تو تین ۳ حال سے خالی نہیں:

اوّلاً: اختلاف جانبِ واحد، مثلاً طلب یا نہی کے اَقسام میں ہو، جیسے سبب فرض ہو غرض واجب، یا سبب مکروہِ تنزیہی غرض حرام۔

ثانیاً: اختلاف اختلافِ جانبِ وسط ہو، مثلاً سبب واجب یا حرام، اور غرض مباح یا بالعکس۔

ان دونوں صورتوں میں کسب اَشد واَقویٰ کا تابع ہوگا، مثلاً فرض ووُجوب کا اختلاف ہے تو فرض، اور وُجوب وسنّیت کا تو واجب، اور ایک مباح اور دوسرا اَور کسی قسم کا ہے تو کسب اسی قسم کا ہوگا؛ لما مرّ من أنّ المباحَ ساذِجٌ عارٍ يكتسي بكلّ رداءٍ، ويتلوّن بلَونِ كلِّ ما يُمارِج، والضعيفُ مِن جانب يندرج في القوي منه.

ثالثاً: اختلاف اختلافِ جانبَین ہو، یعنی سبب جانبِ طلب میں ہے اور غرض جانبِ نہی، یا بالعکس، صورتِ اُولی میں کسب مطلقاً حکمِ غرض کا مورد رہے گا، مثلاً غرض حرام ہے تو حرمت وگناہ نقدِ وقت ہے، گو سبب فرض واجب ہو، حتی کہ اگر سبب اعلی درجۂ طلب میں ہو یعنی فرض، اور غرض اَدنی درجۂ نہی میں یعنی مکروہِ تنزیہی، جب بھی کسب مکروہِ تنزیہی سے خالی نہیں ہو سکتا، اگرچہ سبب فی نفسہ فرض ہے، وجہ یہ کہ کوئی غرضِ معیّن کسب کے لیے لازم نہیں، وہ اختلافِ نیّت سے مختلف ہو سکتی ہے، اور ہر وقت اپنے اختیار سے اِمکانِ تبدُل رکھتی ہے، مانا کہ سبب فرض تھا، مگر جب اس نے اسے کسی اَمرِ حرام یا ناپسندیدہ کی نیّت سے کیا، ضرور حرمت وناپسندی میں گرفتار ہوا؛ کہ ایسی نیّت کیوں کی؟ اگر کوئی نیّت فرض یا واجب حاضر نہ تھی، تو اَقل درجہ نیّت مباح پر قادر تھا!۔

اس کی نظیر نماز ہے کہ دِکھاوے کو پڑھی جائے، اگرچہ نماز فی نفسہٖ فرض ہے، مگر نیّتِ خبیثہ مُوجبِ تحریم ہوگی، اور صورتِ عکس میں یعنی جب سبب جانبِ نہی ہوا، اور غرض جانبِ طلب، اگر وہ سبب متعیّن نہ تھا بلکہ اس کا غیر-کہ نہی سے خالی ہو-ممکن تھا، تو

اس صورت میں بھی کسب مطلقاً موردِ نہی ہوگا؛ کہ غرض اگرچہ فرض ہے، جب ذریعۂ مباح سے مل سکتی تھی تو حرام یا مکروہ کی طرف جانا اپنے اختیار سے ہوا، اور اس کا اِلزام لازم آیا، اور اگر سبب متعیّن تھا کہ دوسرا طریقہ قدرت ہی میں نہیں، تو اب دو۲ صورتیں ہوں گی:

اوّل: غرض وسبب کی نہی وطلب دونوں ایک ہی مرتبہ میں ہوں، مثلاً

* سبب حرام غرض فرض، * سبب مکروہِ تحریمی غرض واجب، * سبب میں اِساءَت غرض سنّت، * سبب مکروہِ تحریمی غرض واجب، * سبب میں اِساءَت غرض سنّت، * سبب مکروہِ تنزیہی غرض مستحب۔

اور صرف اسی قدر کافی نہیں، بلکہ نَوعِ واحد میں تفاوُت وقوّت پر بھی نظر لازم؛ کہ حرام کا ترک فرض ہے، اور فرض کا ترک حرام، اور بعض فرض بعض دیگر سے اَعظم واَآکد ہوتے ہیں، اور بعض حرام بعض دیگر سے اَشنع واَشد۔ تو یہ دیکھا جائے گا کہ مثلاً فرض غرض کے ترک سے جو حرمت لازم آئے گی، وہ اس حرمت سے کیا نسبت رکھتی ہے، جو اُس سببِ حرام کے اِرتکاب میں ہے؟ جب سب وُجوہ سے طرفَین میں تساوِئ قوّت ثابت ہو، تو حکمِ کسب میں اِتّباعِ سبب یعنی جانبِ نہی کو ترجیح رہے گی؛ "لأنّ اعتناءَ الشرع بالمَنهيّات أشدُّ من اعتنائِه بالمأمورات، ولذا قال ﷺ: «إذا أمرتُكم بشيءٍ فأتُوا منه ما استطعتم، وإذا نهيتُكم عن شيءٍ فاجتنبوه». وروى في "الكشف" حديثاً: «لَتركُ ذرّةٍ ممّا نهَى الله عنه، أفضل من عبادة الثقلَين»" قاله في "الأشباه"[1]. ولنا في

(١) "الأشباه والنظائر" الفن ١، القاعدة ٥، ١/ ١٢٥.

المقام تحقيقاتٌ نفائسُ أَلَمنا بكثيرٍ منها في ما علّقنا على كتاب "إذاقة الأثام لمانعِي عمل المَولد والقيام" من تصانيف خاتمة المحقّقين الأماجِد، سيِّدنا الوالد، قُدّس سرّه الماجد.

دونوں کی قوّت کم وبیش ہو، اس صورت میں اقویٰ کا اتّباع ہوگا، سبب ہو خواہ غرض، مثلاً مالِ غیر بے اِذن لینا حرام ہے، اور خوک وخمر کی حرمت اس سے بھی زائد، اور سدِّ رَمق اور دفعِ جُوعِ قاتِل وعطشِ مُہلِک کی فرضیت ان سب سے اقویٰ ہے، لہٰذا حالتِ مخمصہ میں ان اشیاء کا تناوُل اسی قدر جس سے ہلاک دفع ہو لازم ہوا، اور جانبِ غرض کو ترجیح دی گئی۔ اور اگر مضطر کچھ نہیں پاتا مگر یہ کہ کسی انسان کا ہاتھ کاٹ کر کھائے، تو حلال نہیں، اگرچہ اس شخص نے اجازت بھی دی ہو؛ کہ حرمتِ انسان اس فرض سے اقویٰ ہے، لہٰذا جانبِ سبب کو ترجیح رہی۔

في "الدرّ": "الأكلُ للغذاء والشربُ للعطش، ولو مِن حرام، أو ميتةٍ، أو مالِ غيره، وإن ضمنَه فرضٌ، يُثاب عليه بحكم الحديث، ولكن مقدارَ ما يدفع الإنسانُ الهلاكَ عن نفسه"[1] اهـ. وفي "الشامية" عن "وجيز الكَردري": "إن قال له آخَر: اقطعْ يدِي وكُلْها، لا يحلّ؛ لأنّ لحمَ الإنسان لا يُباح في الاضطرار؛ لكرامته"[2].

امام اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحدیثِ نعمت کے طَور پر آخر میں فرمایا

---

(١) "الدرّ" كتاب الحظر والإباحة، ٢/ ٢٣٦.

(٢) "ردّ المحتار" كتاب الحظر والإباحة، ٥/ ٢١٥.

کہ "یہ تقریرِ منیر حفظ رکھنے کی ہے؛ کہ اوّل تا آخر اس تحقیقِ جمیل وضبطِ جلیل کے ساتھ، اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گی، وباللہ التوفیق!"[۱]۔

یہ مسئلہ "فتاوی رضویہ" جلد ۱۶، کتاب الحظر والاِباحۃ میں رسالہ "خیرُ الآمال في حکم الکَسب والسُؤال" کے تحت مذکور ہے[۲]، تفصیل کے طلبگار حضرات مذکورہ رسالے کا مطالعہ فرمائیں۔

خلاصۂ کلام: کسبِ مُعاش کے متعدّد اَحکام کتبِ فقہ میں مذکور ہیں، لیکن ذرائع اور غایات کے اعتبار سے کسبِ مُعاش کی کتنی صورتیں ہیں، اور اُن کے کیا اَحکام ہیں، کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں۔ امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔

شکمِ مادَر میں "سونوگرافی" کے ذریعے حمل کی جانچ

سونوگرافی (Sonography) کے ذریعے شکمِ مادَر (ماں کے پیٹ) میں حمل کی جانچ ممکن، اور حکمِ قرآن کے مطابق ہے۔ یہ مسئلہ اُن نَوپید مسائل میں سے ہے جو امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ کے دَور میں پیش آیا، اور ائمۂ مذہب سے اس بارے میں صریح طَور پر کوئی روایت مَوجود نہیں، لہٰذا جب سونوگرافی (Sonography) کی مشین یا الٹرا ساؤنڈ اسکینر (Ultrasound Scanner) اِیجاد ہوا، تو ایک عیسائی

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الحظر والاِباحۃ، رسالہ "خیرُ الآمال" ۱۶/ ۵۶۲، ۵۶۳۔ و"امام احمد رضا بحیثیت مجتہد" اعلی حضرت امام احمد رضا قادری کی مجتہدانہ شان وعظمت، صـ۶۴، ملخصاً۔

(۲) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الحظر والاِباحۃ، رسالہ "خیرُ الآمال" ۱۶/ ۵۵۵۔

پادری نے اعتراض وارِد کرتے ہوئے کہا کہ "قرآن میں ہے کہ پیٹ کا حال کوئی نہیں جانتا کہ بچہ ذُکور (نَر) سے ہے یا اِناث (مادَہ) سے" حالانکہ ہم نے ایک آلہ نکالا ہے جس سے سب حال معلوم ہو جاتا ہے اور پتا ملتا ہے!"[1]۔

امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے براہ راست متعدّد نُصوصِ شرعیہ سے اِستدلال واِستنباط کیا، اور ثابت کیا کہ سونوگرافی (Sonography) کے ذریعے حمل کی جانچ کسی آیتِ قرآنیہ کے خلاف نہیں!۔

امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے معترِض پادری کو مخاطَب کرتے ہوئے، اسے مدلَّل جواب دیا کہ "اصل یہ ہے کہ کسی علم کی حضرت عزّت عزّوجلّ سے تخصیص، اور اُس کی ذاتِ پاک میں حصر، اور اُس کے غیر سے مطلقاً نفی، چند وجہ پر ہے:

اوّل: علم کا ذاتی ہونا کہ بذاتِ خود بے عطائے غیر ہو۔

دُوم ۲: علم کا غنا کہ کسی آلۂ جارِحہ وتدبیر وفکر ونظر واِلتفات واِنفِعال کا اصلاً محتاج نہ ہو۔

سوم ۳: علم کا سرمدی ہونا کہ اَزَلاً اَبداً ہو۔

چہارُم ۴: علم کا وُجوب کہ کبھی کسی طرح اس کا سَلب ممکن نہ ہو۔

پنجم ۵: علم کا اِثبات واِستمرار کہ کبھی کسی وجہ سے اس میں تغیّر وتبدُّل، فرق وتفاوُت کا اِمکان نہ ہو۔

ششم ۶: علم کا اقصی غایتِ کمال پر ہونا کہ معلوم کی ذات، ذاتیات، اَعراض،

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب العقائد والکلام، رسالہ "الصَّمْصَامُ على مشكِّكٍ في آية علوم الأرحام" ۱۸/ ۴۸۱۔

اَحوالِ لازمہ، مُفارِقہ، ذاتیہ، اِضافیہ، ماضیہ، آتیہ، موجودہ، ممکنہ سے کوئی ذرّہ، کسی وجہ پر مخفی نہ ہوسکے۔

مطلق علم حضرتِ اَحدیت جلّ جلالہٗ سے خاص ہے

ان چھ ٦ وجہ پر مطلقِ علم حضرتِ اَحدیت جلّ جلالہٗ سے خاص ہے، اور اس کے غیر سے قطعًا مطلقًا منفی! یعنی کسی کو کسی ذرّہ کا ایسا علم جو اِن چھ ٦ وُجوہ سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو، حاصل ہونا ممکن نہیں، جو کسی غیرِ الٰہی کے لیے -عقولِ مُفارِقہ ہوں یا نُفوسِ ناطقہ- ایک ذرّے کا ایسا علم ثابت کرے، یقینًا اِجماعًا کافر مشرِک ہے!"[1]۔

اس کے بعد امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے علمِ ذاتی اور علمِ عطائی سے متعلق متعدّد آیاتِ قرآنیہ پیش کر کے، ان میں باہم فرق بیان کیا۔ پھر سونوگرافی (Sonography) میں علمِ اَرحام (Fetal Sex Determination) سے متعلق مَوجود سُقم بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ "کوئی پادری صاحب آلہ لگا کر بولیں کہ جس وقت ان کی میم صاحبہ کو پیٹ رہا * نطفہ کتنے وزن کا گرا تھا؟ * اس میں کتنے حیوان مَنوی تھے؟ * گرتے وقت رحم کے کس حصہ پر پڑا؟ * رحم میں کتنی دیر بعد کونسی خَمل ونقرہ میں مستقر ہوا؟ * جب سے اب تک کتنا خونِ حیض اس کے کام آیا؟ * یہ اصل نُطفہ کس کس غذا کے کس کس جزء اور کتنے وزن کا فُضلہ تھا؟ * وہ کہاں کی مٹی سے پیدا ہوئی تھی؟ * کھانے کے کتنی دیر بعد اس نے صورتِ نُطفیہ اَخذ کی تھی؟ * جب سے اب تک ایک ایک منٹ کے فاصلہ پر اس کی وزن ومَساحت وہیئت میں کیا کیا اور کتنا کتنا تغیُّر ہوا؟ * حوادِثِ مذکورہ بالا کے

(۱) دیکھیے: "فتاویٰ رضویہ" "کتاب العقائد والکلام، رسالہ "الصَّمْصَامُ علی مشکِّكٍ" ۱۸/۴۸۴۔

باعث جب سے اب تک میم صاحبہ کی رحم شریف گے بار، اور کتنی کتنی دیر کو، اور کس کس قدر سمٹی پھیلی؟ * بچہ کتنی دفعہ اور کس کس قدر اور کدھر کدھر کو پھر پھرایا؟ * ہر جنبش پر وضعِ اعضاء میں کیا کیا تغیُّر ہوا؟ * یہی سب اَحوال اب سے پیدا ہونے تک کس کس طرح گزریں گے؟ * منٹ منٹ پر وضع ووزن وَمساحت ومکان وحرکت وسُکون وغذا واَحوالِ جَنین ورحم میں کیا کیا تغیُّرات ہوں گے؟ * باوالوگ رحم شریف میں کب تک بسیں گے؟ * کس گھنٹے منٹ سکنڈ، تھرڈ پر برآمد ہوں گے؟ * پہلے کونسا عضو آگے بڑھائیں گے؟ * اُس وقت کتنے فَربہ کتنے دراز ہوں گے؟ * دروازۂ برآمد کی وسعت کس مقدارِ مخصوص تک چاہیں گے؟ * آسانیٔ گزر کو کتنی رُطوبت کی پچکاریاں ساتھ لائیں گے؟ * آپ گے بار زور لگائیں گے؟ * میم صاحبہ سے کتنے کرائیں گے؟ * کونسی چیخ پر باہر آئیں گے؟ * برآمد بھی ہوں گے یا کچے ہی گر جائیں گے؟ * جی بچے تو کیا عمر پائیں گے؟ * کہاں کہاں بسیں گے؟ * کیا کیا کھائیں گے؟ * کس کس مشن میں لَونڈے پڑھائیں گے؟...إلى غير ذلك ممّا لا يُعدّ ولا يُحصى!.

واللہ! کہ تمام عالَم کی تمام ماضِی وموجود ومستقبل حملوں رِحموں کے ایک ایک ذرّہ، اَحوالِ مذکورہ وغیرمذکورہ گزشتہ وموجودہ وآئندہ کو، ربّ العزّت عزّوجلّ کا علم اَزَلاً اَبداً مَعاً تفصیلاً محیط ہے! اور یہ سب اُنہی دو ۲ پاک کلمہ: ﴿يَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾ کی شرح میں داخل! تم اپنے ہی گھر کے ایک ہی پیٹ کے، مختصر اَحوال کے کروڑوں حصوں سے، ایک حصہ کا بھی ہزاروں حصہ نہیں بتا سکتے، اور عالِمِ اَرحام بننے کے مدّعی!""[1]۔

---

(۱) ایضًا، صـ۴۸۹، ۴۹۰۔

یہاں ہم نے یہ مسئلہ انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے، امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر "الصَّمْصَامُ على مشكِّكٍ في آية علوم الأرحام" نام سے ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے، یہ رسالہ ادارۂ اہلِ سنّت کراچی سے مطبوع "فتاوی رضویہ" جلد ۱۸، کتاب العقائد والکلام میں مَوجود ہے[1] لہذا تفصیل کے طلبگار حضرات اس رسالے کا مطالعہ فرمائیں!۔

خلاصۂ کلام: سونوگرافی (Sonography) مشین کے ذریعے بچے کی جنس (Gender) معلوم کرنے کا مسئلہ نَو پید مسائل میں سے ایک تھا، کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں۔ امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے براہِ راست قرآن وحدیث کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّهاً یہ مسئلہ بیان کیا ہے، اور ایک سائنسی اِیجاد (Scientific Invention) کے باعث قرآنِ حکیم پر وارِد ہونے والے اعتراض کو رفع کیا۔

تعزیت سے متعلق متعارِض اقوالِ فقہاء میں تطبیق

تدفین کے بعد میّت کے مکان پر جاکر تعزیت پیش کرنے سے متعلق، فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، بعض فقہاء کے نزدیک مندوب (مستحب) ہے، اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے، جیساکہ "جَوہرہ نیّرہ" اور "فتاوی شامی" میں ہے: "هي بعد الدفن أفضلُ منها قبلَه"[2] "قبلِ دفن تعزیت سے بہتر، بعد دفن تعزیت ہے"۔

---

(۱) ایضاً، ص۴۸۱۔

(۲) "رد المحتار" باب صلاة الجنائز، ۱/ ٦٠٤.

اس کے بَرخلاف "مَراقی الفلاح" میں ہے: "كثيرٌ مِن متأخِّرِي أئمتِنا رحمهم الله تعالى يكره الاجتماعَ عند صاحب المصيبة، حتّى يأتيَ إليه مَن يعزي، بل إذا رجع الناسُ من الدفن فلْيتفرقوا ويشتغلوا بأموره، وصاحبُ الميِّت بأمره"(۱). "ہمارے بہت سے ائمۂ متاخرین رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ میّت والے کے یہاں اس غرض سے جمع ہونا کہ تعزیت کرنے والے آئیں، مکروہ ہے، بلکہ لوگ جب دفن سے واپس ہوں تو متفرِق ہوکر اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں جائیں، اور اہلِ میّت بھی اپنے کام میں مشغول ہوجائیں"(۲)۔

امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خداداد شانِ اجتہاد سے اس مسئلہ سے متعلق مختلف اقوال میں تطبیق دی، اور بظاہر نظر آنے والے تضاد وتعارُض کو رفع کرتے ہوئے فرمایا: "**بالجملہ** قولِ فیصل جس سے اختلاف زائل اور توفیق حاصل ہو، یہ ہے کہ نفسِ تعزیت ودُعا وایصال ثواب بے شک محمود ومندوب، اور وقتِ دعا ہاتھ اٹھانا بھی جائز، اور اگر کوئی شخص اَولیائے میّت کے مکان پر جا کر تعزیت کر آئے تو بھی قطعًا رَوا۔ مگر اَولیاء کا خاص اس قصد سے بیٹھنا، اور لوگوں کا ان کے پاس ہُجوم ومجمع کرنا، چاہے قبلِ دفن ہو یا بعد، اُسی وقت اگر ہو یا کبھی، مکانِ میّت پر ہو یا کہیں اَور، بہر طَور جائز ومباح ہے، جبکہ منکَراتِ شرعیہ سے خالی ہو۔ مگر اس کا نہ کرنا افضل ہے، نہ یہ کہ مطلقًا حرام اور گناہ، اور فاعل مبتدِع وگمراہ ٹھہرے، سبحانك، هذا بهتانٌ عظيم!.

قلتُ: وبهذا تتفق الكلماتُ من قول قومٍ: "لا بأس به"

---

(۱) "مَراقي الفلاح" فصل في حملها ودفنها، صـ۳۳۸.

(۲) دیکھیے: "فتاویٰ رضویہ" کتاب الجنائز، باب اَحوالِ قُربِ مَوت، ۷/ ۲۳۲- ۲۳۴، ملتقطاً۔

وقومٍ آخَرين: "أنّه يكره" ويكون ما ثبت بالحديث المذكور بياناً للجواز، فأتقِن هذا التحرير الفريد؛ فإنّه -إن شاء الله- التحقيقُ الوسيط، وإن خالفَ زعم الفريقَين من أهل الإفراط والتفريط، والله ﷻ أعلم بالصواب، وإليه المرجع والمآب!"[۱].

امام اہلِ سنّت کے کلام کا خلاصہ یہ ہے، کہ تدفین کے بعد مکانِ میّت پر تعزیت کے لیے جانا، اُس وقت مکروہ ہے جب اُس (رسمِ تعزیت) میں منکَراتِ شرعیہ کی آمیزش ہو، لہذا اگر دَورانِ تعزیت میّت کی تعریف میں غُلو سے کام نہ لیا جائے، تعزیت کرنے والوں کے لیے (مثلِ دعوت) عمدہ قسم کے کھانوں کا اہتمام نہ کیا جائے، میّت کو یاد کرکے سینہ کُوبی نہ کی جائے، اور نہ ہی پُھوٹ پُھوٹ کر رویا جائے، بلکہ صرف میّت کی رُوح کو ایصالِ ثواب کیا جائے، اور اس کے لیے دعائے مغفرت کی جائے، تو بعد اَز تدفین ایسی تعزیت مستحسن ومندوب (مستحب) ہے۔

خلاصۂ کلام: تدفین کے بعد میّت کے مکان پر جاکر تعزیت کرنا، بعض فقہاء کے نزدیک مستحب ہے، اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے۔ اس بارے میں قولِ فیصل کیا ہے؟ کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں۔ امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ مسئلہ بیان کیا، اور اقوالِ فقہاء میں اس طرح تطبیق دی کہ بظاہر نظر آنے والا تضاد وتعارُض رفع ہوگیا۔

---

(۱) ایضاً، صـ۲۳۴، ۲۳۵۔

جُنبی کی تلاوتِ قرآن میں قولِ راجح

جُنبی شخص (جس پر غسل واجب ہو) کو بنیّت تلاوت قرآنِ حکیم پڑھنا جائز نہیں، اور ایک مکمل آیت، یا بڑی آیت کا اتنا حصہ تلاوت کرنا، جس سے نماز میں فرضِ قراءت، مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ادا ہو جائے، جُنبی کے لیے بالاتفاق ممنوع ہے، لیکن آیت کا اتنا قلیل حصہ کہ جس کے پڑھنے کو عُرفاً قراءتِ قرآن نہ سمجھا جائے، اور اس سے نماز میں فرضِ قراءت ادا نہ ہو، اتنے حصے کو جُنبی (جس پر غسل واجب ہو) کے بنیّتِ قرآن پڑھنے میں اختلاف ہے۔

امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اوّلاً اختلافِ فقہاء ذکر کیا، اور پھر قولِ ممانعت کو آٹھ ۸ وُجوہ سے ترجیح دیتے ہوئے فرمایا: "غرض یہ دو ۲ قول مرجَّح ہیں:

اوّل یعنی ممانَعت ہی بوُجوہ اقوی ہے؛ **اوّلاً:** اکثر تصحیحات اُسی طرف ہیں۔

ثانیاً: اُس کے مصححین کی جلالتِ قدر، جن میں امام فقیہ النفس جیسے اکابر ہیں، جن کی نسبت تصریح ہے کہ اُن کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے[1]۔

ثالثاً: اُسی میں احتیاط زیادہ اور وہی قرآنِ عظیم کی تعظیمِ تامّ سے اقرَب۔

رابعاً: اکثر ائمہ اُسی طرف ہیں، اور قاعدہ ہے کہ "العملُ بما عليه الأكثرُ"[2] اور زاہدی کی نقل امامِ اجلّ علاء الدین صاحبِ "تحفۃ الفقہاء" وامامِ اجلّ ملک العلماء صاحبِ "بدائع" کی نقل کے مُعارِض نہیں ہو سکتی۔

---

(١) انظر: "ردّ المحتار" كتاب الهبة، ٤/ ٥١٣.

(٢) "ردّ المحتار" كتاب الطهارة، باب المياه، فصل في البئر، مطلب: ستّ تورث النسيان، ٢/ ٥٧.

خامساً: اِطلاقِ احادیث بھی اُسی طرف ہے کہ فرمایا: "جُنب وحائض قرآن میں سے کچھ نہ پڑھیں"[۱]۔

سادسًا: خاص جزئیہ کی تصریح میں امیر المؤمنین مَولی علی -کرّم اللہ تعالی وجہہ- کا ارشاد موجود کہ فرماتے ہیں: «اقرءُوا القرآنَ مالم يُصِب أحدَكم جَنابةٌ، فإن أصابَه فلا، ولا حَرفاً واحداً» "قرآن پڑھو جب تک تمہیں نہانے کی حاجت نہ ہو، اور جب حاجتِ غُسل ہو تو قرآن کا ایک حرف بھی نہ پڑھو" رواه الدارقُطني[۲] وقال: هو صحيحٌ عن عليٍّ ﷺ.

سابعًا: وہی ظاہر الروایہ کا مفاد ہے، امام قاضی خان "شرحِ جامعِ صغیر" میں فرماتے ہیں: "لم يفصل في الكتاب بين الآية وما دونها، وهو الصّحيحُ"[۳] اهـ.

بخلاف **قولِ دوم ۲**؛ کہ روایتِ نوادِر ہے، رواها ابنُ سماعةٍ عن الإمام ﷺ كما ذكره الزاهديُ.

ثامناً: قوّتِ دلیل بھی اسی طرف ہے، تو اسی پر اعتماد واجب"[۴]۔

---

(۱) "سنن ابن ماجه" كتاب الطّهارة وسننها، باب ما جاء في قراءة القرآن على غير طهارة، ر: ٥٩٦، صـ١٠٤.

(۲) أي: في "السنن" كتاب الطهارة، باب في النهي للجنب ...إلخ، ر: ٤١٩، ١/ ١٧١.

(۳) "شرح الجامع الصغير" كتاب الصلاة، باب انكشاف العورة، ١/ ١٥٠.

(۴) "فتاوی رضویہ" کتاب الطہارۃ، باب الغسل، رسالہ "ارتفاع الحُجب عن وُجوه قراءةِ الجُنب" ۱/ ۸۰۴،۸۰۵۔

یہ مسئلہ "فتاوی رضویہ" جلد اوّل، کتاب الطہارۃ میں رسالہ "ارتفاع الحُجب عن وُجوہ قراءۃِ الجُنب"[۱] میں مذکور ہے، لہٰذا تفصیل کے طلبگار حضرات وہاں رُجوع فرمائیں!۔

خلاصۂ کلام: کسی آیتِ مبارکہ کے قلیل، اور نماز میں فرض قراءَت کی مقدار سے بھی کم حصے کو بنیّتِ قرآن پڑھنا، جُنبی شخص (جس پر غسل واجب ہو) کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ تو کتبِ فقہ میں مذکور ہے، لیکن اس بارے میں قولِ راجح اور وُجوہِ ترجیح کیا ہیں؟ کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں، امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً وُجوہِ ترجیح بیان کیں، اور اس مسئلہ کو خُوب واضح کیا۔

اسلامی بینکاری نظام کا تصوُّر

اسلامی بینکاری نظام (Islamic Banking System) کا مسئلہ نَوپید مسائل میں سے ایک ہے، اس بارے میں ائمۂ مذہب سے کوئی صریح روایت مَوجود نہیں؛ کیونکہ امامِ اعظم اور صاحبَین کے دَور میں مَوجودہ روایتی بینکاری نظام کا کوئی وُجود نہیں تھا۔

اسلامی بینکاری نظام کا تصوُّر سب سے پہلے امامِ اہلِ سنّت نے پیش کیا

امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسلامی بینکاری نظام (Islamic Banking System) کا تصوُّر، اور اس کے قیام کی اہمیت وضرورت اُس دَور (۱۹۱۲ء) میں محسوس کی، جب جدیدِ اقتصادی نظریات کی ابھی ابتداء بھی نہیں ہوئی تھی، ہندوستان

---

(۱) ایضاً، ص۸۰۱۔

کے بڑے بڑے شہروں میں سُودی نظام پر مشتمل چند بینک قائم تھے، جن کی ملکیت انگریزوں یا ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھی، اور پورے برِ صغیر میں ۱۹۴۰ء تک کوئی مسلم بینک موجود نہیں تھا، لہذا اگر کہا جائے کہ سب سے پہلے اسلامی بینکاری نظام (Islamic Banking System) پیش کرنے والی شخصیت کا نام امام احمد رضا ہے، تو یہ بات بلا مُبالغہ سو فیصد حقیقت پر مبنی ہے !۔

امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۱۲ء میں اپنے رسالہ "تدبیرِ فلاح ونَجات واِصلاح" میں اسلامی بینکاری نظام (Islamic Banking System) پیش کیا، اور اپنے اجتہاد سے اقتصادی ترقی کے بنیادی اُصول وضوابط بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"بہتر ہے کہ مسلمان اپنی سلامت رَوی پر قائم رہیں، کسی شریر قوم کی چال نہ سیکھیں! اپنے اوپر مفت کی بدگمانی کا موقع نہ دیں! ہاں اپنی حالت سنبھالنا چاہتے ہیں تو ان لڑائیوں ہی پر کیا مَوقوف تھا، ویسے ہی چاہیے تھا کہ:

اوّلاً: باستثناء ان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو، اپنے تمام مُعاملات اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنے سب مقدّمات اپنے آپ فیصل کرتے، یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ و وکالت میں گھسے جاتے ہیں، گھر کے گھر تباہ ہو گئے اور ہوئے جاتے ہیں، محفوظ رہتے !۔

ثانیاً: اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے؛ کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا۔ اپنی حرفت وتجارت کو ترقی دیتے؛ کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے، یہ نہ ہوتا کہ یورپ وامریکہ والے چھٹانک بھر تانبا، کچھ صناعی کی گھڑت کر کے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر کہ آپ کو دے جائیں، اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں !۔

ثالثاً: بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے توانگر مسلمان اپنے بھائی مسلمانوں کے لیے بنک کھولتے، سُود شرع نے حرامِ قطعی فرمایا ہے، مگر اَور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں، جن کا بیان کتبِ فقہ میں مفصَّل ہے، اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ کتاب "كفل الفقيه الفاهِم"[(۱)] میں چھپ چکا ہے، ان جائز طریقوں پر نفع بھی لیتے؛ کہ انہیں بھی فائدہ پہنچتا، اور ان کے بھائیوں کی بھی حاجت بَرآتی، اور آئے دن جو مسلمانوں کی جائیدادیں بنیوں کی نذر ہوئی چلی جاتی ہیں، ان سے بھی محفوظ رہتے، اگر بنیوں کی جائیداد ہی لی جاتی، مسلمان ہی کے پاس رہتی، یہ تو نہ ہوتا کہ مسلمان ننگے اور بنیے چنگے!"[(۲)]۔

مسلمانوں کی معیشت سے متعلق

اعلی حضرت کے خدشات دُرست ثابت ہوئے

پاکستان سمیت متعدّد اسلامی ممالک کی مُعاشی بدحالی اور ان پر غیر ملکی قرضوں کے بوجھ دیکھتے ہوئے، بجاطَور پر کہا جاسکتا ہے، کہ اعلی حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالی نے سو سال سے زائد عرصہ قبل، مسلمانوں کی مُعاشی صورتحال کے حوالے سے، جن خدشات کا اظہار کیا تھا وہ سوفیصد دُرست ثابت ہوئے! آج ہم لاکھ کوشش کے باوُجود ورلڈ بینک (World Bank) اور آئی ایم الیف (IMF) کے قرضے ادا کرنے سے قاصر ہیں، ہمارا ملک کئی بار دیوالیہ (Bankrupt) ہوتے ہوتے بچا ہے،

---

(۱) انظر: "الفتاوي الرضوية" كتاب البيوع، رسالة "كفلُ الفقيه الفاهِم في أحكام قرطاس الدَراهم" المجلّد ۱۲.

(۲) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب السیر، رسالہ "تدبیرِ فلاح ونَجات واِصلاح" ۱۱/ ۶۰۱۔

کئی گُنا سُود (Interest) ادا کرنے کے باوُجود، قرض کی اصل رقم جُوں کی تُوں ہم پر بوجھ بنی ہوئی ہے، صرف یہی نہیں بلکہ ہمارے ملک میں تو ہر نیا پیدا ہونے والا بچہ بھی ان سُودی بینکوں کا مقروض شمار ہوتا ہے!۔

اے کاش! ہم آج سے سو سال پہلے، امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رَہنمائی سے فائدہ اٹھا کر، اسلامی بینکاری نظام (Islamic Banking System) قائم کر لیتے، تو ہماری معیشت مَوجودہ صورتحال سے کہیں بہتر ہوتی، اور شاید غیر لوگ بھی ہمیں قرضے دینے کے بجائے، آج ہم سے قرضوں کی بھیک مانگ رہے ہوتے!۔

امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیش کیے گئے اسلامی بینکاری نظام سے متعلق، ماہرِ اقتصادیات پروفیسر رفیع اللہ صدیقی لکھتے ہیں کہ "۱۹۱۲ء میں جبکہ اقتصادی تعلیم محدود تھی، کسے معلوم تھا کہ تیس چالیس سال کے بعد بچت اور بینک کس قدر اہمیت اختیار کر جائیں گے! لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے مستقبل میں جھانک لیا تھا، انہوں نے مسلمانوں کو نہ صرف فُضول خرچی سے باز رکھنے کی تلقین کی، نہ صرف پَس اندازی کی ہدایت کی، بلکہ صاحبِ حیثیت اور دَولت مند مسلمانانِ ہند سے اپیل کی، کہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے بینک (Bank) قائم کریں، وہ بینک (Bank) جہاں کم حیثیت کے مسلمان اپنی چھوٹی چھوٹی بچائی ہوئی رقم محفوظ رکھ سکیں، اور جہاں سے باصلاحیت مسلمان تاجروں کو سرمایہ فراہم ہوسکے، اور وہ صنعت کاری کے میدان میں ہندوؤں کا مقابلہ ڈَٹ کر کرسکیں"[1]۔

---

(۱) دیکھیے: "فاضل بریلوی کے مُعاشی نکات" ص ۲۰۔

اسلامی بینکاری نظام (Islamic Banking System) سے متعلق امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ "تدبیرِ فلاح ونَجات واِصلاح"[1] "فتاوی رضویہ" جلد ۱۱، کتاب السیر میں ہے، تفصیل کے طلبگار حضرات اس رسالے کا مطالعہ فرمائیں!۔

خلاصۂ کلام: اسلامی بینکاری نظام کا مسئلہ نَوپید مسائل میں سے ایک ہے، لہذا کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں۔ امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّھاً اس مسئلہ میں اُمت کی رَہنمائی فرمائی۔

مُوالات کی ۹ اَقسام اور ان کے اَحکام کا اِستنباط

ایک طرف ہندو مشرکوں سے اتحاد، اور دوسری طرف انگریزوں (عیسائی کافروں) کے خلاف ترکِ مُوالات کی تحریک، یہ ایک نَوپید مسئلہ تھا؛ کیونکہ اس سے قبل ترکِ مُوالات سے متعلق قرآنِ حکیم کی آیاتِ مبارکہ کو انگریزوں (عیسائی کافروں) کے ساتھ خاص کرکے، ہندو مشرکوں کے اِستثناء کا مسئلہ پیش نہیں آیا تھا، اسی مَن گھڑت استثناء کی بنیاد پر ہندوستان میں جب بعض لوگوں نے سیاسی مفادات کے پیشِ نظر، انگریز عیسائیوں کے خلاف ترکِ مُوالات کی تحریک چلائی، تو امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس دورُخی کو خوب واضح کیا اور فرمایا کہ "مُوالات مطلقاً ہر کافر ہر مشرک (چاہے وہ عیسائی ہو یا ہندو) سے حرام ہے، اگرچہ ذِمّی مطیعِ اسلام ہو، اگرچہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا قریب ہو! قال تعالی: ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب السیر، رسالہ "تدبیرِ فلاح ونَجات واِصلاح" ۱۱/ ۵۹۹۔

الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ لَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ﴾[1] "تُو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور قیامت پر، کہ دوستی کریں اللہ ورسول کے مخالفوں سے، اگرچہ وہ ان کے باپ بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں"[2]۔

اس کے بعد اپنی اجتہادی شان سے مُوالات کی مجموعی طَور پر ۹ اَقسام اور ان کے اَحکام اِستنباط کرتے ہوئے فرمایا کہ "مُوالات دو ۲ قسم ہے:

اوّل حقیقیہ: جس کا ادنی (۱) رکون یعنی میلانِ قلب ہے، (۲) پھر وَداد، (۳) پھر اتحاد، پھر اپنی خواہش سے بے خَوف وطمع (۴) اِنقیاد، (۵) پھر تبتُّل۔ یہ بجمیع وُجوہ ہر کافر سے مطلقاً ہر حال میں حرام ہے۔

مَیلِ طبعی کا حکم

قال اللہ تعالی: ﴿وَلَا تَرْکَنُوْٓا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ﴾[3] "ظالموں کی طرف میل[4] نہ کرو؛ کہ تمہیں آگ چُھوئے"۔ مگر مَیلِ طبعی جیسے ماں باپ اولاد یا زَنِ حسینہ کی طرف، کہ جس طرح بے اختیار ہو زیرِ حکم نہیں، پھر بھی اس

---

(۱) پ ۲۸، المجادَلة: ۲۲.

(۲) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب السیر، فتاوی، ۱۱/ ۴۸۷۔

(۳) پ ۱۲، ھود: ۱۱۳.

(۴) جب مجرّد میلانِ قلب کو حرام و مُوجبِ عذابِ نار فرمایا، تو وَداد واتحاد واِنقیاد وتبتُّل کس قدر سخت کبیرہ مُوجبِ عذاب اشد ہوں گے! لیڈر وَداد واتحاد واِنقیاد سب خود قبول کر رہے ہیں، والعیاذ باللہ تعالی۔ [امام احمد رضا]

تصوُر سے کہ یہ اللہ ورسول کے دشمن ہیں، ان سے دوستی حرام ہے، بقدرِ قدرت اس کا دَبانا، یہاں تک کہ بن پڑے تو فنا کر دینا لازم ہے؛ کہ شَے مستمر میں بقاء کے لیے حکم ابتداء ہے، کہ اِعراض ہر آن متجدِد ہیں، آنا بے اختیار تھا، اور جانا یعنی اِزالہ قدرت میں ہے، تو رکھنا اختیارِ مُوالات ہوا اور یہ حرام قطعی ہے، ولہذا جس غیر اختیاری کے مَبادِی اس نے باختیار پیدا کیے اس میں معذور نہ ہوگا، جیسے شراب کہ اس سے زوالِ عقل اس کا اختیاری نہیں، مگر جبکہ اختیار سے پی تو زَوالِ عقل اور اس پر جو کچھ مرتَّب ہو، سب اسی کے اختیار سے ہوا۔

قال تعالی: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰبَآءَكُمۡ وَ اِخۡوَانَكُمۡ اَوۡلِيَآءَ اِنِ اسۡتَحَبُّوا الۡكُفۡرَ عَلَى الۡاِيۡمَانِ وَ مَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ﴾[1]

"اے ایمان والو! اپنے باپ بھائیوں کو دوست نہ بناؤ، اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں، اور تم میں جو اُن سے دوستی رکھے گا وہی پکّا ظالم ہوگا"۔ "تفسیرِ کبیر" و"نیشاپوری" و"خازِن" و"جمل" وغیرہا میں ہے: "إنّه تعالى لما أمر المؤمنين بالتبرّي عن المشركين، وبالَغَ في إيجابه، قالوا: كيف تمكن هذه المقاطعةُ التّامةُ بين الرّجل وبين أبيه وأمّه وأخيه؟ فذكر اللهُ تعالى أنّ الانقطاعَ من الآباء والأولاد والإخوان واجبٌ بسبب الكفر".

"جب اللہ تعالی نے مسلمانوں کو مشرِکوں سے بیزاری کا حکم دیا، اور اسے بتاکیدِ شدید واجب فرمایا، تو بعض مسلمانوں نے کہا کہ "آدمی کا اُس کے

---

(۱) پ ۱۰، التوبة: ۲۳.

والدَین اور بھائی سے مکمل طَور پر اِنقطاع (قطعِ تعلق) کیسے ممکن ہے؟ اس پر رب تعالی نے آباء، اَولاد اور بھائیوں سے اُن کے کفر کے سبب، مکمل طَور پر اِنقطاع کا حکم دیا"۔

مُوالاتِ صُوریّہ کے اَحکام

دُوم ۲ صُوریّہ: کہ دل اس کی طرف اَصلاً مائل نہ ہو، مگر برتاؤ وہ کرے جو بظاہر محبت ومیلان کا پتا دیتا ہو۔ یہ بحالت ضرورت وبجبوری صرف بقدرِ ضرورت ومجبوری مطلقًا جائز ہے، قال تعالی: ﴿اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً﴾[1]. "مگر یہ کہ تمہیں ان سے پورا واقعی خوف ہو" بقدرِ ضرورت یہ کہ مثلاً صرف عدمِ اظہارِ عداوَت میں کام نکلتا ہو تو اسی قدر پر اِکتفاء کرے، اور اظہارِ محبت کی ضرورت ہو تو حتّی الاِمکان پہلودار بات کہے، صریح کی اجازت نہیں، اور بے اس کے نَجات نہ ملے، اور قلب ایمان پر مطمئن ہو تو اس کی بھی رخصت، اور اب بھی ترک عزیمت ہے!۔

اَبنائے جَریر ومُنذِر وابي حاتم نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کی: "نهى الله المؤمنين أن يُلاطِفوا الكفّارَ ويتّخذوهم وليجةً من دون المؤمنين، إلّا أن يكونَ الكفّارُ عليهم ظاهرين أولياء، فيظهرون لهم اللطفَ ويخالفونهم في الدِّين، وذلك قوله تعالى: ﴿إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾"[2]. "اللہ تعالی نے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ کافروں سے نرمی کریں، اور

---

(۱) پ ۳، آل عمران: ۲۸.

(۲) پ ۳، آل عمران: ۲۸.

مسلمانوں کے سوا ان میں سے کسی کو راز دار بنائیں، مگر یہ کہ کافر اُن پر غالب ووالیانِ ملک ہوں تو اس وقت ان سے نرمی کا اظہار کریں، اور دِین میں مخالفت رکھیں، اور یہ ہے مَولیٰ تعالی کا ارشاد، مگر یہ کہ تم کو اُن سے واقعی پورا خوف ہو"۔

"مدارِک" میں ہے: "أي: إلّا أن يكونَ للكافر عليك سلطانٌ فتخافه على نفسك ومالِك، فحينئذٍ يجوز لك إظهارُ المُوالاة وإبطانُ المُعاداة"(۱). "مگر یہ کہ کافر کی تجھ پر سلطنت ہو، تو تجھے اس سے اپنے جان ومال کا خوف ہو، اس وقت تجھے جائز ہے کہ اس سے دوستی ظاہر کرے اور دشمنی چھپائے"۔

"کبیر" میں ہے: "وذلك بأن لا يظهر العداوةَ باللّسان، بل يجوز أيضاً أن يظهرَ الكلامَ المُوهِم للمحبّة والمُوالاة، ولكن بشرط أن يُضمرَ خلافَه، وأن يعرضَ في كلِّ ما يقول"(۲). "یہ یوں ہے کہ زبان سے دشمنی ظاہر نہ کرے، بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ ایسا کلام کہے جو محبت ودوستی کا وَہم دلائے، مگر شرط یہ ہے کہ دل میں اس کے خلاف ہو، اور جو کچھ کہے پہلودار بات کہے"۔

صُوریّہ کی اعلیٰ قسم (۶) مُداہنت ہے، اس کی رخصت صرف بحالت مجبوری واِکراہ ہی ہے، اور ادنیٰ قسم (۷) مُدارات، یہ مصلحۃً بھی جائز ہے، قال الله تعالی: ﴿وَاِنۡ اَحَدٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ اسۡتَجَارَكَ فَاَجِرۡهُ حَتّٰى يَسۡمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبۡلِغۡهُ مَاۡمَنَهٗ﴾(۳)

---

(۱) "مدارك التنزيل" آل عمران، تحت الآية: ۲۸، ۱/ ۱۵۳.

(۲) "التفسير الكبير" آل عمران، الآية: ۲۸، ۸/ ۱٤.

(۳) پ ۱۰، التوبة: ٦.

"اگر کوئی مشرک تم سے پناہ چاہے تو اسے پناہ دو؛ تا کہ کلامِ الٰہی سنے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو"۔ ظاہر ہے کہ اس وقت غلظت و خشونت مُنافیٔ مقصود ہو گی!۔

مُدارات کا بیان

مُدارات صرف اس ترکِ غلظت کا نام ہے، اظہارِ اُلفت و رغبت پھر کسی قسم اعلیٰ میں جائے گا اور اسی کا حکم پائے گا! مُدارات و مُداہنت کے بیچ میں مُوالاتِ صُوریّہ کی دو ۲ قسمیں اَور ہیں: (۸) برّ و اِقساط، (۹) اور مُعاشرت۔ یہ نو ۹ صورتیں مُوالات کی ہوئیں، اور دس کی مکمِّل (۱۰) مجرّد مُعاملت ہے، نہ کہ میلان پر مبنی، نہ اس سے مُنبِیٔ، یہ سوائے مرتَد ہر کافر سے جائز ہے، جب تک کسی محظورِ شرعی کی طرف منجر نہ ہو۔ مُعاشرت کے نیچے افعال کثیرہ ہیں: سلام، کلام، مصافحہ، مجالَست، مُساکنت، مُؤاکلت، تقریبوں میں شرکت، عیادت، تعزیت، اِعانت، استعانت، مشورت وغیرہا، ان سب کے صُور و شُقوق کی تفصیل، اور ہر صورت پر بیان حکم و دلیل ایک مستقل رسالہ چاہے گا!""[1]۔

خلاصۂ کلام: مذکورہ بالا مسئلہ کا تعلق ہندوستان کے اُس دَور سے ہے، جب سرزمینِ ہند پر انگریز قابض تھے، ایسے میں بعض نادانوں نے ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ بلند کر کے، انگریزوں کے خلاف ترکِ مُوالات کی تحریک چلا رکھی تھی۔ امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے براہِ راست قرآنی آیات کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً یہ مسئلہ بیان کیا، اور مُوالات کی ۹ اَقسام بیان کرتے ہوئے مُوالات اور مُعاملت کے باہمی فرق کو خوب واضح کیا!۔

---

(۱) "فتاویٰ رضویہ" "کتاب السیر، فتاویٰ، ۱۱/ ۵۱۱-۵۱۴۔

کفّار سے اِستعانت کی اَقسام اور ان کے اَحکام کا اِستنباط

کفّار سے اِستعانت کی اَقسام اور اُن کے اَحکام کا اِستنباط بھی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی اجتہادی شان پر ایک رَوشن دلیل ہے۔ واضح رہے کہ یہاں اِستعانت سے مراد وہ معروف اِستعانت نہیں، جو ہم بطور وسیلہ اَولیائے کرام سے چاہتے ہیں، بلکہ یہاں کفّار سے مُفاہمت کر کے ان سے فائدہ اٹھانا مراد ہے۔

امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ علیہ نے اِستعانت کی اَقسام واَحکام بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "تحقیقِ مقام بتوفیقِ مُنعام یہ ہے، کہ یہاں استعانت کی تین ٣ حالتیں ہیں: (١) اِلتجاء (٢) اعتماد (٣) استخدام۔

اِلتجاء: یہ کہ قلیل گروہ اپنے کو ضعیف وکمزور یا عاجز پاکر، کثیر وقوی و طاقتور جتھے کی پناہ لے، اپنا کام بنانے کے لیے اس کا دامن پکڑے۔ یہ بَداہۃً اپنے آپ کو اُن کے ہاتھ میں دے دینا ہوگا، اور اِنہیں خواہی نخواہی اُن کے اشارے پر چلنا، اُن کی پس رَوِی کرنی پڑے گی۔

اعتماد[1]: یہ کہ گروہ مُساوِی سے یارانہ گانٹھیں، انہیں اپنا یاوَر ویار ومُعین ومدد گار بنائیں، ان کی مدد ومُوافقت سے اپنے لیے غلبہ وعزّت وکامیابی چاہیں۔ یہ اگرچہ اپنے آپ کو اُن کے رحم پر چھوڑ دینا نہیں، مگر اُن کی ہمدردی وخیر خواہی پر اعتماد یقیناً ہے۔ کوئی عاقل خون کے پیاسے دُشمن بدخواہ کو مُعین وناصر نہ بنائے گا! یہاں

(١) اعتماد ہر استعانت میں ہے، اور یہاں یہ مراد کہ صرف اعتماد ہے، اِستیلاء نہ اُن کا نہ اپنا۔ منہ [امام احمد رضا] غفر لہ۔

مُساوات کے یہی معنی نہیں کہ ہر طرح قوّت میں ہمارا ہم سنگ ہو، بلکہ خود سَر گروہ کہ ہمارے ہاتھ میں مجبور نہیں، اور ہمارے ساتھ اظہار بدخواہی کر سکتا ہے، اسی شِق میں ہے؛ کہ باوصف خود سَری اسے ناصر بنانا بے اعتماد نہ ہوگا!۔

یہ دونوں صورتیں کفّار کے ساتھ، یقیناً قطعاً نُصوصِ قطعیہ قرآنیہ سے حرامِ قطعی ہیں، جن کی تحریم کو پہلی اور دوسری دو ۲ ہی آیتیں[1] کافی ووافی ہیں، ہرگز کوئی مسلمان انہیں حلال نہیں کہہ سکتا۔

استخدام: یہ کہ کافر ہم سے دَبا ہو، اُس کی چُٹیا ہمارے ہاتھ میں ہو، کسی طرح ہمارے خلاف پر قادِر نہ ہو، وہ اگرچہ اپنے کفر کے باعث یقیناً ہمارا بدخواہ ہوگا، مگر بے دست وپا ہے، ہم سے خَوف وطمع رکھتا ہے، خَوفِ شدید کے باعث اظہارِ

---

(۱) **آیت ۱:** ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ (پ ٤، آل عمران: ١١٨) "اے ایمان والو! اپنے غیروں کو رازدار نہ بناؤ، وہ تمہاری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے! ان کی دلی تمنّا ہے تمہارا مشقّت میں پڑنا، دُشمنی ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے، اور وہ جو اُن کے سینوں میں دَبی ہوئی ہے اَور بڑی ہے! بے شک ہم نے تمہارے سامنے نشانیاں صاف بیان فرما دیں اگر تمہیں عقل ہو!"۔

آیت ۲: ﴿ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۞ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴾ (پ ٥، النساء: ١٣٨، ١٣٩) "اے حبیب! خوشخبری دو منافقوں کو کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے، وہ جو مسلمانوں کے سوا کافروں کو مددگار بناتے ہیں، کیا ان کے پاس عزّت ڈھونڈتے ہیں؟ عزّت تو ساری اللہ کے قبضے میں ہے!"۔

بدخواہی نہ کرسکے گا، بلکہ طمع کے سبب مسلمان کے بارے میں نیک رائے ہوگا۔

الحمد للہ! یہ تقریر فقیر -غفر لہ القدیر- نے تفقہاً لکھی تھی، پھر امام شمس الائمہ سَرَخسی کی "شرح" "سیرِ صغیر" امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھی، عظیم وجلیل تائید ملی!"[1]۔

خلاصۂ کلام: فقہائے کرام نے ذِمّی (کتابیوں) سے اِستعانت کا جواز تو بیان فرمایا ہے، لیکن کفّار سے کس صورت میں اِستعانت جائز ہے؟ کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں۔ امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّھاً یہ مسئلہ بیان کیا۔

بدھ کے روز ناخن تراشنے سے متعلق دو متعارض روایتوں میں تطبیق وترجیح

بدھ کے روز ناخن تراشنے سے متعلق دو ۲ روایتوں میں، بظاہر باہم تعارُض ہے، جن کے بارے میں امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ سے استفتاء کیا گیا کہ "طحطاوی حاشیہ درِّ مختار" جلد رابع ۴ میں ہے: "وردَ في بعض الآثار النهيُ عن قَصّ الأظافر يومَ الأربعاء؛ فإنّه يُورِث البرصَ"[2] "بعض آثار میں بدھ کے دن ناخن کترنے کی ممانعت آئی ہے؛ کہ اس کام سے مرضِ بَرَص (Vitiligo) پیدا ہوتا ہے" اس کی سند کیا ہے؟ اور یہ روایت کس درجہ کی ہے؟ اور یہ روایت بظاہر مُعارِض ہے روایتِ دَیلمی کی: «ومَن قلمَها يومَ الأربعاء خرجَ

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب السیر، ۱۱/ ۵۴۳۔

(۲) "حاشية الطحطاوي على الدُر" كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ٤/ ٢٠٢.

منه الوسواسُ والخوفُ، ودخلَ فيه الأمنُ والشفاءُ»"[1] "جس نے بدھ کے روز ناخن کاٹے، اس سے شیطانی وسوسے اور خوف نکل جائیں گے، اور اس میں امن اور شفاء داخل ہو جائیں گی!"۔

تو اِن دونوں روایتوں میں تطبیق یا ترجیح کی کیا صورت ہے؟ اور بدھ کے دن ناخن تراشنا کیسا ہوگا؟"[2]۔

امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اجتہادی رائے سے اُن دونوں روایتوں کو باہم تطبیق دی، اور بظاہر نظر آنے والے تعارُض کو رفع کرتے ہوئے، اور حکمِ استحباب کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا کہ "اصل مسئلہ یہی ہے کہ وہ -كيف ما اتّفق- مستحب ومسنون ہے، اور دن کی تعیین یا منع میں کوئی حدیث ثابت نہیں، یوم الاَربِعاء (بدھ کے روز ممانعت کی حدیثیں دونوں ضعیف ہیں، اگر روزِ چہار شنبہ (Wednesday) وُجوب کا دن آجائے، مثلاً اُنتالیس ۳۹ دن سے نہیں تراشے تھے، آج بدھ کو چالیسواں ۴۰ دن ہے، اگر آج بھی نہیں تراشا تو چالیس ۴۰ دن سے زائد ہو جائیں گے، اور یہ ناجائز ومکروہِ تحریمی ہے كما في "القنية" و"الهنديّة"[3] وغیرھما- تو اس پر واجب ہوگا کہ بدھ کے دن تراشے۔ لیکن اگر حالت سعت واختیار کی ہے، تو بدھ کے دن نہ تراشنا مناسب؛ کہ جانبِ خطر کو ترجیح رہتی ہے، اور حدیث اگرچہ ضعیف ہے، مگر حدیثِ صحیح

(۱) انظر: "كشف الخفاء" حرف الياء التحتانية، تحت ر: ۳۲۵۵، ۲/ ٤٩٠، نقلاً عن الدَيلمي.

(۲) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب الحظر والإباحة، بدھ کے دن ناخن تراشنے کا حکم، ۱۶/ ۴۳۳۔

(۳) "الهندية" كتاب الكراهية، الباب ۱۹، ٥/ ۳٥۷، ۳٥۸.

"صحیح بخاری": «كيف وقد قِيلَ ؟!»[۱] اس کی مؤیّد ہے۔

امام ابن الحاج مکّی علیہ الرحمۃ نے بدھ کے دن ناخن تراشنے چاہے، پھر خیال کیا کہ حدیث میں ممانعت آئی ہے، پھر کہا: یہ سنّتِ حاضرہ ہے اور حدیث ضعیف! تراش لیے، فوراً مبتلائے بَرَص ہوگئے، شب کو زیارتِ اقدس سے مشرّف ہوئے، سرکار میں فریاد کی، ارشاد ہوا: "کیا تمہیں حدیث نہ پہنچی تھی؟" عرض کی: حضور میں نے خیال کیا کہ یہ سنّتِ حاضرہ ہے اور حدیث ضعیف! ارشاد ہوا: "کیا تم نے نہ سُنا تھا کہ ہم نے فرمایا ہے؟!" پھر دستِ اقدس ان کے بدن پر مَس فرمایا کہ فوراً اچھے ہوگئے، اُٹھے تو اچھے تھے، واللہ تعالی أعلم"[۲].

خلاصۂ کلام: بدھ کے روز ناخن تراشنا مستحب ہے یا مکروہ؟ اس بارے میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، لیکن ترجیح کس قول کو ہے؟ کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں۔ امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً مسئلہ کی بہترین وضاحت فرمادی۔

جُوتے پر مصنوعی گولڈ کے استعمال سے متعلق فقہی حکم کا اِستنباط

جھوٹے کام (Imitation Goldwork) کا جُوتا، مَرد وزَن کو پہننا جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ نَو پید مسائل میں سے ایک ہے، اس بارے میں ائمۂ مذہب سے کوئی صریح روایت مَوجود نہیں۔ اعلی حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالی سے جب اس بارے

(۱) "صحيح البخاري" كتاب العلم، باب الرحلة في المسألة النازلة، ۱/ ۱۹.

(۲) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب الحظر والإباحۃ، بدھ کے دن ناخن تراشنے کا حکم، ۱۶/۴۳۳۔

میں استفتاء کیا گیا، تو حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یہ جزئیہ کتب متداولہ فقہ میں فقیر -غفر اللہ تعالی لہ- کی نظر سے نہ گزرا، مگر ظاہر یہ ہے -والعلمُ عند اللہ- کہ جُھوٹے کا م (Imitation Goldwork) کا جُوتا مَرد وزَن سب کے لیے مکروہ ہونا چاہیے؛ فإنّ المنسوجَ كغيره، ولا شكَّ أنّ النِعالَ من أنواع الملبوسات، والنساءُ والرجلُ سواءٌ في كراهة لُبس النُحاس"[1].

خلاصۂ کلام: ایسا جُوتا جس پر آرٹیفیشل گولڈ (Artificial Gold) کا کام کیا گیا ہو، اُس کا پہننا مرد وعورت کے لیے مکروہ ہے، کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں۔ امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّھاً یہ مسئلہ بیان کیا۔

مشترکہ مالِ وراثت سے متعلق چند اَحکام کا اِستنباط

مشترکہ مالِ وراثت سے متعلق اَحکام کا اِستنباط بھی، امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ کے اجتہادی نظائر میں سے ایک ہے۔ حضرت فقیہِ اعظم امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ سے اِستفتاء کیا گیا کہ "زَید ایک زَوجہ اور ایک پسر بالغ، اور ایک دُختر بالغہ، اور دو ۲ لڑکیاں نابالغہ چھوڑ کر فَوت ہوا، نابالغ بہنیں اپنے جوان بھائی بکر کی پرورش میں رہیں، جب وہ بالغ ہوئیں تو بکر نے ان کی شادیاں معمولی خرچ سے کر دیں، اور جو

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب الحظر والإباحۃ، رسالہ "الطِيب الوجيز في أمتِعَة الوَرَق والإبريز" ۱۵/ ۲۰۸۔

بڑی بہن بکر کی تھی اس کی شادی زَید نے خود اپنی زندگی میں کر دی تھی، اس کی پرورش یا شادی کا خرچ بکر کے پاس نہ ہوا، صرف دو ۲ بہنوں کا خرچِ پرورش وشادی اپنے مالِ متروکہ مشترکہ سے کیا۔ اس صورت میں یہ خرچ بکر کو ان دونوں چھوٹی بہنوں سے مُجرا (وُصولی) مل سکتا ہے یا نہیں؟"[1]۔

امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں متعدّد فقہی جزئیات بطور دلیل پیش کیے، اور ضمناً اپنے اجتہاد سے بھی متعدّد فقہی مسائل اِستنباط کیے، اُن کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

(۱) جو کچھ بکر نے اُن لڑکیوں کی پرورش میں صرف کیا، اگر نفقۂ مثل کا دعوی کرے تو بے شک دِیانۃً مُجرا پائے گا۔

(۲) عبارتِ سوال میں مذکور ہے کہ دونوں قاصرہ (چھوٹی بہنیں) وقتِ شادی جوان تھیں، اور سائل نے بعد استفسار بذریعۂ تحریر اظہار کیا، کہ مَصارفِ عَروسی وجہیزِ عَروس سب بکر نے محض اپنی رائے سے کیے، لہذا جو کچھ بکر نے صَرف کیا، بہنوں کے ساتھ تبرُع واحسان ہوا، جسے کسی سے مُجرا نہ پائے گا، سب صَرف اُسی کے حصے پر پڑے گا، خواہ ضماناً خواہ قصاصًا۔ دوسرے ورَثہ جنہوں نے نہ خود صَرف کیا، نہ صراحۃً اِذن دیا، یہ بَری رہیں گے، اگرچہ انہوں نے صَرف ہوتے دیکھا (لیکن اس کے باوُجود) وہ خاموش رہے ہوں۔

(۳) دلہن کا جہیز اگر بکر نے بطورِ ہبہ نہ دیا، بقصدِ مُجرائی دیا، تو ہبہ نہ دینا کچھ

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الوصایا، ۱۷/ ۴۳۵۔

اثر پیدا نہ کرے گا، جبکہ باہم کسی قسم کی کوئی گفتگو نہ آئی کہ "یہ اشیاء تیرے فُلاں حصہ کے مُعاوَضہ میں دیتے ہیں، اس کے بعد کُل ترکہ یا ترکہ کی فُلاں قسم میں تیرا حصہ نہ ہو گا"۔

(۴) باقی وُرثاء جنہوں نے اِذن نہ دیا، مختار رہیں گے کہ جو کچھ ہلاک ہوا، چاہیں اپنے حصوں کا تاوان بکر سے لیں، چاہیں دلہن سے۔

(۵) اور جو کچھ (اشیائے جہیز) باقی ہوں، وہ دلہن سے واپس لے کر فرائضِ الٰہیہ پر تقسیم ہو جائیں۔

یہ سب اَحکام اس صورت میں تھے کہ بکر نے جہیز بطورِ ہبہ نہ دیا ہو، اور بے شک اس امر میں کہ ہبہ کی نیّت تھی یا مُجرائی کی؟ بکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا۔

(٦) اسی طرح اگر بکر نے دل میں نیّتِ ہبہ کی، مگر دلہن نے ہبہ جان کر قبضہ نہ کیا، بلکہ مثلاً اپنے حصے کا مُعاوَضہ یا حصے میں مُجرائی سمجھ کر لیا، تو بھی بعینہ یہی اَحکام ہوں گے؛ کہ اس صورت میں دلہن کی طرف سے قبولِ ہبہ نہ پایا گیا۔

(۷) اگر بکر کا اِرادۂ ہبہ قولاً، یا فعلاً، یا دَلالۃً کسی طرح ظاہر ہوا، جس کے سبب دُلہن نے اُسے ہبہ ہی سمجھ کر قبضہ کیا، تو البتہ اِیجاب وقبول دونوں متحقق ہو گئے۔

(۸) اور جو کچھ عینِ ترکہ سے ہبہ کیں، تو ہبہ باقی وُرثاء کے حق میں نافذ نہ ہوا؛ إذ لا إذنَ منهم، ولا ولايةَ عليهم. تو اُن کے حصے تو بہر حال دُلہن کے ہاتھ میں مضمون رہے، اور ضمان کا وہی حکم کہ انہیں اختیار ہے، چاہیں بکر پر ڈالیں یا دلہن پر، جس پر ڈالیں دوسرے سے مُجرا نہ پائے گا۔

(۹) اسی طرح اگر مال ناقابلِ تقسیم ہو، مگر دلہن نہ جانے کہ اس میں بکر کا حصہ کس قدر ہے؟ جب بھی ہبہ صحیح نہ ہو گا، اور بعد ہلاک وہی حکم ہے کہ بکر کا تاوان

دلہن پر آئے گا۔

(۱۰) اور اگر دلہن کو معلوم تھا، تو اِس قدر میں ہبہ صحیح ونافذ وتامّ ولازم ہوگیا۔

اور اوّل سے آخر تک سب صورتوں میں جو مشترک چیزیں دلہن کے ہاتھ میں تلف ہوئیں، ان میں دلہن اپنے حصے کا تاوان کسی سے نہیں لے سکتی؛ کہ اِس کا مال اِسی کے ہاتھ میں ہلاک ہوا، اور بکر نے اس کے حصے پر کوئی تعدّی نہ کی!"[1]۔

آخر میں امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحدیثِ نعمت کے طَور پر فرمایا کہ "هذا كلُّه -من أوّله إلى آخره- ممّا أُفيضَ على قلب الفقير من فيض القدير، وأخذتُه تفقُّهاً من كلمات العلماء، أعظمَ اللهُ أجورَهم يومَ الجزاء! فما أصبتُ فمِن الله تعالى وله الحمدُ عليه! وما أخطأتُ فمِن قصورِ نفسي وأنا أتوب إليه!. أتِقنْ هذه إتقاناً كبيراً؛ فإنّ المسائلَ ممّا تمسُّ إليه الحاجةُ كثيراً، فاغتنِمْ هذا التفصيلَ الجميل، والحمدُ لله على فيضِه الجليل! والله سبحانه وتعالى أعلم"[2].

یعنی "یہ تمام بحث اَز اوّل تا آخر، ربِّ قدیر عزّوجلّ کے فیض سے فقیر کے دل میں ڈالی گئی، اور میں نے اسے تفقُّہاً فقہائے کرام کے ارشاداتِ عالیہ سے اَخذ کیا، لہذا جو میں نے دُرست کہا وہ اللہ کی طرف سے ہے، جس پر ذاتِ باری تعالی کے لیے حمد وتعریف ہے، اور جہاں مجھ سے خطا ہوئی تو یہ میرا اپنا قصور ہے، جس پر میں

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب الوصایا، ۱۷/ ۴۳۵-۴۴۲، ملتقطاً۔

(۲) ایضاً، ص۴۴۲۔

اللہ ربّ العالمین کی طرف تَوبہ ورُجوع کرتا ہوں!"۔

خلاصۂ کلام: مشترکہ مالِ وراثت میں (دیگر بالغ ونابالغ وُرثاء کی اجازت واختیار کے بغیر) تصرُف اور ہبہ کے متعدّد مسائل اور اَحکام ایسے ہیں، جن کی کتبِ اکابر میں صراحت نہیں ملتی۔ امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فقہاء کی عبارتوں کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً انہیں بیان فرمایا۔

باب ہفتم ۷

دیگر علوم وفنون میں امامِ اہلِ سنّت کا اجتہاد

انگوٹھے چومنے کا مسئلہ

حضور نبیٔ کریم ﷺ کے اسمِ گرامی پر انگوٹھے چومنے کے مسئلہ پر ائمۂ مذہب سے کوئی قولِ صریح نہیں، محدِثِ اجلّ امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مسئلہ پر تقریبًا دو سو ۲۰۰ صفحات پر مشتمل کتاب "منیر العین" تصنیف فرمائی، جس میں اُصولِ حدیث اور دلائل کے ساتھ ساتھ اپنے اجتہاد سے متعدِّد اِفادات بھی تحریر فرمائے، صرف یہی نہیں بلکہ آپ نے اسی رسالہ میں "الهاد الكاف في حكم الضِعاف" (ضمنی رسالہ) کے تحت علومِ حدیث کی روشنی میں، حدیثِ ضعیف کے قبول ورَدّ اور استحباب کے ثابت ہونے پر بھی انتہائی جامع کلام فرمایا۔ ذَوق مُطالعہ رکھنے والے اَحباب "فتاوی رضویہ" کتاب الصلاۃ، باب الاَذان والاِقامۃ کے تحت یہ رسالہ ملاحظہ فرماسکتے ہیں[1]۔

نیز "ادارہ اہلِ سنّت کراچی" نے اس رسالے کی اِفادیت اور اہمیت کے پیشِ نظر، اسے عربی زبان میں بھی شائع کیا ہے؛ تاکہ عرب دنیا بھی امام اہلِ سنّت کے علم وفیض سے مستفید ہوسکے!۔

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الصّلاۃ، باب الاَذان والِاقامۃ، رسالہ "منير العين في حكم تقبيل الإبهامَين" ۴/۳۴۴-۴۸۳۔

علاوہ ازیں امام اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے "فتاوی رضویہ" اور دیگر کتب میں جن احادیث سے استدلال کیا، اُن کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ امام اہلِ سنّت کی علمِ حدیث میں مہارت کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے "جامع الاحادیث" کا مطالعہ کیجیے، جس میں استاذ العلماء علّامہ محمد حنیف خاں رضوی -اطال اللہ عمرہ- نے امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی مختلف کتابوں سے، ساڑھے تین ہزار سے زیادہ احادیثِ مبارکہ یکجا فرمائی ہیں۔

نوٹ: علمِ حدیث میں فقیہ مجتہد حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی مہارت کا یہ ایک نمونہ ہے، ورنہ امام اہلِ سنّت کے مختلف فقہی اور غیر فقہی موضوعات سے متعلق مختلف رسائل میں، ایک ایک عنوان پر اَحادیثِ مبارکہ کا اتنا ذخیرہ ہے کہ گویا ایک سیلِ رَواں ہے، جسے دیکھنے سے آنکھیں ٹھنڈی اور دل شاد ہوتا ہے، لہذا جس کو نظارہ کرنا ہو اُسے چاہیے کہ "فتاوی رضویہ" کے مطالعہ سے شرف یاب ہو! البتہ ہم یہاں مختلف موضوعات سے متعلق اُن رسائل میں سے کچھ کا ذکر کیے دیتے ہیں:

(۱) حاجز البحرَين الواقي عن جمع الصلاتَين، (۲) النَّهيُ الأكيد عن الصّلاة وراءَ عِدَى التقليد، (۳) شمائم العنبر في أدب النداء أمامَ المنبر، (٤) إتيانُ الأرواح لدِيارهم بعد الرَّوَاح، (٥) الزَّهر الباسم في حرمة الزكاة على بني هاشم، (٦) دَوام العَيش في الأئمة مِن قرَيش، (٧) أعجب الأمداد في مكفّرات حقوق العباد، (٨) صَفائحُ اللُّجَين في كون التَّصافُح بكفَّي اليدَين، (٩) الزُّبدة الزَّكية لتحريم سُجود التحيّة، (١٠) رادُّ القَحط والوباء بدعوة الجيرانِ ومُؤاساةِ الفُقراء، (١١) الحقُّ المُجتَلَى في حكم المُبتَلَى،

(١٢) الهداية المباركة في خَلْق الملائكة، (١٣) إسماع الأربعين في شفاعة سيِّد المحبوبين[1] .

نظریۂ سکونِ زمین

زمین ساکن ہے یا متحرک؟ اس بارے میں ائمۂ مذہب سے کوئی صریح روایت نہیں ملتی، مگر جب امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس بارے میں استفسار کیا گیا، تو آپ نے "نُزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین وآسمان" نام سے ایک مدلّل مستقل رسالہ تحریر فرمایا، اور اس میں متعدّد آیاتِ قرآنیہ، کتبِ تفاسیر اور لُغات کے ذریعے ثابت کیا کہ "زمین وآسمان دونوں ساکن ہیں، کواکب چل رہے ہیں"[2]۔ صرف یہی نہیں بلکہ "معینِ مبین بہر دَورِ شمس وسکونِ زمین"[3] اور "فوزِ مبین در ردِّ حرکتِ زمین"[4] نام سے دو ٢ رسالے بھی تحریر فرمائے، جن میں قرآن وحدیث کے علاوہ سینکڑوں سائنسی دلائل کے ذریعے، حرکتِ زمین سے متعلق نیوٹن (Newton) اور گلیلیو (Galileo) جیسے نامور سائنسدانوں کے فاسد نظریات کا ردِّ بلیغ فرمایا۔

صرف "فوزِ مبین در ردِّ حرکتِ زمین"[5] میں حضرت امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حرکتِ زمین سے متعلق سائنسی نظریے کے رَد و بُطلان پر کُل ایک سو پانچ

---

(١) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" اِجمالی فہرست فتاوی رضویہ جملہ مجلّدات، ١/ ١١- ٢٠۔ "حیاتِ اعلیٰ حضرت" حصہ دُوم ٢، تصنیفات باعتبارِ فن، علمِ فقہ، صـ٣١٣- ٣١٩۔

(٢) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" كتاب الرد والمناظرة، رسالہ "نُزولِ آیاتِ فرقان بسکونِ زمین وآسمان" ٢٢/ ٢٤٠۔

(٣) ایضًا، صـ٢٦٣۔

(٤) ایضًا، صـ٢٧٥۔

(٥) ایضًا، صـ٢٧٥۔

۱۰۵ دلائلِ عقلیہ ونقلیہ پیش فرمائے، جن میں نوے ۹۰ دلیلیں خاص امام احمد رضا کی اجتہادی بصیرت اور غَور وفکر کا نتیجہ ہیں۔

یہ دلائل پیش کرنے کے بعد حضرت امام نے خلاصۂ کلام بیان کرتے ہوئے تحدیثِ نعمت کے طَور پر فرمایا کہ "بحمد اللہ تعالی ایک سو پانچ ۱۰۵ دلیلیں ہیں، نوّے ۹۰ خاص ہماری ایجاد، اور پندرہ ۱۵ اگلوں(۱) سے، لیکن فصلِ اوّل کی پہلی، اور دوم ۲ کی پچاس ۵۰، اور سوم ۳ کی دلیل نمبر ۸۳، یہ ۵۲ دلیلیں زمین کی حرکت گرد شمس، اور حرکت گرد محور ودونوں کو باطل کرتی ہیں، اور فصلِ سوم ۳ کی ۸۴ تا ۱۰۵ باستثناء ۹۹، ۱۰۰ جملہ تینتیس ۳۳ خاص حرکت محوری کا رَد ہیں، اوّل کی اخیر گیارہ ۱۱، اور سوم کی ۶۳ تا ۸۲ بیس یہ، اور ۹۹، ۱۰۰ جملہ تینتس ۳۳ خاص حرکت گرد شمس کا رَد ہیں، تو محور پر گردش زمین بہتّر ۷۲ دلائل سے مَردود اور آفتاب کے گرد زمین کا دورہ پچاسی ۸۵ دلیلوں سے باطل"(۲)۔

---

(۱) اگلوں کے کلام میں ہم نے چوبیس ۲۴ دلیلیں پائیں، ایک رَدِّ جاذبیت میں صحیح ہے، اور ہم نے اسے تین ۳ کر دیا، اور تیئیس ۲۳ زمین کی حرکتِ محوری کے رَد میں ان میں گیارہ ۱۱ محض باطل ہیں، ایک دفعہ دوم ۲ میں گزری، اور دس ۱۰ تذییل میں آتی ہیں، ان میں دفع دوم والی، اور دو آخر تذییل کی، یہ تین ۱۳ ایجادات فاضل خیر آبادی سے ہیں، رہیں بارہ ان میں پانچ کہ یہ بھی زیاداتِ فضلیہ میں جس شَے کے ابطال کو تھیں، اسے باطل نہ کر سکیں، باقی سات ۷ کہ ان سے اگلوں کی تھیں، اور انھوں نے خود رَد کر دیں، یوں تیئیں ۲۳ کی تیئیں رَد ہو گئیں، مگر ہم نے زیاداتِ فضلیہ کی پانچ ۵ کو رُخ بدل کر صحیح کر دیا۔ منہ [امام احمد رضا] غفرلہ

(۲) "فتاوی رضویہ" کتاب الردوالمناظرہ، رسالہ "فوزِ مبین دَر ردِ حرکتِ زمین" ۲۲/ ۳۰۵- ۳۷۱۔

نظریۂ سُکونِ زمین سے متعلق لکھی گئی چند اہم کتب

"زمین ساکن ہے" یہ مَوقِف اپنانے میں امام احمد رضا منفرِد نہیں، بلکہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ سے قبل اور بعد بھی متعدّد علماء اور اہلِ علم نے یہ مَوقِف اپنایا، اور اس سلسلے میں متعدّد کتب تصنیف کیں، اُن میں سے چند اہم کتب اور ان کے مؤلّفین کے اسماء حسبِ ذیل ہیں:

(١) "البراهين الواضحة الجليّة على ثبوت سَير الأفلاك وسُكون الكُرة الأرضيّة" لأحمد بن عبد الرحمن بن عيسى النائب (ت ١١٥٥هـ)[١].

(٢) "البراهين القطعيّة على عدم دَوران الكُرة الأرضيّة" لسليم بن إلياس الحَموي الدِمشقي ثمّ المصري (ت ١٣٢٥ هـ)[٢].

(٣) "الأدِلّة النقليّة والحسّية على إمكان الصُعود إلى الكواكب وعلى جَريان الشمس والقمر وسُكون الأرض" لعبد العزيز ابن باز (ت ١٣٣٠ هـ)[٣].

(٤) "هدية الحيران في مسألة الدَوران" (الإبطال بالأدِلّة النقليّة والعقليّة لنظريّة دَوران الأرض) لعبد الكريم بن صالح الحمَيد[٤].

---

(١) قلمی نسخہ، پریسٹن یونیورسٹی، امریکہ، زیر نمبر: B١٠٣.
(٢) انظر: "إيضاح المكنون" باب الباء الموحّدة: ٣/ ١٧٥.
(٣) "الأدِلّة النقليّة والحسيّة على إمكان الصُعود إلى الكواكب وعلى جريان الشمس والقمر وسُكون الأرض" لابن باز" صـ٣.
(٤) "هدية الحيران في مسألة الدَوران" صـ١٠.

(٥) "كشف الستر واللُّبس في مسألة حركة الشمس وسُكون الأرض" للقاضي محمد علي عَلوي[1].

(٦) "حكمة الله البالغه" لمحمد گوهَر علي عَلوي[2].

علمِ توقیت (Time Keeping) کے مُوجِد

امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالی علیہ علمِ توقیت (Time Keeping) اور علمِ تکسیر (Fractional Numeral Maths) میں کمال درجہ مہارت اور مقام اجتہاد کے حامل ہیں، خلیفۂ اعلیٰ حضرت علّامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالی علیہ ان علوم میں امام اہلِ سنّت کی مہارت سے متعلق فرماتے ہیں کہ "ہیئت و نُجوم میں کمال کے ساتھ علمِ توقیت میں کمال تو حدِ ایجاد کے درجہ پر تھا، یعنی اگر اس فن کا مُوجِد (Inventor) کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا! علماء نے جستہ جستہ اس (علمِ توقیت) کو مختلف مقامات پر لکھا ہے، جب میں نے اور میرے ساتھی مولوی سیّد غلام محمد بہاری، مولانا مولوی حکیم سیّد شاہ عزیز غوث صاحب بریلوی، مولوی سیّد محمد جان بریلوی، حجۃ الاسلام صاحبزادہ والا جاہ مولانا شاہ حامد رضا خان صاحب بریلوی، (اور) مولوی نواب مرزا صاحب بریلوی نے اس فن کو حاصل کرنا شروع کیا، تو کوئی کتاب اس فن کی نہ تھی جس کو ہم لوگ پڑھتے، اسی وجہ سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالی علیہ خود ہی اس کے قواعد زبانی ارشاد فرماتے، اسی کو ہم لوگ لکھ لیتے، اور اسی کے مطابق عمل کر کے اوقاتِ نصف النہار، طلوع و غروب، صبحِ صادق، عشاء، ضحوۂ کبریٰ، عصر نکالتے، پھر میں نے ان سب (قواعدِ توقیت) کو ایک

---

(١) "مرآة التصانيف" ضميمة، ١/ ٢٨٥.

(۲) دیکھیے: "مجموعۂ فتاوی و رسائلِ علوی" صـ۱۰۲۔

کتاب میں جمع کر کے پوری توضیح و شرح کے ساتھ، مع مثال بلکہ اَمثلہ لکھ کر اس کا نام "الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت" المعروف بہ "توضیح التوقیت" رکھا، الحمد للہ یہ رسالہ مطبع نعیمی مرادآباد سے چھپ کر شائع ہو گیا ہے، اور اس سے بہت سے لوگوں نے اس علم (توقیت) کو سیکھا ہے"[۱]۔

جَدْوَل نصف النہار حقیقی اور شروع وقتِ ظہر بریلی کی اِیجاد

امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں ایک بار عرض کی گئی، کہ موسمِ گرما اور موسمِ سرما میں وقتِ زوال کس وقت ہوتا ہے؟ اگر موسمِ سرما میں وقتِ زوال بحساب قمری بارہ ۱۲ بجے سے پیشتر ہوتا ہے، تو بارہ بجے سے پہلے جو شخص نمازِ ظہر ادا کرے گا اُس کی نماز ہو گی یا نہیں؟ حضرت امام نے امّتِ مسلمہ کی اس مشکل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنے اجتہاد سے ایک جدوَل (نظام الاَوقات) مرتَّب فرمایا، اور اس میں زوال اور نمازِ ظہر کا ابتدائی وقت معلوم کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "ایک جدوَل نصف النہار حقیقی، اور شُروعِ وقتِ ظہر بریلی بحذف سیکنڈ، کہ ایک زمانہ کے لیے کار آمد ہو، ریلوے وقت سے دیا جاتا ہے؛ کہ اس وقت وہی رائج ہے، (جدوَل میں درج) ان وقتوں سے اگر بارہ ۱۲ منٹ کم کر دیں تو اصل وقت بریلی کا ہو گا۔ رامپور و دیگر بلاد کے لیے بھی یہ نقشہ بحسبِ زیادتی یا کمی وقت بریلی مُوافق نقشہ جات رمضان المبارک معدل کر لینے سے، ایک زمانہ تک کے لیے ابتدائی وقتِ ظہر معلوم کرنے کا ایک اعلیٰ درجہ کا آلہ ہو گا۔ نمازِ ظہر میں گھڑیوں کے بارہ ۱۲ بجے کا کچھ اعتبار نہیں، مگر نصف النہار کے بعد نماز ہو گی، اور قبل پڑھنے سے نماز نہ ہو گی"[۲]۔

---

(۱) "حیاتِ اعلیٰ حضرت" حصہ دُوم ۲، ہیئت و توقیت وغیرہ میں کمال، ص۱۴۲، ۱۴۳، ملتقطاً۔
(۲) "ماہنامہ المیزان" امام احمد رضا نمبر، فقہیات، امام احمد رضا کی پیاری پیاری باتیں، ص۱۷۶، ۱۷۷۔

فنِ تحدیدِ قبلہ کے لیے دس قاعدوں کا اِستخراج

امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ جن عقلی علوم میں اجتہادی شان رکھتے ہیں، علمِ توقیت کی ایک شاخ "تحدید وتعیینِ سَمت" کا فن بھی اُن میں سے ایک ہے۔ رُوئے زمین کے کسی بھی خطے میں سَمتِ قبلہ معلوم کرنے کے لیے جو طریقہ پہلے سے رائج تھا وہ ناکافی وغیر تسلّی بخش تھا، لہذا حضرت امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے اجتہاد سے اس سلسلے میں دس ۱۰ قواعد وضع کرکے، تحدیدِ قبلہ کو ایک مستقل فن کی شکل دی، اور پورے کُرۂ ارض کو ان قوانین کی آغوش میں اس طرح لے لیا، کہ دنیا کے کسی بھی خطے میں صحیح سَمتِ قبلہ معلوم کرنا نہایت آسان ہوگیا۔

ان قواعد کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے خوب لگایا جاسکتا ہے، کہ حضرت فقیہِ اسلام امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ "الحمد للہ ہمارے یہ دسوں قاعدے تمام زمینِ زیر وبالا، بحر وبر، سہل وجبل، آبادی وجنگل سب کو محیط ہوئے، کہ جس مقام کا عرض وطول معلوم ہو، نہایت آسانی سے اس کی سمتِ قبلہ نکل آئے، آسانی اتنی کہ ان سے سہل تر، بلکہ ان کے برابر بھی اصلاً کوئی قاعدہ نہیں، اور تحقیق ایسی کہ عرض وطول اگر صحیح ہو، اور ان قواعد سے سمتِ قبلہ نکال کر استقبال کریں، اور پردے اٹھا دیے جائیں، تو کعبہ معظّمہ کو خاص رُوبرو پائیں!"[1]۔

اہلِ علم حضرات امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وضع کردہ یہ قواعد حضرت کی مستقل تصنیف "كشف العِلّة عن سَمت القبلة" میں ملاحظہ فرمائیں، یہ رسالہ

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، رسالہ "كشف العِلّة عن سَمت القِبلة" ۴/۳۵ــ۷۔

"فتاوی رضویہ" جلد چہارم ۴، کتاب الصلاۃ[1] میں بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

چاند دیکھنے کے اُصول وضوابط

رُؤیتِ ہلال کے نئے قوانین کا وضع فرمانا بھی امامِ اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی اجتہادی بصیرت پر ایک روشن دلیل ہے، آپ چاند دیکھنے کے اُصول وضوابط وضع کرنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ "رُؤیتِ ہلال ایک کمال نامنضبط شَے ہے، بطلیموس نے "مجسطی" میں ثوابت وسیّارات کے ظُہور وخَفا کا قانون لکھا، اور رُؤیتِ ہلال کو ہاتھ نہ لگایا۔ علمائے اسلام کو اس کی ضرورت ہوئی، قاعدۂ تقریبیہ وضع فرمایا، مگر وہ کثیر الاِشکال طویل الاَذیال ہے۔ فقیر چاہتا ہے کہ -بعَونِ ربّ قدیر عزّجلالہ- **اَوّلاً** بعض قواعد آسان وضع وتبیین کرے، جن سے اندازہ ہو کہ ہلالِ مطلوب قابلِ رُؤیت ہے یا نہیں! اگر ظاہر ہو کہ صالحِ رُؤیت نہیں، اعمالِ قاعدۂ طویلہ کی حاجت نہ ہو۔ **ثانیاً** اس قاعدۂ قدیمہ کے اِعمال میں حتَی الاِمکان تخفیف کرے؛ کہ حساب جتنا ہلکا اُتنا [اُجلا] وباللہ التوفیق"۔

اس کے بعد "اوّل قاعدۂ فصل وعرض" بیان کرتے ہوئے امامِ اہلِ سنّت نے مزید فرمایا کہ "اس کی معرفت کہ شمس سے کتنے فصل پر ہلال حدِّ رُویت میں ہوگا؟ اور اس کے لیے ہر فصل پر کتنا عرضِ قمر درکار ہے؟

الحمد للہ یہ ایک علم تازہ ہے، کہ فیضِ قدیر سے قلبِ فقیر پر فائز ہوا، وللہ الحمد![2]۔

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب الصلاۃ، رسالہ "کشف العِلّة" ۴/۷۰۵۔

(۲) "فتاوی رضویہ" "کتاب الصوم، رسالہ "قانون رؤية أهِلّة" ۸/ ۳۱۸۔

نُصوصِ شرعیہ سے براہِ راست اِستدلال اور سات سیّاروں کا ثبوت

قرآنِ حکیم میں ہر خشک و تَر چیز کا بیان مَوجود ہے، اس تناظُر میں امام اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ سے استفتاء کیا گیا کہ "سبع سیّارہ (سات ۷ ستاروں: (۱) سورج (۲) چاند (۳) زحل (۴) عطارُد (۵) مشتری (۶) مریخ (۷) زہرہ) کا بیان کس آیت میں ہے؟" اس پر امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالیٰ نے براہِ راست نُصوصِ شرعیہ سے اِستدلال کیا، اور اپنی اجتہادی رائے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"قال اللہ تعالی: ﴿وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ﴾[۱] اللہ تعالی فرماتا ہے: "سورج، چانداور ستارے سب اُسی کے حکم کے فرمانبردار ہیں" اور: ﴿كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ﴾[۲] سے بھی اس طرف اشارہ ہے؛ کہ اس میں سات ۷ حرف ہیں۔

اپنے نفس پر دائر اور "یزیّن"[۳] کا بیان تو بکثرت فرمایا، خاص متحیراتِ خمسہ کا ذکر: ﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ﴾[٤] میں ہے، "میں قسم یاد فرماتا ہوں! ڈُبک جانے والوں، چلنے والوں کی"۔ یہ ان کے وُقوف، اِستقامت ورجعت کا بیان ہے، کہ سیدھے چلتے ہیں، پھر ٹھہر جاتے ہیں، پھر پیچھے ہٹتے ہیں، پھر ٹھہرتے ہیں، پھر سیدھے ہو جاتے ہیں، اس لیے ان کو متحیرہ کہتے ہیں۔

---

(۱) پ ١٤، النحل: ١٢.

(۲) پ ٢٣، یٰسٓ: ٤٠.

(۳) یعنی آراستہ کرنا۔ (القاموس الوحید، ص ۷۳۲)۔ [میمن]

(٤) پ ٣٠، التكوير: ١٥، ١٦.

وہ پانچ ستارے جن کے سِوا کوئی ستارہ کہکشاں کو قطع نہیں کرتا

ابنِ ابی حاتم "تفسیر" میں امیر المؤمنین مَولیٰ علی -کرّم اللہ تعالی وجہہ الکریم- سے ﴿فَلَآ أُقۡسِمُ بِٱلۡخُنَّسِ﴾ کی تفسیر میں راوی، قال: «خمسةُ أنجُم: (١) زُحل (٢) وعطارُد (٣) والمشتري (٤) وبَهرام (٥) والزهرة. ليس في الكواكب شيءٌ يقطع المجرةَ غيرُها»[1] فرمایا: "وہ پانچ ۵ ستارے ہیں: (۱) زحل (۲) عطارد (۳) مشتری (۴) مریخ (۵) زہرہ، کوئی ستارہ اِن کے سوا کہکشاں کو قطع نہیں کرتا" یعنی ثوابت میں جو کہکشاں پر ہیں وہ وہیں ہیں، جو اُس کے اِدھر اُدھر ہیں وہ وہیں ہیں، ان کی حرکتِ طبیعہ (Intrinsic Motion) خفیفہ خفیہ ایسی نہیں کہ ابھی کہکشاں سے اِدھر تھے، چند ہی مدّت میں اُس پار چلے گئے، یہ شان انہی پانچ ۵ نُجوم کی ہے، واللہ أعلم"[2].

خلاصۂ کلام: سات سیّاروں کا قرآنِ پاک میں کہاں ذکر ہے؟ کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں۔ امام اہلِ سنّت رحمہ اللہ تعالی نے قرآنی آیات کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّھاً یہ مسئلہ بیان کیا۔

حرکتِ کواکب کی حقیقت کا نُصوصِ شرعیہ سے اِستنباط

کواکب (ستاروں) کی حرکت طبعی (Physically) ہے یا تبعی قسری (Obligation)؟ اس بارے میں اَربابِ علم ودانش کا اختلاف ہے، بعض کے

---

(١) انظر: "الدرّ المنثور" التكوير، تحت الآية: ١٥، ٨/ ٣٩٥، نقلاً عن ابن أبي حاتم.

(۲) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" "کتاب الحظر والاِباحۃ"، ۱۶/ ۲۶۷۔

نزدیک ستاروں کی حرکت طبعی ہے، اور بعض کے نزدیک تبعی قسری۔ امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ سے جب اس بارے میں اِستفتاء کیا گیا کہ "کواکب خود بالطبع آسمان میں گھومتے ہیں، یا بحرکتِ قمری بالتبع چکر کھاتے ہیں؟" تو حضرت امام رحمۃ اللہ تعالیٰ نے براہِ راست نُصوصِ شرعیہ سے استدلال کرتے ہوئے، دونوں نظریوں کی نفی کی، اور فرمایا: "ہمارے نزدیک کَواکب کی حرکت نہ طبعیہ ہے نہ تبعیہ، بلکہ خود کواکب بامرِ الٰہی وتحریکِ ملائکہ آسمانوں میں، دریا میں مچھلی کی طرح تیرتے ہیں؛ قال الله تعالى: ﴿كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾[1] "ہر ستارہ ایک آسمان میں تیرتا ہے"[2]۔

خلاصۂ کلام: ستاروں کی حرکت طبعی (Physically) ہے یا تبعی قسری (Obligation)؟ اس بارے میں ماہرینِ نُجوم (Astronomers) کا اختلاف ہے، جبکہ کتبِ اکابر میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں۔ امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ نے دونوں نظریوں کی نفی فرمائی، اور براہِ راست قرآنی آیات کو پیشِ نظر رکھ کر، اپنی خداداد اجتہادی صلاحیتوں کو برُوئے کار لاتے ہوئے، تفقُّہاً مسئلے کی وضاحت فرمائی۔

تقریبی نقشہ (Approximate Map) کی اِیجاد

تقریبی نقشہ (Approximate Map) کی اِیجاد اور اس کے ذریعے رات کی مختلف حصوں میں تقسیم بھی، امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اجتہادی غَور وفکر کا نتیجہ ہے۔ جب آپ سے اِستفتاء کیا گیا کہ "یہ مسئلہ جو مشہور ہے کہ رمضان شریف میں رات کے سات ۷ حصے کیے جائیں، جب ایک حصہ رات کا باقی رہے کھانا پینا

(۱) پ۲۳، یٰسٓ: ٤٠.

(۲) "فتاوی رضویہ" کتاب الحظر والاِباحۃ، تشریحِ اَفلاک وعلمِ توقیت وتقویم، ١٦/ ٢٦٥، ٢٦٦۔

ترک کردے، آیا یہ مسئلہ صحیح ہے یا نہیں؟" اس پر حضرت امام نے جواباً فرمایا کہ " یہ قاعدہ ہرگز صحیح نہیں، بلکہ کبھی رات کا ہُنوز چھٹا حصّہ باقی رہتا ہے کہ صبح ہو جاتی ہے، اور کبھی ساتواں، آٹھواں، نواں، یہاں تک کہ کبھی صرف دسواں حصہ تقریبًا رہتا ہے اُس وقت صبح ہوتی ہے، ہم رؤس بُروج کے لیے بریلی (Bareilly) اور اس کے مُوافقُ العرض شہروں میں، ایک تقریبی نقشہ (Approximate Map) دیتے ہیں جس سے اس اِجمال کی تفصیل ظاہر ہوگی، اُفُقِ حقیقی پر اِنطباقِ مرکزِ شمس جانبِ مغرب سے، اُسی پر انطباق مرکز جانب شرق تک شبِ نجومی ہے، اور اُفُق حسّی بالمعنیٰ الثانی سے تجاوُز کنارۂ آخرین شمس، جانبِ غرب سے اُسی اُفُق سے ارتفاعِ کنارۂ اوّلین شمس، جانب شرق تک شبِ عُرفی ہے، اس کی تحصیل میں دونوں جانب کے دقائق انکسار بھی شبِ نجومی سے ساقط کیے جاتے ہیں، اور اُفُق حسّی مذکور بے تجاوُز کنارۂ آفریں شمس سے طلوعِ فجرِ صادق تک شبِ شرعی ہے، تحصیلِ فجر میں بھی جانبِ طلوع شمس، کہ دقائقِ انکسار وقت باقی سے مستثنیٰ ہیں۔

یہ نقشہ [۱] خود فقیر کا ایجاد ہے، جس کا اِجمالی بیان یہ ہوا، اور جو شخص اس فن میں کچھ اِدراک رکھتا ہواُسے تفصیل بھی بتائی جا سکتی ہے "[۲]۔

صبحِ کاذِب اور صبحِ صادق میں باہم امتیاز کا طریقہ

صبحِ کاذِب اور صبحِ صادِق میں باہم امتیاز کے لیے، امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا بیان کردہ طریقہ اور مختلف صورتیں بھی، فقیہِ مجتہد امام احمد رضا کی مجتہدانہ شان پر

---

(۱) یہ نقشہ "فتاوی رضویہ" "کتاب الصوم میں "مکروہاتِ صوم" کے تحت بیان کیے گئے مسائل میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) "فتاوی رضویہ" "کتاب الصوم، مکروہاتِ صوم، ۸/ ۴۲۰۔

شاہد ہیں۔ حضرت امام نے اس مسئلہ میں مختلف صورتوں اور اَشکال کے ذریعے، صبحِ کاذِب اور صبحِ صادِق میں امتیاز کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔

امامِ اہلِ سنّت کی بیان کردہ یہ صورتیں کس قدر اہمیت کی حامل ہیں، اس کا اندازہ اس بات سے خوب لگایا جاسکتا ہے، کہ خود امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انہیں تحریر کرتے ہوئے فرمایا کہ "اب ہم -بتوفیق اللہ تعالی- صبحِ کاذِب کے شروع سے صبحِ صادِق کے انتشار تک جو صُورتیں اس سپیدی کی پیش آتی ہیں، اُن کا واضح بیان کرتے ہیں، جو آج تک کسی کتاب میں نہ لکھا گیا، جو ہمارا برسوں کا مشاہدَہ ہے، اور جسے بغور سمجھ لینے والا -اِن شاء اللہ تعالی- بہت جلد صبحِ کاذِب وصادِق میں امتیاز کا ملکہ پیدا کرسکتا ہے"(۱)۔

علمِ تکسیر میں درجۂ اجتہاد اور کمال مہارت

اَعداد کو تقسیم کرکے تعویذ کے خانوں میں اس طرح لکھنا، کہ ہر طرف کا مجموعہ برابر ہو، اسے تکسیر (Fractional Numeral Maths) کہتے ہیں، یہ وہ فن ہے جس کے جاننے والے رُوئے زمین سے تقریبًا معدوم ومفقود ہوچکے ہیں، مگر امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس فن میں بھی کمال مہارت رکھتے ہیں، آپ کی مہارت کا اندازہ اس بات سے لگائیے، کہ آپ تعویذ کے ان خانوں کو دو ہزار تین سو (۲۳۰۰) طریقوں سے لکھنا جانتے ہیں، جبکہ فنِ تکسیر کے دیگر نامورَ ماہرین پندرہ بیس طریقوں سے لکھ کر ہی پھولے نہیں سماتے۔

خلیفۂ اعلیٰ حضرت علّامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس ضمن میں ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ "عرصہ کی بات ہے کہ ایک شاہ صاحب "مدرسہ اسلامیہ شمس

---

(۱) "فتاوی رضویہ" "کتاب الصوم، مکروہاتِ صوم، ۸/ ۴۳۰۔

الہُدیٰ" تشریف لائے، اور محبّ محترم حامئ دین، واقفِ عُلومِ عقلیہ ونقلیہ، مولانا مولوی مقبول احمد خاں صاحب در بھنگوی مدرِّس مدرسہ کے مہمان ہوئے، اور اپنی عزت بنانے وقار جمانے کو اِدھر اُدھر کی بات کرتے ہوئے فنِ تکسیر کی واقفیت کا ذکر کیا، مولوی (مقبول احمد خاں) صاحب بہت ظریف طبیعت ہیں، یہ سُن کر ایسا انداز برتا جس سے اُن شاہ صاحب نے سمجھا کہ (مولانا) میرے فن دانی کے قائل اور معتقد ہوگئے، چنانچہ مہینہ دو مہینہ میں ایک دو پھیرا ادھر اُن کا ہونے لگا، اور مولانا (مقبول احمد خاں) کے یہاں قیام ضرور کرتے، یہ بھی مہمان نوازی فرماتے، جب اُن کی ڈینگ بہت بڑھی تو ایک دن بہت ہولی (آہستہ) زبان سے فرمایا کہ "میرے مدرسہ میں بھی ایک مُدرِّس مولانا ظفرالدین صاحب فنِ تکسیر جانتے ہیں" (یہ سُن کر شاہ صاحب کو) بہت حیرت ہوئی، وہ تو سمجھ رہے تھے کہ شاید مولانا مقبول احمد خاں صاحب کا خیال یہ ہے، کہ شاہ صاحب کے سِواد نیا میں علمِ تکیسر جاننے والا اَور کوئی نہیں، اور اسی وجہ سے ایسے زبردست معقولی ہونے پر بھی میری عزت کرتے ہیں، جب انہیں معلوم ہوا کہ اسی پٹنہ (ہندوستان) میں مولانا کے دوستوں میں اسی مدرسہ کے مدرِّسوں میں، ایک شخص فنِ تکسیر جانتے ہیں تو حیرت کی انتہاء نہ رہی، بولے کہ اُن سے میری ملاقات کرادیجیے گا! انہوں نے کہا: اچھا! وہ تو روزانہ دس ۱۰ بجے مدرسہ تشریف لاتے ہیں اور چار ۴ بجے "دریاپور" واپس جاتے ہیں۔

بہر حال ایک دن مولوی صاحب مَوصوف شاہ صاحب کو لیے ہوئے میرے پاس تشریف لائے، اور ان کا تعارُف کرواتے ہوئے بہت سی خوبیاں بیان کرتے ہوئے خاص انداز سے فرمایا کہ "سب سے بڑا کمال آپ (شاہ صاحب) کا یہ ہے کہ آپ فنِ تکسیر

جانتے ہیں "میں سمجھ گیا! میں نے کہا: "اس سے بڑھ کر اَور کیا کمال ہو گا کہ آپ وہ فن جانتے ہیں جس کے جاننے والے رُوئے زمین سے معدوم و مفقود نہیں تو قلیل الوجود ضرور ہیں!" اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جناب کو بھی فنِ تکسیر کا علم ہے؟ میں نے کہا: "یہ مخلصوں کا محض حُسنِ ظن ہے، کسی فن کے چند قواعد جان لینا فن کی واقفیت نہیں کہلاتی، ہاں اس فن سے ایک گونہ دلچسپی ضرور ہے"۔

اس کے بعد میں نے شاہ صاحب سے پوچھا کہ جناب مربّع کتنے طریقوں سے بھرتے ہیں؟ (انہوں نے) بہت فخریہ فرمایا: سولہ ۱۶ طریقوں سے، میں نے کہا: بس؟ اس پر (شاہ صاحب نے) فرمایا: اور آپ؟ میں نے کہا: گیارہ ۱۱ سو باوَن ۵۲ طریقوں سے، بولے: سچ؟! میں نے کہا: جھوٹ کہنا ہوتا تو کیا لاکھ دو لاکھ کا عدد مجھے معلوم نہ تھا! گیارہ ۱۱ سو باوَن ۵۲ کی کیا خصوصیت تھی؟ کہا: میرے سامنے بھر سکتے ہیں؟ میں نے کہا: ضرور! بلکہ میں نے بھر کر رکھ دیا ہے، آج چار بجے میرے ساتھ دریا پور تشریف لے چلیں، مولانا مقبول احمد خاں صاحب کو بھی دعوت دیتا ہوں، وہیں ناشتہ چائے چلے، وہیں کتاب میں حاضر کر دوں گا، ایک ہی نقشہ ہے جو اتنے طریقوں سے بھرا ہوا ہے، جس میں کوئی (طریقہ) ایک دوسرے سے ملتا ہوا نہیں!۔

مَوصوف شاہ صاحب نے پوچھا: کن سے سیکھا؟ میں نے اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام لیا، حضرت کے (پہلے ہی) معتقد تھے، نام سُن کر اُن کو یقین ہو گیا، مگر پوچھا: اور اعلیٰ حضرت کتنے طریقوں سے بھرتے ہیں؟ میں نے کہا: "تیئس سو ۲۳۰۰ طریقوں سے، کہا: آپ نے اَور کیوں نہیں سیکھے؟ میں نے کہا: وہ (امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) تو علم کے دریا نہیں سمندر ہیں، جس فن کا ذکر آیا ایسی گفتگو فرماتے کہ

معلوم ہوتا کہ عمر بھر اسی کو سیکھا، اور اسی کی کتب بینی فرمائی، ان کے عُلوم کو میں کہاں تک حاصل کر سکتا ہوں! آخر چار ۴ بجے وہ میرے ساتھ دریاپور تشریف لائے، اور وہ کاغذ جس پر میں نے وہ نقوش لکھے تھے ملاحظہ فرمایا، بہت تعجب سے دیکھتے رہے، اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زیارت کے مشتاق ہو کر بعد مغرب واپس ہوئے "[۱]۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد خلیفۂ اعلیٰ حضرت علّامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علمِ تکسیر میں، ماہرِ علوم عقلیہ ونقلیہ امام احمد رضا کی مہارت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "جملہ علوم وفنون کی طرح فنِ تکسیر سے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کو نہ صرف واقفیت ہی تھی، بلکہ اس فن میں کمال اور مہارت رکھتے تھے، بلکہ اگر مجتہد کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا!""[۲]۔

علمِ زیجات میں درجۂ کمال

امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علمِ زیجات (Astronomical Tables) میں بھی درجۂ کمال پر فائز ہیں، علمِ زیجات (Astronomical Tables) میں امام اہلِ سنّت کی مہارتِ تامّہ کا ذکر کرتے ہوئے، ماہرِ رضویات پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "۱۹۹۲ء میں راقم کا علی گڑھ (ہندوستان) جانا ہوا، وہاں ہندوستان کے مشہور فاضل شبیر حسن غوری سے ملاقات ہوئی، جو علمِ زیجات میں امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کے "حاشیہ زیج ایلخانی" پر کام کر رہے تھے، انہوں نے فرمایا کہ "اس فن (علمِ زیجات) میں امام احمد رضا نے جو کچھ فرمایا ہے وہ مستعار (یعنی دیگر کتب سے اَخذ کردہ) نہیں، وہ ان کا اپنا (اجتہاد) معلوم ہوتا ہے "[۳]۔

---

(۱) "حیاتِ اعلیٰ حضرت" حصہ دُوم ۲، علم تکسیر میں مہارت، ص۱۴۴، ۱۴۵۔
(۲) "حیاتِ اعلیٰ حضرت" حصہ دُوم ۲، علمِ تکسیر میں مہارت، ص۱۴۵۔
(۳) "جامع الاَحادیث، تقدیم، ۱/ ۶۴۔

علم جَفَر میں مہارت واجتہاد

علمِ جَفر (Numerology Cum Literology) میں بھی سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی مہارت درجۂ اجتہاد کو پہنچی ہوئی تھی، حضرت امام نے اس فن میں اپنے اِجتہاد سے ایسے جداولِ کثیرہ اِیجاد فرمائے، جن کے سبب اس فن (علمِ جَفَر) کی بہت سی مشکل مَباحث اور اُمور آسان ہو گئے، سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس فن پر "سِفْر السَفَر عن الجَفَر بالجَفَر" کے نام سے ایک مستقل رسالہ بھی تحریر فرمایا، جس میں ساٹھ ۶۰ سوالات وجوابات کے ذریعے اس فن کے پیچیدہ عُقدوں کو حل فرمایا ہے۔

اس فن کی پیچیدگی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت امام نے فرمایا کہ "رسائلِ فن میں نہایت غامِض چیستان (پیچیدہ پہیلی) کی طرح اس کے بارہ ۱۲ پتے (نشانیاں) دیے گئے ہیں، ازاں جملہ (اُن میں سے ایک) یہ کہ خاتمِ آدم میں ہے (یعنی ان بارہ ۱۲ میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ یہ راز حضرت سیّدنا آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی انگوٹھی مبارک میں مکتوب ہے) میں نے اس کی نسبت بھی اسی پہلے قاعدۂ جَفر سے سوال کیا، اس نے روشن طَور پر بتا دیا، اب جو اُن بارہ ۱۲ پہیلیوں کو دیکھوں تو سب خود بخود مُنکشِف (ظاہر) ہو گئیں، میرے جی میں آیا کہ کچھ اس فن کی طرف بھی توجہ کروں کہ اس کا رازِ پِنہاں (پوشیدہ راز) تو کُھل ہی گیا ہے "[۱]۔

لیکن کثرتِ مَشاغل اور قلّتِ وقت کے باعث امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اس فن کی طرف بہت زیادہ توجہ نہ فرما سکے، اور ایک مقام پر ترکِ اشتغال کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "آئے دن سوالوں کی محنت، اور اُلٹے اعتراضات کی دِقّت کون

---

(۱) "ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت" حصہ دُوم ۲، اعلیٰ حضرت نے علمِ جَفَر کہاں سے سیکھا؟ ص۲۱۳۔

سے ہے! (لہٰذا) میں نے اِشتغال چھوڑ دیا، طَبع زاد (یعنی اپنے اِیجاد کردہ) جَداول کہ تدقیقِ تام سے بنائی تھیں، اور جنہوں نے اس فن کے بہت سے اَعمالِ مشکلہ کو آسان کر دیا تھا، چلتے وقت حضرت سیّد صاحب موصوف (مولانا سیّد حسین مدنی ابن سیّد عبدالقادر شامی مدنی رحمۃ اللہ علیہما) کی نذر کر دیں"[۱]۔

علمِ جَفَر کو سمجھنا اگرچہ آسان بات نہیں، لیکن اللہ ربّ العالمین عزّوجلّ نے حضرت فقیہِ مجتہد امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر اپنا خاص فضل وکرم فرمایا، اور دیگر علوم وفنون کی طرح اس فن کے پیچیدہ اَسرار ورُموز کو بھی سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر ظاہر فرمایا۔

علمِ تصوّف وسُلوک میں مہارت واجتہاد

فلاح وبیعت کی اَقسام اور مُرشِد کامل کے دستِ مبارک پر بیعت کی ضرورت اور اہمیت سے متعلق نفیس کلام بھی، امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجتہدانہ شان پر روشن دلیل ہے، حضرت امام نے فرمایا کہ "بالجملہ حاصلِ تحقیق یہ چند جملہ ہوئے:

(۱) ہر بدمذہب فلاح سے دور ہلاکت میں چور ہے۔ مطلقًا بے پیرا ہے، اور ابلیس اس کا پیر، اگرچہ بظاہر کسی انسان کا مرید ہو، بلکہ خود پیر بنے، راہِ سُلوک میں قدم رکھے یا نہ رکھے، ہر طرح لا یفلح و شیخُہ الشیطان کا مصداق ہے۔

(۲) سنی صحیح العقیدہ کہ راہِ سلوک میں نہ پڑا اگر فسق کرے فلاح پر نہیں مگر پھر بھی نہ بے پیرا ہے، نہ اس کا پیر شیطان بلکہ جس شیخ جامعِ شرائط کا مرید ہو اس کا مرید ہے ورنہ مرشدِ عام کا۔

---

(۱) ایضًا۔

(۳) یہ اگر تقویٰ کرے تو فلاح پر بھی ہے اور بدستور اپنے شیخ یا مرشدِ عام کا مرید، غرض سنی کہ مضایقِ سلوک میں نہ پڑا کسی خاص بیعت نہ کرنے سے بے پیرا نہیں ہوتا، نہ شیطان کا مرید ہاں فسق کرے تو فلاح پر نہیں اور متقی ہو تو مفلح بھی ہے۔

(۴) اگر مضایقِ سلوک میں بے پیرِ خاص قدم رکھا اور راہ کھلی ہی نہیں نہ کوئی مرض مثلِ عجب وانکار پیدا ہوا تو اپنی پہلی حالت پر ہے اس میں کوئی تغیّر نہ آیا، شیطان اس کا پیر نہ ہوگا اور متقی تھا تو فلاح پر بھی ہے۔

(۵) یہ مرض پیدا ہوئے تو فلاح پر نہ رہا اور بحالتِ انکار وفسادِ عقیدہ مریدِ شیطان بھی ہوگیا۔

(۶) اگر راہ کھلی تو جب تک پیرِ ایصال کے ہاتھ پر بیعتِ ارادت نہ رکھتا ہو غالب ہلاک ہے اس بے پیرے کا پیر شیطان ہوگا اگرچہ بظاہر کسی نا قابلِ پیر یا محض شیخِ اتّصال کا مرید یا خود شیخ بنتا ہو۔

(۷) ہاں اگر محض جذبِ ربانی کفالت فرمائے تو ہر بلا دور ہے اور اس کے پیر رسول اللہ ﷺ۔

الحمد للہ! یہ وہ تفصیلِ جمیل وتحقیقِ جلیل ہے، کہ اِن اَوراق کے سوا کہیں نہ ملے گی! بیس ۲۰ برس ہوئے جب بھی یہ سوال ہوا اور ایک مختصر جواب لکھا گیا تھا، جس کی تکمیل وتفصیل یہ ہے کہ اس وقت قلبِ فقیر پر فیضِ قدیر سے فائض ہوئی! والحمد لله ربّ العالمين، وأفضل الصّلاة وأكمل السّلام على سيِّد المرسَلين وصحبه أجمعين، والله ﷻ أعلم"[1].

---

(۱) "فتاوی رضویہ" کتاب الحظر والاِباحۃ، ۱۷/۱۰۳۔ "فتاوی افریقہ" ص۱۳۵، ۱۳۶۔

خلاصہ ونتیجہ

اَربابِ عقل سلیم اور فقہی سُوجھ بُوجھ رکھنے والے علمائے کرام ومفتیانِ عظام، میری اس بات سے یقیناً اتفاق کریں گے، کہ تمام غیر منصوص اَحکام (جن کا امام اہلِ سنّت نے استخراج واِستنباط فرمایا) کے تفصیلی مطالعہ سے دل ودماغ کی بند کھڑکیاں کھل جاتی ہیں، اور دل ودماغ بیک وقت اس بات کا برملا اعتراف کرتے ہیں، کہ امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالی علیہ علمی طَور پر فکری بلندیوں کی حامل وہ شخصیت ہیں، جو طبَقاتِ فقہاء میں تیسرے درجے کے مجتہد (مجتہد فی المسائل) ہیں، یہی وجہ ہے کہ سیّدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اُصول وفُروع میں اپنے ائمۂ کرام کے وضع کردہ قوانین وضوابط کی رَوشنی میں، غیر منصوص اَحکام کا اِستنباط کرکے، اُمتِ مسلمہ کی مشکلات کو آسان کیا!۔

اعترافِ حقیقت

اب وقت کا تقاضا اور ضرورت اس اَمر کی ہے، کہ اہلِ علم حضرات اور فقہاء ومفتیانِ کرام، آج امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی تصنیفات کا بغور مطالعہ کریں، اور حضرت امام کے طرزِ استدلال، حلِّ اِشکالات، لغزش وخطا پر تنبیہات، مختلف اَقوال میں تطبیق، قرآن وسنّت پر نظر کی گہرائی وگیرائی، علومِ حدیث میں کمال وُسعت، فقہی مسائل سے اِجمال واحتمال دُور کرنے کی مہارت، فقہی روایات میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کی صلاحیت، اَقوی، قوی اور ضعیف رَوایات میں تمیز کی قدرت، اور قواعد میں اپنے امام کی مخالفت کیے بغیر غیر منصوص اَحکام کا اِستنباط، اور انہیں حل کرنے کی اہلیت وصلاحیت کو اُجاگر کریں، اور طبقاتِ فقہاء (مجتہدین) میں ان کے مقام ومرتبہ کا تعیُّن واعتراف

کریں؛ تاکہ امامِ اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی علمی ودینی خدمات کے باعث جس بلند مقام ومرتبہ کے حقیقی وصحیح حقدار ہیں وہ روشن وعیاں ہو جائے، اور اُس علمی زیادتی کا اِزالہ ہو، جو گزشتہ ایک صدی سے امامِ اہلِ سنّت کے ساتھ خواہی نخواہی رَوا رکھی گئی ہے!۔

اللہ ربّ العالمین حضرت امام اہلِ سنّت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، اور ہمیں ان کے فُیوض وبرکات سے ہمیشہ مستفید ہونے کی توفیق مَرحمت فرمائے، آمین یاربّ العالمین! وصلّى الله تعالى على خير خلقِه ونورِ عرشِه، سيِّدنا ونبيّنا وحبيبنا وقرّة أعيُننا محمّدٍ، وعلى آله وصحبه أجمعين وبارَك وسلَّم، والحمد لله ربّ العالمين!.

مآخِذ و مراجع

ماٰخذ ومراجع

المصادر المخطوطة

-خِزانة المفتين، حسين بن محمد السمنقاني (ت ٧٤٠هـ).
- رسالة طبَقات الفقهاء، لابن كمال باشا (ت٩٤٠هـ).
- رسالة في التوريث، لابن كمال باشا (ت٩٤٠هـ) ضمن مجموعة رسائله.
- غاية البيان، الأتقاني (ت٧٥٨هـ).
- الفتاوى الظهيرية، ظهير الدّين البخاري (ت٦١٩هـ).
- الوقاية، عبيد الله بن مسعود المحبوبي (ت٧٤٥هـ).

عربی کتب

المصادر المطبوعة

- القرآن الكريم، كلام الله تعالى.
- البراهين الواضحة الجليّة على ثبوت سَير الأفلاك وسُكون الكُرة الأرضيّة، أحمد بن عبد الرحمن بن عيسى النائب (ت ١١٥٥هـ) أمريكا: من المخطوطات العربية جامعة برنستون، رقم:B103.

- التوضيح شرح التنقيح، صدر الشريعة المحبوبي، (ت ٧٤٧هـ) تحقيق: محمد عدنان درويش (هامش التلويح إلى كشف حقائق التنقيح) بيروت: شركة دار الأرقم بن أبي الأرقم، ١٤١٩هـ، ط١.
- الاجتهاد في الشريعة الإسلامية، يوسف القَرضاوي، الكويت: دار القلم ١٤١٧هـ، ط١.
- الاجتهاد الجماعي في التشريع الإسلامي، د. عبد المجيد سوسوه الشرفي، قطر: كتاب الأمّة: سلسلة دَورية تصدر كلّ شهرَين عن وزارة الأوقاف والشوؤن الإسلامية ١٤١٨هـ.
- الأحاديث المختارة، محمد بن عبد الواحد المقدسي (ت٦٤٣هـ) تحقيق: عبد الملك بن عبد الله بن دهيش، مكّة المكرمة: مكتبة النهضة الحديثة ١٤١٠هـ، ط١.
- الإحكام في أصول الأحكام، ابن حزم الظاهري (ت٤٥٦هـ) تحقيق أحمد محمد شاكر، بيروت: دار الآفاق الجديدة.
- الأدِلّة النقليّة والحسيّة على إمكان الصُعود إلى الكواكب وعلى جريان الشمس والقمر وسُكون الأرض، عبد العزيز بن عبد الله بن باز (ت١٤٢٠هـ) الرياض: مكتبة الرياض الحديثة ١٤٠٢هـ، ط٢.
- إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم، المولى أبي السعود بن محمد العمادي (ت٩٨٢هـ) تحقيق الشيخ محمد صبيحي حسن حلاق، بيروت: دار الفكر ١٤٢١هـ، ط١.

- الأشباه والنظائر، ابن نجَيم المصري (ت٩٧٠هـ) تحقيق الشيخ زكريا عميرات، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤١٩هـ، ط١.
- الأصول من علم الأصول، محمد بن صالح العثَيمين (ت١٤٢١هـ) إسكندرية: دار الإيمان ٢٠٠١م.
- إيضاح المكنون، إسماعيل بن محمد أمين بن مير سليم الباباني البغدادي (ت١٣٩٩هـ) بيروت: دار إحياء التراث العربي.
- أسنَى المَطالب في شرح روض الطالب، زين الدين أبو يحيى السنيكي (ت٩٢٦هـ) القاهرة.
- إصلاح الوقاية، ابن كمال باشا (ت٩٤٠هـ) تحقيق د. عبد الله داود خلَف المحمدي، ومحمود شمس الدين أمير الخزاعي، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٢٨هـ، ط١.
- أعلام الحجاز في القرن الرابع عشر للهجرة، المغربي (ت١٤١٧هـ) مصر: مطبعة المدني ١٤١٠هـ، ط١.
- الإمام أحمد رضا خانْ وأثرُه في الفقه الحنفي، مشتاق أحمد شاهْ، لاهور: مؤسَّسة الشَرف ١٤١٨هـ، ط١.
- البحر الرائق، ابن نجَيم المصري الحنفي (ت٩٧٠هـ) تحقيق زكريّا عميرات، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤١٨هـ، ط١.
- بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، الكاساني (ت٥٨٧هـ) تحقيق محمد عدنان بن ياسين درويش، بيروت: دار إحياء التراث

العربي ١٤١٦هـ.

- تاج العَروس من جواهر القاموس، الزَبِيدِي (ت١٢٠٥هـ) تحقيق مجموعة من المحقّقين، الكويت: دار الهداية ١٩٦٥ء.

- تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، الزَّيلعي (ت٧٤٣هـ) مصر: المطبعة الأميريّة ١٣١٥هـ، ط٣.

- تدريب الراوي، السُيوطي (ت٩١١هـ) تحقيق: محمد أيمن عبد الله الشبراوي، القاهرة: دار الحديث ١٤٢٣هـ.

- التعريفات، الجُرجاني (ت٨١٦هـ) تحقيق إبراهيم الأبياري، بيروت: دار الكتاب العربي ١٤٢٣هـ.

- جدّ الممتار على ردّ المحتار، الإمام أحمد رضا (ت١٣٤٠هـ) تحقيق د. المفتي محمد أسلم رضا الميمني، كراتشي: دار أهل السُنّة ١٤٤٠هـ.ط٢.

- حاشية السّيالكُوتي على شرح المواقف، عبد الحكيم السّيالكُوتي (ت١٠٦٧هـ) (طبع مع شرح المواقف) بَيروت: دار الكتب العلميّة ١٤١٩هـ، ط١.

- حاشية الشَّلَبي على تبيين الحقائق، ابن الشَلَبي (ت٩٤٧هـ) (هامش تبيين الحقائق) مصر: المطبعة الأميرية ١٣١٥هـ، ط١.

- حاشية الطحطاوي على مَراقي الفلاح، الطحطاوي (ت١٢٣١هـ) بيروت: دار الكب العلمية ١٤١٨هـ، ط١.

- الحديقة النَديّة شرح الطريقة المحمديّة، النابلُسي (ت١١٤٣هـ) مصر: دار الطباعة العامرة ١٢٩٠هـ.
- الفتاوى الخانية، قاضي خانْ (ت٥٩٢هـ) بشاور: المكتبة الحقانيّة.
- الخيرات الحِسان، لابن حجر الهيتمي (ت٩٧٤هـ) دمشق: دار الهدى والرَشاد ١٤٢٨هـ، ط١.
- حُسام الحرمَين على منحر الكفر والمَين، الإمام أحمد رضا (ت١٣٤٠هـ) تحقيق محمد كاشف محمود الهاشمي، كراتشي: دار أهل السُنّة، ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٩م (نشر إلكتروني).
- حياة الإمام أحمد رضا، د. المفتي محمد أسلم رضا المَيمني، رسالة مختصرة في سيرة الإمام من حيث صلته مع العلماء العرب، محقَّقة، كراتشى: دار أهل السُنّة ١٤٤٠هـ/ ٢٠٢٢م.
- خلاصة الأصول، عبد الله بن صالح الفوزان.
- خلاصة الفتاوى، طاهر بن أحمد البخاري (ت٥٤٢هـ) كوئتَه: المكتبة الرشيدية ١٤١٤هـ، ط١.
- دُرر الحُكّام في شرح غُرر الأحكام، مُنْلا خُسرَو (ت٨٨٥هـ) إستانبول.
- الدرّ المختار، الحَصكَفي (ت١٠٨٨هـ) بَيروت: دار إحياء التراث العربي ١٣٢١هـ.
- الدَّولة المكّية بالمادّة الغَيبيّة، الإمام أحمد رضا (ت١٣٤٠هـ) تحقيق د. المفتى محمد أسلم رضا الميمنى، كراتشى: دار أهل السُنّة

١٤٤٠هـ.ط١.

- رجال من التاريخ، علي الطنطاوي، جدّة: دار المنارة ١٤١١هـ، ط٨.
- ردّ المحتار على الدرّ المختار، ابن عابدين (ت١٢٥٢هـ) تحقيق د. حُسام الدين بن محمّد صالح فَرفور، دِمشق: دار الثقافة والتراث ١٤٢١هـ، ط١.
- رسائل عربية من الفتاوى الرضوية، الإمام أحمد رضا (ت١٣٤٠هـ) تحقيق د. المفتي محمد أسلم رضا الميمني، أبوظبي: دار الفقيه ١٤٣٩هـ.ط١.
- روضة الطالبين وعمدة المفتين، النوَوي (ت٧٧٦هـ) تحقيق زهَير الشاويش، بيروت: المكتب الإسلامي ١٤١٢هـ، ط٣.
- سنن ابن ماجه، محمد بن يزيد (ت٢٧٥هـ) بيروت: دار إحياء التراث العربي ١٤٢١هـ، ط١.
- سنن أبي داود، السجستاني (ت٢٧٥هـ) الرياض: دار السلام ١٤٢٠هـ، ط١.
- سنن الترمذي، محمد بن عيسى (ت٢٧٩هـ) الرياض: دار السلام ١٤٢٠هـ، ط١.
- سنن الدارمي، الدارمي (ت٢٥٥هـ) تحقيق فواز أحمد زمرلي، بيروت: دار الكتاب العربي ١٤٠٧هـ، ط١.
- شاعر من الهند، د. محمد مجيد السعيد، بغداد ١٤٢٤هـ.

- شرح عقود رسم المفتي، ابن عابدين الشامي (ت١٢٥٢هـ) ضمن مجموعة ثلاث رسائل في رسم الإفتاء، تحقيق: الدكتور المفتي محمد أسلم رضا الميمنی، أبوظبی: دار الفقيه ١٤٣٩هـ. ط٢.
- شرح كنز الدقائق، ملّا مسكين (ت٩٥٤هـ) مصر: مطبعة المَويلحي ١٢٨٧هـ.
- شرح المقاصد، التفتازاني (ت٧٩٣هـ) تحقيق د. عبد الرحمن عميرة، منشورات الشريف الرضى ١٤٠٩هـ، ط١.
- شمس العلوم ودواء كلام العرب من الكلوم، الحميري (ت٥٧٣هـ) بيروت: دار الفكر المعاصر ١٤٢٠هـ، ط١.
- صحيح ابن حِبّان، أبو حاتم محمد بن حِبّان (ت٣٥٤هـ) بيروت: بيت الأفكار الدوليّة ٢٠٠٤م.
- صحيح البخاري، البخاري (ت٢٥٦هـ) الرياض: دار السلام ١٤١٩هـ، ط٢.
- صحيح مسلم، مسلم بن الحجّاج (ت٢٦١هـ) الرياض: دار السّلام ١٤١٩هـ، ط١.
- غُرر الأحكام في فُروع الحنفية، مُنْلا خُسرو (ت٨٨٥هـ) إستانبول.
- غنية المتملّي في شرح منية المصلّي، إبراهيم الحلَبي (ت٩٥٦هـ) لاهور: سهيل أكاديمي.
- الفتاوى البزّازية = الجامع الوجيز، حافظ الدّين البزّازي

(ت٨٢٧هـ) (هامش الهندية) بشاوَر: المكتبة الحقانية.
- الفتاوى الفقيه الكبرى، ابن حجر الهيتمي (ت٩٧٤هـ) مصر.
- الفتاوى الهنديّة، الشيخ نظام (ت١١٦١هـ) وجماعة من علماء الهند الأعلام، بشاوَر: المكتبة الحقّانية.
- فتاوى إسلامية (مُعاصر): عبد العزيز بن عبد الله بن باز (ت١٤٢٠هـ) محمد بن صالح العثَيمين (ت١٤٢١هـ) عبد الله الجبرين (ت١٤٣٠هـ) جمع وترتيب: محمد بن عبد العزيز بن عبد الله المسند، الرياض: دار الوطن ١٤١٣هـ، ط٢.
- الفتاوى السِّراجيّة، سراج الدّين الأوشي (ت بعد ٥٦٩هـ) كراتشي: شركة إيج إيم سعيد.
- فتاوى اللجنة الدائمة، اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء، جمع وترتيب: أحمد بن عبد الرزاق الدويش، الرياض: رئاسة إدارة البحوث العلمية والإفتاء.
- فتاوى مُعاصِرة، يوسف القَرضاوي، الكويت: دار القلم.
- فتاوى نور على الدرب، عبد العزيز بن عبد الله بن باز (ت١٤٢٠هـ) جمعَها: د. محمد بن سعد الشويعر، بدون طبع.
- فتح القدير للعاجز الفقير، ابن الهُمام (ت٨٦١هـ) بيروت: دار إحياء التراث العربي.
- فتح الله المعين، محمد بن علي أبو السعود (ت١١٧٢هـ) مصر:

مطبعة المَويلحي، ١٢٨٧هـ، ط١.

- الفُصول في الأصول، الجصّاص الحنفي (ت٣٧٠هـ) الكويت: وزارة الأوقاف الكويتية ١٤١٤هـ، ط٢.

- فقه السُنّة، سيد سابق (ت١٤٢٠هـ) بيروت: دار الكتاب العربي ١٣٩٧هـ، ط٣.

- القاموس المحيط، الفيروزآبادي (ت٨١٧هـ) بيروت: مؤسّسة الرسالة ١٤٢٦هـ، ط٨.

- كتاب الفُروع، شمس الدين المقدسي (ت٧٦٣هـ) تحقيق عبد الله بن عبد المحسن التركي، بيروت: مؤسّسة الرسالة ١٤٢٤هـ، ط١.

- لسان العرب، جمال الدين ابن منظور (ت٧١١هـ) بيروت: دار صادر ١٤١٤هـ، ط٣.

- مجلّة "المنار" محمد رشيد رضا (ت١٩٣٥م) مصر: مطبعة المنار ١٣٢٧هـ.

- مجمع الأنهُر، داماد أفندي (ت١٠٧٨هـ) تحقيق خليل عمران المنصور، بيروت: دار الكتب العلميّة ١٤١٩هـ، ط١.

- مجموع فتاوى ابن باز، عبد العزيز بن عبد الله بن باز (ت١٤٢٠هـ) جمعَه: محمد بن سعد الشويعر.

- مجموعة الفتاوى، عبد الحي اللَكنَوي(ت١٣٠٤هـ) كانْفور: مطبع علوي علي بخش خانْ اللكنوي.

- المدخل، ابن الحاجّ العبدري (ت٧٣٧هـ) بيروت: دار الفكر.
- مَراقي الفلاح بإمداد الفتّاح في شرح نور الإيضاح ونجاة الأرواح، الشُرُنبُلالي (ت١٠٦٩هـ) بيروت: دار الكتب العلمية، ١٤٢٤هـ، ط٢، تحقيق: أبو عبد الرحمن صَداح بن محمد بن عويضة.
- مرقاة المفاتيح، علي القاري(ت١٠١٤هـ) بيروت: دار الفكر ١٤٢٢هـ، ط١.
- مختصر نشر النَّور والزَّهر، عبد الله أبو الخير مِرداد (ت١٣٤٣هـ) تحقيق محمد سعيد العامودي، جدّة: عالَم المعرفة ١٤٠٦هـ، ط٢.
- المسامرة بشرح المسايرة، ابن أبي شريف (ت٩٠٦هـ)، (طبع مع متنه)، مصر: مطبعة السعادة.
- المسلك المتقسط في المنسلك المتوسط، علي بن سلطان محمد القاري (ت١٠١٤هـ) كراتشي: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، ١٤١٧هـ، ط١.
- المسند، أحمد بن حنبل (ت٢٤١هـ)، تحقيق صدقي محمد جميل العطّار، بيروت: دار الفكر ١٤١٤هـ، ط٢.
- معجم المطبوعات العربية والمعرّبة، يوسف بن إليان بن موسى سركيس (ت ١٣٥١ هـ) مصر: مطبعة سركيس ١٣٤٦ هـ.
- ملتقَى الأبحُر، إبرهيم الحلَبي (ت٩٥٦هـ) بيروت: دار الكتب العلمية ١٤١٩هـ، ط١.

- المنظومة السلامية في مدح خير البرية، الإمام أحمد رضا (ت١٣٤٠هـ) ترجمها: د. حازم محمد أحمد محفوظ، القاهرة: الدار الثقافية ١٤٢٠هـ، ط١.
- المواقف، القاضي عضد الدين الإيجي (ت٧٥٦هـ) بيروت: دار الكتب العلمية ١٤١٩هـ، ط١.
- المُوافقات، الشاطبي (ت٧٩٠هـ) تحقيق أبي عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان، القاهرة: دار ابن عفّان ١٤١٧هـ، ط١.
- الميزان الشّريعة الكبرى، عبد الوهّاب الشَّعراني (ت ٩٧٣هـ) بيروت: دار الفكر، ط١.
- نثر الجواهر والدُرر في علماء القرن الرابع عشر، د. يوسف المرعشلي، بيروت: دار المعرفة ١٤٢٧هـ، ط١.
- النُخبة الأزهرية في تخطيط الكُرة الأرضية، إسماعيل علي، مصر: مطبعة أندريا كوستا جليولا ١٩٠٣م.
- نزهة الخواطر وبجهة المسامع والنواظر، عبد الحي النَّدوي (ت١٣٤١هـ) ملتان: طيب أكاديمى ١٤١٣هـ.
- النقاية مختصر الوقاية، صدر الشريعة عبيد الله بن مسعود (ت٧٤٥هـ) كراتشي: شركة أيچ أيم سعيد، مطبوع مع "جامع الرُموز".
- النهاية في غريب الحديث والأثر، لابن الأثير (ت٦٠٦هـ) بيروت: المكتبة العلمية ١٣٩٩هـ.

- الهداية شرح بداية المبتدئ، المَرغيناني (ت٥٩٣هـ) تحقيق محمد عدنان درويش، بيروت: شركة دار الأرقم بن أبي الأرقم.
- هدية الحيران في مسألة الدَوران، عبد الكريم بن صالح الحمَيد، جدّة: فسح وزارة الأعلام- الأعلام الداخلي ١٤١٢هـ، ط١.
- هدية العارفين، إسماعيل باشا البغدادي (ت١٣٣٩هـ) بيروت: دار الفكر ١٤١٩هـ.

اردوکتابیں

- احسن الوِعاء لآدابِ الدعاء، رئیس المتکلّمین مفتی نقی علی خان (ت ۱۲۹۷ھ)، شارح: امام احمد رضا (ت ۱۳۴۰ھ) کراچی: مکتبۃ المدینہ۔
- اظہار الحق الجلی، اَز اِفادات: امام احمد رضا (۱۳۴۰ھ)، لاہور: بزمِ عاشقانِ رسول ۱۹۹۸ء۔
- اعلیٰ حضرت اور علمائے مکّہ مکرّمہ، محمد بہاء الدین شاہ، پاکستان: اعلیٰ حضرت نیٹ ورک۔
- امام احمد رضا اَربابِ علم ودانش کی نظر میں، یاسین اختر مصباحی، نئی دہلی: دار القلم ۲۰۱۸ء، ط۱۲۔
- امام احمد رضا اور فقہی ضوابط کی تدوین، مفتی محمد نظام الدین رضوی، مبارکپور: مکتبہ عزیزیہ۔
- امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت، مولانا کوثر نیازی (ت ۱۹۹۴ء) کشمیر: ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا ۲۰۰۴ء۔
- امام احمد رضا بحیثیت مجتہد، غلام احمد رضا شریفی، ممبئی: شریفی کتاب گھر ۱۴۴۴ھ، ط۱۔

- امام احمد رضا علمائے شام کی نظر میں، خلیل احمد رانا، اعلیٰ حضرت نیٹ ورک، ڈیجیٹل ایڈیشن۔
- امام احمد رضا کی فقہی بصیرت (جد الممتار کے آئینے میں) محمد احمد اعظمی مصباحی، لاہور: رضادار الاِشاعت ۱۴۱۳ھ، ط۱۔
- امام احمد رضا کاملین کی نظر میں، سیّد صابر حسین شاہ بخاری قادری، لاہور: رضا اکیڈمی ۱۴۱۸ھ۔
- امام احمد رضا کا فقہی مقام، مولانا عبد الحکیم خان اختر شاہ جہانپوری، لاہور: فرید بک اسٹال ۱۹۷۱ھ، ط۱۔
- انوار المنّان فی توحید القرآن، امام احمد رضا (ت ۱۳۴۰ھ) مترجم تاج الشریعہ مفتی محمد اختر رضا خان اَزہری، تحقیق ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی، کراچی: ادارۂ اہلِ سنّت ۱۴۲۹ھ، ط۱۔
- بہارِ شریعت، مفتی امجد علی اعظمی (ت ۱۳۶۷ھ) کراچی: مکتبۃ المدینہ ۱۴۲۹ھ، ط۱۔
- بہتّر فرقے ہمیشہ جہنم میں، مولانا رضوان احمد نوری شریفی، ناگپور: آل انڈیا بزمِ گلزارِ ملّت ۱۴۳۴ھ۔
- تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت، محمد صادق قصوری وڈاکٹر مجید اللہ قادری، کراچی: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا ۱۴۱۳ھ۔
- تذکرہ علمائے اہلِ سنّت، محمود احمد قادری، فیصل آباد: سُنّی دار الاِشاعت علویہ رضویہ ۱۹۹۲، ط۲۔
- تذکرہ علمائے ہند، مولوی رحمان علی، کراچی: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ۱۹۶۱ء، ط۱۔
- تذکرہ کاملانِ رامپور، حافظ احمد علی خاں، رامپور ۱۹۲۹ء۔

- تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی، لاہور: اکبر بک سیلرز ۲۰۱۸ء۔
- تذکرہ نوری، مولانا غلام شبّر قادری بدایونی، بدایوں: تاج الفحول اکیڈمی ۲۰۱۳ء۔
- جاء الحق، احمد یار خان نعیمی (ت ۱۳۹۱ھ) لاہور: قادری پبلشرز ۲۰۰۳ء۔
- جامع الاَحادیث، اَز اِفادات: امام احمد رضا (۱۳۴۰ھ) تحقیق مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی، گجرات (ہندوستان): مرکزِ اہلِ سنّت برکاتِ رضا ۱۴۲۲ھ۔
- حیاتِ اعلیٰ حضرت، ملک العلماء ظفر الدین بہاری (ت ۱۳۸۲ھ) ترتیب وتصحیح مفتی مطیع الرحمن رضوی، مولانا غلام حسن قادری، لاہور: اکبر بک سیلرز۔
- خلفائے امام احمد رضا رحمۃ اللہ، علّامہ عبد الحکیم شرف قادری (ت ۱۴۲۸ھ) لاہور: مکتبۂ شمس وقمر ۱۴۳۲ھ۔
- خلفائے محدّث بریلوی، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (۲۰۰۸ء) پاکستان: ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل ۱۴۱۹، ط ۱۔
- خیابانِ رضا (امام احمد رضا مشاہیر کی نظر میں) محمد مرید احمد چشتی، لاہور: عظیم پبلی کیشنز ۱۴۰۲ھ، ط ۱۔
- خیابانِ رضا، پیرزادہ اقبال احمد فاروقی (ت ۱۴۳۵ھ) لاہور: مکتبۂ نبویّہ ۲۰۰۹ء۔
- دیوان الحافظ، شمس الدین حافظ شیرازی (ت ۷۹۲ھ) مطبع نَوَل کِشَور ۱۸۹۷م.
- سفید وسیاہ، مولانا کوکب نورانی، لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔
- سوانح اعلیٰ حضرت، مولانا بدر الدین احمد قادری، بریلی: قادری کتاب گھر۔
- غامدیت، مفتی وسیم اختر المدنی، پاکستان: مکتبہ شاذلیہ۔
- گلستان، شیخ شرف الدین سعدی شیرازی (ت ۶۹۱ھ) مبارکپور: مجلسِ برکات ۱۴۲۵ھ، ط ۱۔

- فتاوی تاج الشریعہ، مفتی محمد اختر رضا خان ازہری (۱۴۳۹ھ) ترتیب و تحقیق مفتی مطیع الرحمن نظامی، بریلی: مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا ۱۴۳۸ھ، ط۱۔
- فتاوی رشیدیہ، رشید احمد گنگوہی (۱۳۲۳ھ) محشّی: محمد خالد حنفی، کوئٹہ: المکتبۃ الحنفیہ۔
- فتاوی رضویہ، امام احمد رضا (۱۳۴۰ھ) تحقیق ڈاکٹر مفتی محمد اسلم میمن تحسینی، کراچي: ادارۂ اہلِ سنّت ۱۴۳۹ھ، ط۱۔
- فقیہِ اسلام، ڈاکٹر حسن رضا اعظمی، کراچي: ادارہ تصنیفاتِ امام احمد رضا۔
- القاموس الوحید، وحید الزمان قاسمی (ت ۱۳۴۹ھ) لاہور: ادارۂ اسلامیہ۔
- ماہنامہ اِشراق، جاوید غامدی، شمارہ: جولائی ۲۰۱۱ء، لاہور: دار الاِشراق۔
- ماہنامہ پیغامِ شریعت، مصنّفِ اعظم نمبر ۲۰۱۸ء، ترتیب و پیشکش مفتی فیضان المصطفی قادری، دہلی: ماہنامہ پیغامِ شریعت ۱۴۴۰ھ۔
- ماہنامہ معارفِ رضا، جون ۲۰۰۵، مدیر اعلیٰ: سیّد وجاہت رسول قادری (ت ۱۴۴۱ھ)، کراچي: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا ۱۴۲۶ھ، ط۱۔
- ماہنامہ معارفِ رضا، مئی ۲۰۰۶، مدیر اعلیٰ: سیّد وجاہت رسول قادری (ت ۱۴۴۱ھ) کراچي: ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا ۱۴۲۷ھ، ط۱۔
- ماہنامہ المیزان، امام احمد رضا نمبر ۱۹۷۶ء، ایڈیٹر سیّد محمد جیلانی محامد، بمبئی: آفس ماہنامہ المیزان۔
- مجموعہ فتاوی و رسائلِ عَلویہ، مفتی محمد گوہر علی عَلوی نقشبندی، راولپنڈی: لکشمی آرٹ سسٹم پریس۔
- مرآۃ التصانیف، استاذ العلماء حافظ عبد الستار سعیدی، لاہور: مکتبہ قادریہ ۱۴۰۰ھ، ط۱۔

- مشعلِ راہ، مولانا عبدالحکیم خان اختر شاہ جہانپوری (ت ۱۴۱۴ھ) لاہور: فرید بک اسٹال۔

- معارفِ رئیس الاتقیاء مفتی نقی علی خاں بریلوی، مولانا محمد حنیف خاں رضوی، بریلی: انجمنِ عاشقانِ بلال ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء۔

- مقالاتِ یومِ رضا، قاضی عبدالنبی کوکب (ت ۱۹۷۸ء) لاہور: دائرۃ المصنّفین ۱۳۹۰ھ۔

- معمولاتُ الابرار، شیخ الحدیث علّامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی (ت ۱۴۰۶ھ) کراچی: حنفیہ پبلی کیشنز ۱۴۰۸ھ، ط۳۔

- الملفوظ، مولانا مصطفی رضا خان (ت ۱۴۰۲ھ) دہلی: ادبی دنیا ۲۰۰۵ء/کراچی: مکتبۃ المدینہ ۲۰۰۹ء۔

ادارۂ اہلِ سنّت کی مطبوعات واصدارات

عربی کتب

١. كنز الإيمان في ترجمة القرآن: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) مع تفسير خزائن العرفان: لصدر الأفاضل السيّد محمد نعيم الدّين المرادآبادي (ت١٣٦٧هـ) طبعت ثانياً من "دار الفقيه" أبوظبي الإمارات ١٤٤٢هـ/ ٢٠٢٠م.

٢. العطايا النبويّة في الفتاوى الرضوية: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) (٢٢ مجلّداً بالأرديّة) محقَّقة، طبعت ١٤٣٨هـ/ ٢٠١٧م.

٣. جدّ الممتار على ردّ المحتار: له (ت١٣٤٠هـ) (سبع مجلّدات) محقَّقة، طبعت من "دار الفقيه" أبوظبي الإمارات، ١٤٣٤هـ/ ٢٠١٣م.

٤. المعتقَد المنتقَد: للعلّامة فضل الرّسول القادري البَدَايُوني (ت١٢٨٩هـ) مع حاشية قيّمة مسمّاة: المعتمَد المستنَد بناء نجاة الأبد: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّق، طُبع ثانياً ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م. نشر إلكتروني أوّلاً ١٤٤٣هـ/ ٢٠٢٢م.

٥. الدَّولة المكّية بالمادّة الغَيبيّة: له، محقَّق، طبع ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.

٦. إنباء الحي أنّ كلامَه المصونَ تبيانٌ لكلِّ شيء (مجلّدان): له، محقَّق، طبع ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.

٧. شرح عقود رسم المفتي: للإمام ابن عابدين الشّامي (ت١٢٥٢هـ) محقَّقة، طبعت رابعاً من "دار الفتح" الأردن، ١٤٤٣هـ/ ٢٠٢٢م.

8. أجلى الإعلام أنّ الفتوى مطلقاً على قول الإمام: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، طبعت رابعاً من "دار الفتح" الأردن، ١٤٤٣هـ/ ٢٠٢٢م.
9. الفضل الموهبي في معنى إذا صحّ الحديث فهو مذهبي: له (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، طبعت رابعاً من "دار الفتح" الأردن، ١٤٤٣هـ/ ٢٠٢٢م.
10. جليُّ الصَّوْت لنَهي الدَّعْوة أمَامَ موت (بالأرديّة): له، ١٤٢٨هـ/ ٢٠٠٧م.
11. رادّ القحط والوباء بدعوة الجيران ومُؤاساة الفقراء: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، مترجمة بالعربيّة، طبعت من "الإدارة لتحقيقات الإمام أحمد رضا" كراتشي ١٤٢٩هـ/ ٢٠٠٨م.
12. أعجب الإمداد في مكفِّرات حقوق العباد: له، محقَّقة، مترجمة بالعربيّة، طبعت من "الإدارة لتحقيقات الإمام أحمد رضا" كراتشي ١٤٢٩هـ/ ٢٠٠٨م.
13. صفائح اللُجَين في كون تصافُح بكفَّي اليدَين: له، محقَّقة، مترجمة بالعربيّة، طبعت من "الإدارة لتحقيقات الإمام أحمد رضا" كراتشي ١٤٢٩هـ/ ٢٠٠٨م.
14. الإجازات المتينة لعلماء بكّة والمدينة: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م. نشر إلكتروني أوّلاً ١٤٤٣هـ/ ٢٠٢٢م.
15. الظَفر لقول زُفر: له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.
16. شمائم العنبر في أدب النداء أمام المنبر: له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.

١٧. صَيقل الرَّين عن أحكام مجاوَرة الحرمَين: له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.
١٨. الجبل الثانوي على كلية التهانوي: له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.
١٩. كفل الفقيه الفاهِم في أحكام قرطاس الدراهم: له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.
٢٠. هاديُ الأُضحِية بالشاء الهنديّة: له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.
٢١. الصافية الموحية لحكم جلد الأُضحِية: له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.
٢٢. الكشفُ شافيا حكم فونوجرافيا: له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.
٢٣. الزُّلال الأنقى من بحر سبقة الأتقى (في أفضلية سيّدنا أبي بكر رضي الله تعالى عنه): له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.
٢٤. "القول النَّجيح لإحقاق الحقّ الصّريح" مع حاشية "السعي المشكور في إبداء الحقّ المهجور": له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٨م.
٢٥. قَوارع القَهّار على المجسِّمة الفُجّار: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) مترجمة بالعربية، محقَّقة، طبعت من "دار المقطَّم" القاهرة ١٤٣٢هـ/ ٢٠١١م.
٢٦. أنوار المنّان في توحيد القرآن: له، مترجمة بالأردية، محقَّقة، ١٤٢٩هـ/ ٢٠٠٨م.
٢٧. الأمن والعُلى لناعتِي المصطفى بدافع البلاء مترجَم بالعربيّة: له، محقَّق، طبع ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٩م.

٢٨. منير العين في حكم تقبيل الإبهامَين، للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) مترجمة بالعربية، ١٤٤٤هـ/ ٢٠٢٢م (نشر إلكتروني).

٢٩. إقامة القيامة على طاعِن القيام لنبي تهامة (بالأرديّة): للإمام أحمد رضا خانْ ١٤٢٧هـ/ ٢٠٠٦م.

٣٠. حُسام الحرمَين على منحر الكفر والمَين: له (ت١٣٤٠هـ) محقَّقة، أوّلاً طبعت من "مؤسّسة الرضا" لاهور ١٤٢٧هـ/ ٢٠٠٦م. وثانياً (نشر إلكتروني) بتحقيق وترتيب جديد ٢٠١٩م.

٣١. فتاوى الحرمَين برَجفِ ندوةِ المَين: للإمام أحمد رضا خانْ (ت١٣٤٠هـ) محقَّق، ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٩م (نشر إلكتروني).

٣٢. إذاقة الأثام لمانعِي عملِ المَولد والقيام (بالأردية): للعلّامة المفتي نقي علي خانْ (ت١٢٩٧هـ) محقَّقة، طبعت ١٤٢٩هـ/ ٢٠٠٨م.

٣٣. أصول الرَّشاد لقَمع مَباني الفساد (ضوابط لمعرفة البدَع والمنكَرات) (بالأردية): للعلّامة المفتي نقي علي خانْ (ت١٢٩٧هـ) محقَّقة، ١٤٣٠هـ / ٢٠٠٩م. وثانياً (بالعربية) من "دار الفقيه" أبوظبي الإمارات ١٤٣٦هـ/ ٢٠١٥م.

٣٤. قواعد أصوليّة لفهم الآيات القرآنيّة والأحاديث النبويّة (ضوابط لمعرفة البدَع والمنكَرات) (بالعربية): للدكتور المفتي محمد أسلم رضا المَيمني، محقَّقة، طبعت ثانياً ١٤٤٠هـ / ٢٠١٩م. و(بالأردية): له، محقَّقة، طبعت ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٩م.

٣٥. مقدّمة الجامع الرّضوي (ضوابط في الحديث الضعيف): لملِك العلماء المحدِّث المفتي ظفر الدّين البِهاري، محقَّقة، طبعت ثانياً نسخة معدَّلة من "دار الفقيه" أبوظبي الإمارات، ١٤٣٦هـ/ ٢٠١٥م.

٣٦. تحسين الوصول إلى مصطلح حديث الرّسول ﷺ: له، محقَّقة (بالأرديّة)، طبعت ثالثاً ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٩م.

٣٧. تحسين الوُصول إلى مصطلح حديث الرّسول ﷺ: له، محقَّقة (بالعربية) طبعت رابعاً ١٤٤٠هـ/ ٢٠١٩م.

٣٨. حياة الإمام أحمد رضا: للدكتور المفتي محمد أسلم رضا المَيمني، رسالة مختصرة في سيرة الإمام، محقَّقة، طبعت من "الإدارة لتحقيقات الإمام أحمد رضا" كراتشي ١٤٢٧هـ/ ٢٠٠٦م.

٣٩. نظم العقائد النَّسَفية (النّظم العربي): المفتي الشيخ إبراهيم علي الحمدُو العمر الحلَبي، طبع ثانياً ١٤٣٩هـ/ ٢٠١٨م.

٤٠. نظم العقائد النَّسَفية (النّظم الأردو): للشّيخ محمد سلمان الفريدي المصباحي الهندي، طبع ١٤٣٩هـ/ ٢٠١٨م.

٤١. متن الآجُروميّة في النحو: ترتيب جديد: الدكتور المفتي محمد أسلم رضا المَيمني، ١٤٤٣هـ/ ٢٠٢١م (نشر إلكتروني).

٤٢. مختصر الآجُروميّة في النحو: ترتيب جديد: الدكتور المفتي محمد أسلم رضا المَيمني، ١٤٤٣هـ/ ٢٠٢١م (نشر إلكتروني).

٤٣. الدعوة إلى الفكر، للشيخ منشا تابِش القصوري، ترجمتها بالعربية: الأستاذ العلاّمة محمد عبد الحكيم شرف القادري (ت١٤٢٨هـ) محقَّق، ١٤٤٣هـ/ ٢٠٢٢م (نشر إلكتروني).

٤٤. "معارف رضا" المجلّة السَّنَوية العربيّة ١٤٢٩هـ/ ٢٠٠٨م (العدد السّادس) طبعت من "الإدارة لتحقيقات الإمام أحمد رضا" كراتشي.

اردو کتابیں

٤٥. اسلامی عقائد ومسائل (اردو): ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی، محقَّق، ثانیاً ۱۴۴۲ھ/۲۰۲۱ء۔

٤٦. عظمتِ صحابہ واہلِ بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم (اردو): ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی، محقَّق، ۱۴۴۲ھ/۲۰۲۰ء، الغنی پبلیشرز ۱۴۴۲ھ/۲۰۲۱ء۔

٤٧. قائدِ ملّت اسلامیہ علّامہ خادم حسین رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حیات، خدمات اور سیاسی جدوجہد (اردو): مفتی عبدالرشید ہمایوں المدنی، محقّق، ۱۴۴۲ھ/ ۲۰۲۱ء (آن لائن)۔

٤٨. تحقیقاتِ امام علم وفن (اردو): حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی، محقّق، ۱۴۴۲ھ/۲۰۲۱ء، الغنی پبلیشرز ۱۴۴۲ھ/ ۲۰۲۱ء۔

٤٩. تعارف حضرتِ علّامہ مفتی محمد ابوبکر صدیق قادری شاذلی (اردو): مفتی عبد الرشید ہمایوں المدنی، محقّق، ۱۴۴۲ھ/ ۲۰۲۰ء (آن لائن)۔

٥٠. تحسینِ خطابت (واعظ الجمعہ ۲۰۱۸ء) (اردو) ۱۴۴۵ھ/۲۰۲۴ء، عدد صفحات: ۳۲۰ (آن لائن)۔

٥١. تحسینِ خطابت (واعظ الجمعہ ۲۰۱۹ء) (اردو) ۱۴۴۵ھ/۲۰۲۴ء، عدد صفحات: ۴۶۸ (آن لائن)۔

٥٢. تحسینِ خطابت (واعظ الجمعہ ۲۰۲۰ء) (اردو) (۲ جلدیں) عدد صفحات: ۹۸۲۔ الغنی پبلیشرز ۱۴۴۳ھ/۲۰۲۲ء۔

٥٣. تحسینِ خطابت (واعظ الجمعہ ۲۰۲۱ء) (اردو) ۱۴۴۴ھ/۲۰۲۳ء، (۲ جلدیں) عدد صفحات: ۸۷۲، المکتبۃ النظامیہ پشاور۔

٥٤. تحسینِ خطابت (واعظ الجمعہ ۲۰۲۲ء) (اردو) ۱۴۴۴ھ/۲۰۲۳ء، (۲ جلدیں) عدد صفحات: ۹۶۰ (آن لائن)۔

٥٥. تحسینِ خطابت (واعظ الجمعہ ۲۰۲۳ء) (اردو) ۱۴۴۵ھ/۲۰۲۴ء، (۲ جلدیں) عدد صفحات: ۹۴۴ (آن لائن)۔

٥٦. امام احمد رضا ایک فقیہِ مجتہد (اردو) ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی، محقّق، ۱۴۴۴ھ/ ۲۰۲۲ء (آن لائن)۔

٥٧. تحسینِ خطابت (واعظ الجمعہ ۲۰۲۳ء) (اردو) ۱۴۴۵ھ/۲۰۲۴ء، عدد صفحات: ۹۴۴ (آن لائن)۔

٥٨. امام احمد رضا کی اجتہادی آراء (اردو) ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی، محقّق، ۱۴۴۶ھ/ ۲۰۲۴ء (آن لائن)۔

انگریزی کتابیں

59. 20 FUNDAMENTAL PRINCIPLES TO IDENTIFY SHIRK & BID`AH: By: Dr. Mufti Muhammad Aslam Raza Memon Tahsini.
60. Tahsin al-Wusul – By: Dr. Mufti Muhammad Aslam Raza Memon Tahsini.
61. The Hereafter (On the Muslim belief of life after death), By: Dr. Mufti Muhammad Aslam Raza Memon Tahsini.

عنقریب شائع ہونے والی کتب

١. عقائدوکلام (اردو): للإمام أحمد رضا خانْ (ت ١٣٤٠هـ).

٢. تلخيص الفتاوى الرضوية (اردو): له، (ستّ مجلّدات).

واعظ الجمعہ

تحسینِ خطابت

(۲۰۱۸ء)

تالیف و ترتیب

ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی حفظہ اللہ تعالیٰ

أهل السنة

لتحقيق الكتب والطباعة والنشر

واعظ الجمعہ

تحسینِ خطابت

(۲۰۱۹ء)

تالیف وترتیب
ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی حفظہ اللہ تعالی

أهل السنة
لتحقيق الكتب والطباعة والنشر

واعظ الجمعہ

تحسینِ خطابت

(۲۰۲۳ء)

جلد اوّل و دوم

تالیف و ترتیب

ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی حفظہ اللہ تعالیٰ

اہل السنۃ لتحقیق الکتب والطباعۃ والنشر